خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ حیا کراچی

عید مبارک



آئینہ

آئینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمانِ الٰہی

قربانی سے کیا سبق حاصل کیا جائے؟

☆......قربانی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جس عظیم الشان عمل کی یادگار ہے، اس کا دل و دماغ میں استحضار کیا جائے اور اس حقیقت کو سوچا جائے کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا جوئی کے لئے تھا اور یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ اگر بیٹے ہی کو ذبح کرنے کا حکم باقی رہتا تو ہم بخوشی اس کی تعمیل کرتے۔ ہر والد کا جذبہ یہ ہو کہ میں ضرور اپنے لختِ جگر کو قربان کرتا اور ہر بیٹے کا جذبہ یہ ہو کہ میں قربان ہونے کے لئے بدل و جان راضی ہوتا اور یہ عزم ہونا چاہئے کہ اگر یہ حکم آج نازل ہو جائے تو ہم اس میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کریں گے۔

☆......قربانی کی اصل روح اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنی تمام نفسانی خواہشات کو قربان کر دے۔ جانور ذبح کر کے قربانی دینے کے حکم میں یہی حکمت پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں تمام خواہشات نفسانیہ کو ایک ایک کر کے ذبح کرو۔ اگر کوئی شخص جانور کی قربانی تو بڑے شوق سے کرتا ہے مگر خواہش نفس اور گناہوں کو نہیں چھوڑتا، نہ اس کی فکر ہے تو اگرچہ واجب تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو گیا، مگر قربانی کی حقیقی روح سے محروم رہا، اس لئے قربانی کی ظاہری صورت کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقت کو حاصل کرنے کا عزم، کوشش اور دعا بھی جاری رہنی چاہئے۔

☆......حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف ایک جانور کی قربانی نہیں کی، بلکہ پوری زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزارا جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا، فوراً تعمیل کی۔ جان، مال، ماں باپ، وطن و مکان، لختِ جگر غرض سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربان فرمایا۔ ہمیں بھی اپنے اندر یہی جذبہ پیدا کرنا چاہئے کہ دین کا جو تقاضا بھی سامنے آئے اور اللہ تعالیٰ کا جو حکم بھی سامنے آئے اس پر عمل کریں گے۔ اپنے اعزہ و احباب، بیوی بچوں، ماں باپ، خاندان، قوم کسی چیز کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں ترجیح نہیں دیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ نبوت

عشرۂ ذی الحجہ میں بال اور ناخن نہ کاٹنا مستحب ہے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عشرۂ ذی الحجہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کسی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو قربانی کرنے تک وہ جسم کے کسی حصہ کے بال نہ لے اور ناخن نہ کاٹے۔ (صحیح مسلم)

یہ استحبابی حکم صرف قربانی کرنے والوں کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں اس کی صراحت ہے، وہ بھی اس شرط سے کہ زیر ناف اور بغلوں کی صفائی اور ناخن کاٹے ہوئے چالیس روز نہ گزرے ہوں۔ اگر چالیس روز گزر گئے ہوں تو امور مذکورہ کی صفائی واجب ہے۔

تکبیرات تشریق

تکبیر تشریق یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر ولله الحمد، یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد پڑھنا مطابق واجب ہے۔ بعض لوگ تین دفعہ پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں جو غلط ہے، ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے۔

تکبیر تشریق مرد، عورت، مقیم و مسافر سب پر واجب ہے۔ مفتی بہ قول کے مطابق مذکورہ تاریخوں میں تکبیرات تشریق کا پڑھنا جماعت سے نماز پڑھنے والے اور تنہا نماز پڑھنے والے، شہری اور دیہاتی، مقیم اور مسافر، مرد اور عورت سب پر واجب ہے۔ البتہ مرد متوسط بلند آواز سے پڑھے اور عورت آہستہ۔ بہت سے لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں، پڑھتے ہی نہیں یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں، اس کی اصلاح ضروری ہے۔

☆......☆......☆......☆

ترتیب: مولانا محمود عباسی

آوازِ حیا

حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم اور برگزیدہ ہستی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور جب بھی ان کو امتحان و آزمائش کی بھٹی میں تپایا گیا، کامیاب و کامران ہو کر نکلے، انہوں نے اپنے خالق کے ساتھ وفا شعاری، عبدیت و بندگی، شرک سے نفرت، اللہ تعالیٰ کی محبت و رفاقت میں مخلوق سے کنارہ کشی اور بے نیازی، دعوتِ الی اللہ اور بیت اللہ کی تعمیر و جدید کے ایسے زندہ و تابندہ نقوش چھوڑے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے اس خلیل کی ادائیں محبوب ہو گئیں اور امتِ محمدیہ کے لئے سنن ابراہیمی کو تازہ رکھنے کا ہر ممکن سامان کیا گیا۔

ذرا حج کے تمام ارکان و افعال پر غور کیجئے، ہر ہر عمل میں خدائے وحدہ لاشریک کے اس پاکباز بندے کی محبوب ادائیں نظر آئیں گی، صفا و مروہ کی سعی دیکھئے، تو خدا کی نیک بندی حضرت ہاجرہؓ کی بے چینی اور بے قراری کی یاد تازہ ہو جاتی ہے...... زمزم کا چشمہ، حضرت اسماعیلؑ کے لئے نصرت خداوندی کی یاد دلاتا ہے...... اور آخر میں

آوازِ حیا

منیٰ کی قربانی اس ذبح عظیم کی یادگار ہے، جس میں خلیل اللہ نے اپنے لختِ جگر کو خداوند تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے......

یہی اسوۂ ابراہیمی ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ پر قربان ہو جائے...... اپنی خواہشات اور خوشی، اہل و عیال، دوست احباب کی فرمائشیں اور خواہشات...... انسان کی زندگی میں قدم قدم پر ایسے مواقع آتے ہیں جہاں اللہ کا حکم اور ہوتا ہے، انسان کی خواہش کچھ اور...... نفس چاہتا ہے کہ یہ کام کروں اور شریعت کہتی ہے نہیں...... شادی بیاہ کا موقع ہو یا موت و مرگ...... خوشی کا موقع ہو یا غمی کا...... ہر موقع پر انسان حضرت ابراہیمؑ کے کردار کو دیکھے...... اور سوچے کہ کیا وہ بھی اپنے جذبات اور خواہشات کو خدا کی مرضی پر قربان کرنے اور اپنے احباب و متعلقین کی خواہش کو اللہ و رسول کے حکم کے سامنے قربان کرنے کیلئے تیار ہے؟......

مہر افروز مہر

120 روپے کی بچت
120 روپے کی بچت
120 روپے کی بچت

ماہنامہ حیا کراچی

قارئین کے لیے

ماہنامہ حیا کراچی کی سالانہ خریداری پر زبردست رعایت

یہ کوپن پر کیجئے اور سرکولیشن منیجر ماہنامہ حیا کراچی کے ایڈریس پر ارسال کیجئے

ایڈریس: ادارہ حیا پی او بکس 15009 جی پی او صدر کراچی

موبائل: 0300-2048082

نام ____________________

پتہ ____________________

فون نمبر ____________ فیکس ____________

میں منی آرڈر ارسال کر رہی ہوں / کر رہا ہوں

(نوٹ) تمام کراس چیک، قابل قبول نہیں صرف وصرف منی آرڈر ارسال کریں۔

جی ہاں ________ میں ماہنامہ حیا کراچی کی / کا سالانہ خریدار ماہ ________

سے بذریعہ ________ بک پوسٹ ________ رجسٹرڈ ڈاک ________

بننا چاہتی ہوں / چاہتا ہوں۔

★	بارہ شماروں کی قیمت	ڈاک خرچ	کل رقم	بچت	سالانہ بدل اشتراک
بک پوسٹ	720 روپے	120 روپے	840 روپے	120 روپے	720 روپے
رجسٹرڈ پوسٹ	720 روپے	360 روپے	1080 روپے	120 روپے	960 روپے

لبیک اللھم لبیک



اہل تسلیم ورضا کا زمزمہ بار کلمہ حق

ابن الحسن عباسی

عیدالاضحیٰ کے آتے ہی کئی یادیں، جذبے اور ولولے انگڑائیاں لے کر تازہ ہو جاتے ہیں، عشق ووفا کے سرمدی زمزموں کی صدائے بازگشت چہار سو سنائی دیتی ہے، فرزندانِ توحید کو اجتماعیت کا سبق یاد دلانے والا حج کے روح پرور اجتماع کا منظر سامنے آتا ہے، راہ وفا میں فانی دنیا قربان کرنے کا ایمان افروز موسم ہر سمت چھا جاتا ہے، ایثار و قربانی کا احساس نشوونما پاتا ہے اور عہد ناقہ ومحمل اور نجد وحجاز کی تاریخ ابھر ابھر آتی ہے...... جب بطحا کی بے آب و گیاہ وادی میں ایک مقدس ہستی نے اپنی بیوی اور اپنے جگر گوشے کو اللہ کے حوالے کر کے رخت سفر باندھا اور اس کی فرشتہ صفت اہلیہ کو معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا حکم ہے تو وہ سر اطاعت خم کرتی ہوئی کہنے لگیں: "جس حاکم کے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے، وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔" ...... کہ:

جائز نہیں اندیشۂ جان عشق میں اے دل!
ہشیار کہ یہ مسلک تسلیم و رضا

دشتِ بے اماں میں اس پیکرِ رضا کی تنہائی اور کسمپرسی کی حالت یقیناً وہ تھی جو کسی عربی شاعر نے اپنے اس بلیغ شعر میں بیان کی ہے:

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا
أنیس ولم یسمر بمکة سامر

(یوں لگتا ہے کہ حجون سے لے کر صفا پہاڑی تک نہ کوئی میرا غمگسار تھا اور نہ ہی مکہ کی راتوں میں میرے ساتھ کوئی دل بہلاوے کی باتیں کرنے والا تھا)

لختِ جگر کی پیاس کی بے تابی نے ماں پر اضطراب اور بے چینی کا کیسا عالم طاری کیا ہوگا......! وہ کوہ صفا اور مروہ کے درمیان دیوانہ وار دوڑتی رہیں...... بچے کی تشنگی کی سیمابی مامتا کو تڑپانے اور اس کی تڑپ آسمانوں کو ہلانے لگی تو رحمت الٰہی خشک زمین سے فوارے کی شکل میں نمودار ہوئی، ایک منٹ میں چھ سو ساٹھ لیٹر نکلنے والا آب زمزم اس وقت سے لے کر اب تک رواں دواں ہے اور اللہ جانے ایک لمحہ میں دنیا کے کتنے تشنہ لبوں کو سیراب کر رہا ہے......؟ صدیاں گزر گئیں، صفا اور مروہ کے درمیان دیوانہ وار سعی کی وہ ادا آج بھی جاری ہے، بلاشبہ ایمان کی قوت، ناقابل شکست اور اس کے برگ و بار کی یادگاریں لافانی ہوتی ہیں۔

معمارِ حرم حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پاکباز زندگی کے قدم قدم پر ایمان ویقین کی ان گنت نشانیاں فکر ووجدان کی تاریک راہوں کو روشن کرتی اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم کا پتہ دیتی ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ انسان کو ایمان ویقین سے بڑھ کر کوئی قوت، کوئی طاقت اور کوئی تسخیر آج تک حاصل ہوئی، نہ ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین ہی ڈوبتی کشتی کو ساحل عطا کرتا، منزل غم کی سختیوں کو پامال کرتا، مولے کو شہباز سے ٹکرانے کا حوصلہ بخشتا اور آگ کے شعلوں کو

ہوائے چمن کے جھونکوں میں بدل دینے کا اعجاز دکھاتا ہے...... یہ کوئی جذباتی لفظوں کی ہیرا پھیری یا انشا پردازی کا بے حقیقت غلغلہ ہرگز نہیں، بلکہ دلوں کو گرمانے اور روح کو وجد میں لانے والی یقین وثبات کی یہ داستانیں تاریخ کے چپے چپے پر بکھری پڑی ہیں...... حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو وہ گلزار میں ڈھل کر اندازِ گلستان پیدا کر گئی۔

یہ بات نہیں کہ دنیا میں مردِ مومن کو ظاہری شکست نہیں ہوتی، یہ بھی نہیں کہ اس کے راستے میں سنگِ گراں رکاوٹ نہیں بنتے، یہ بھی نہیں کہ اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا خون نہیں ہوتا، آپ خود سوچیں کہ اگر ماتم شکست کی بجائے اس کے حصہ میں ہمیشہ فتوحات کا جشن آئے، آبلہ پائی کی بجائے اس کے قدم سدا پھولوں کی سیج پر گل فشانی کا لطف لے، خواہشات اور شیطانی ستم کے خار سے زندگی تار تار ہونے کی بجائے اس کی ہر امید بھر آتی رہے اور ناکامیوں کی بجائے اس کے جہادِ زندگانی کو صرف کامیابیوں ہی کی سوغات ملے تو ایسی صورت میں کون ہے جو ایمان کی راہ روی کا دعویٰ نہیں کرے گا، چونکہ مومن کے ایمان خالص اور منافق کے نفاق کو ظاہر کرنا ضروری ہے، اس لئے ابتلاء اور آزمائش کی کسوٹی پر دعویٰ ایمان کے کھوٹے اور کھرے پن کو آزمانا اللہ کی سنت ہے، سورۂ عنکبوت آیت نمبر۲ میں ارشاد ہے...... "کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ (ایسا نہیں، وہ ضرور آزمائے جائیں گے) ہم تو انہیں بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے"...... لیکن جس شخص کا ایمان جس قدر مضبوط، جس قدر مستحکم اور جس قدر قوی ہوگا، اسی قدر اس کی آزمائش اور ابتلا کا مرحلہ بھی سخت ہوگا، ارشاد نبوی ہے: "أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل"...... "لوگوں میں انبیاء کی آزمائش سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے، پھر جو انبیاء کے جتنا قریب ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوگی"...... اس لئے ایک مومن کی زندگی میں ظاہری ناکامیاں بھی آتی ہیں اور اپنی اجل موعود پر وہ فانی دنیا سے روپوش بھی ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے ایمان کی خوشبو دائمی اور اس کے ذکرِ خیر کا گلشن سدا مہکتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو لے لیجئے، ان کی آزمائش کا ایک مشکل ترین مرحلہ اکلوتے فرزند کی قربانی کا تھا، خواب میں انہیں فرزند ذبح کرنے کا حکم ملا، اس کی تعمیل میں کسی حیل وحجت کے بغیر بیٹا اپنی جوانی اور اپنی امنگوں کی دنیا اور باپ اپنی سو سالہ دعاؤں کا نخل تمنا قربان کرنے صبح کے دھندلکے ہی میں شاداں شاداں رواں ہو گئے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسماعیل

قرآن کریم کی سورۃ الصفات میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

"وہ لڑکا جب آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر تک پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی سوچ لو، تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے، ابا جان جو حکم آپ کو دیا گیا ہے، اسے کر ڈالئے، آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، پھر جب دونوں نے اللہ کا حکم تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے ندا دی کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان، ہم نے ایک عظیم ذبیحہ فدیئے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر خیر چھوڑا، سلام ہو ابراہیم پر، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔"

(سورۃ الصافات، آیت ۱۰۲-۱۱۱)

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس موقع پر بہکانے کی کوشش کی لیکن آپ نے ہر بار سات کنکریاں مار کر اسے بھگا دیا، وفا اور سر تسلیم خم کرنے کی اس تاریخ ساز کامیابی کی یادگار کے طور پر وادی منیٰ میں حجاج کرام ہر سال اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے اتارا گیا، ایک مینڈھا ذبح کیا گیا، عید الاضحیٰ میں قربانی کی یہ سنت ابراہیمی بھی اسی وقت سے چلی آ رہی ہے، صحابہ نے پوچھا، حضور! یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا: "یہ تمہارے ابا حضرت ابراہیم کی سنت ہے"...... اور فرمایا کہ استطاعت کے باوجود جو شخص قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کا رخ نہ کرے اور ان تین دنوں میں قربانی سے بڑھ کر کوئی دوسرا نیک عمل اللہ کو محبوب نہیں۔

مغرب سے متاثر ہونے والے بعض جدید ذہنوں میں قربانی سے متعلق یہ شبہ پایا جاتا ہے کہ جانور ذبح کرنے کی بجائے وہ رقم کسی غریب مسکین کو دی جائے تو اس کا بھلا ہوگا، غریب کے ساتھ ہمدردی کا یہ جذبہ اپنی جگہ، لیکن ایک عبادت کو اس جذبے کی بھینٹ چڑھانے کا مطلب اپنی سوچ، اپنی رائے اور اپنی فکر کی غلامی کے سوا کچھ بھی نہیں، رب کی بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ جو حکم دیا گیا اس کی تعمیل کی جائے، یہاں آ کر بعض کورنگاہ نام نہاد دانش ور راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں، وہ شریعت کے ہر حکم کو خرد کے پیمانے سے ناپتے اور عقل کی کسوٹی سے پرکھتے ہیں۔

ان کی نظر اس واضح حقیقت کی طرف نہیں جاتی کہ حکم الٰہی کی تعمیل صرف اور صرف اس لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہے، خواہ عقل کی اس حکمتوں کا احاطہ کر سکے یا قاصر رہے...... آتش نمرود غرور میں کودنے کا کرشمہ عشق کا ہے، عقل تو محو تماشائے لب بام رہی، یہی وہ مقام ہے جہاں عقل کے ترانوں کا نہیں، عشق کی نواؤں کا رنگ جمتا ہے اور خرد کی گتھیاں سلجھانے والوں کی منطق نہیں، اہل جنوں کی راہ و رسم تب و تاب جاودانہ پاتی ہے کہ:

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں، بدر و حنین بھی ہے عشق

ہمارا آج کا دور بھی اہل ایمان کے لئے آزمائشوں اور فتنوں کا دور ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے اس دور کے فتنوں کی پیشن گوئی فرما چکے ہیں، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کتاب الفتن میں ایک روایت نقل کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مسلمانوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ کافر قومیں ان کے خلاف لڑنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے لئے ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے، کسی نے پوچھا کہ کیا اس وقت ہم کم ہوں گے؟ فرمایا نہیں، تم بہت ہو گے لیکن سیلاب کے جھاگ کی مانند بے کار ہو گے، اللہ تمہارا خوف غیروں کے دل سے ہٹا لے گا اور تمہارے دل میں ان کا رعب بٹھا دے گا، دنیا کی محبت اور موت سے نفرت تم میں آ جائے گی۔"

آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح اس حدیث کا لفظ لفظ آج کے حالات پر صادق آ رہا ہے، مسلمانوں کے خلاف طاغوتی قومیں متحد ہونے کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دے رہی ہیں، دنیا کی مسلم اکثریت پر نظر ڈالیں تو وہ راکھ کا ڈھیر معلوم ہوگی اور عالم اسلام کے اکثر ملکوں کو دیکھیں تو مغرب سے مرعوبیت کی وبا ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی ہے، لیکن یہ بات اپنی جگہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اسلام ان تمام فتنوں، طوفانوں اور سمت مخالف سے چلنے والی آندھیوں کے باوجود قیامت تک باقی رہنے والا دین برحق ہے، طاغوت کے گماشتے دنیا سے اس کے زمزمہ بار کلمۂ حق کو کبھی بھی فنا نہیں کر سکتے، آزمائش ہے تو صرف مسلمانوں کی ہے اور فتنے ہیں تو صرف اہل اسلام کو آزمانے کے لئے ہیں کہ وہ اپنی جان اور مال سمیت کلمہ اسلام پر قائم رہتے ہیں کہ نہیں اور یہ کہ کس قدر وہ توحید کے اس نعرہ مستانہ "لبیک اللھم لبیک......" کا پاس کرتے ہیں۔



قربانی کی فضیلت:...... حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی صاحبزادی) حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (قربانی کے وقت) فرمایا: اے فاطمہ! کھڑی ہو، اپنی قربانی کے پاس حاضر ہو جاؤ، کیونکہ اس کے خون کے پہلے قطرے کی وجہ سے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا؟ یارسول اللہ! کیا یہ فضیلت صرف ہمارے لئے، یعنی اہل بیت کے واسطے مخصوص ہے، یا سب مسلمانوں کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ فضیلت ہمارے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ (الترغیب والترہیب للحافظ المنذری ص۱۰۲ ج۲)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے سوال کیا؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان قربانیوں کی کیا حقیقت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ طریقہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام سے جاری ہے اور یہ ان کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا۔ ہم کو ان میں کیا ملتا ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔ عرض کیا: اون والے جانور، یعنی بھیڑ، دنبہ کے ذبح پر کیا ملتا ہے؟ فرمایا: ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقرعید کی دس تاریخ کو کوئی بھی نیک کام اللہ کے نزدیک (قربانی) کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قیامت کے دن قربانی والا اپنے جانور کے بالوں اور سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں ثواب عظیم کا ذریعہ بنیں گی)۔ نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجۂ قبولیت پالیتا ہے۔ لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔

قربانی کی اہمیت:...... چونکہ اصل مقصود خون بہانا ہے، یعنی جان، جان آفریں کے سپرد کرنا ہے، اس لئے قربانی کے ایام میں اگر کوئی شخص قربانی کی قیمت صدقہ کر دے، یا اس کی جگہ غلہ یا کپڑ احتاجوں کو دے دے تو اس سے حکم کی تعمیل نہ ہوگی اور ترک قربانی کا گناہ ہوگا اور ہر بال کے بدلے نیکی ملنے کی جو سعادت تھی، اس سے محرومی ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص وسعت ہوتے ہوئے قربانی نہ کرے، وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔" (رواہ الحاکم، الترغیب والترغیب ص۱۰۳، ج۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی فرمائی۔

ان حدیثوں سے قربانی کی بہت زیادہ تاکید معلوم ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پابندی سے قربانی کرنے اور اس کے لئے تاکید فرمانے کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اہل وسعت پر قربانی کو واجب کہا ہے اور فرمایا ہے کہ صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔ (واجب کا درجہ فرض کے قریب ہے بلکہ عمل میں فرض کے برابر ہے)

قربانی کس پر واجب ہے:...... جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہو، یا جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی، یا اس کی قیمت ہو، یا اتنی قیمت کا مال تجارت ہو، یا فاضل سامان پڑا ہو، اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہو جاتے ہیں، یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یوں کہنا تو درست ہے کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہے، اس پر قربانی بھی واجب ہے، لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں، اس پر قربانی بھی واجب نہیں، کیونکہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر زکوٰۃ فرض نہیں، کیونکہ ان کے پاس سونا چاندی یا مال تجارت یا نقدی نصاب کے بقدر نہیں ہوتی، لیکن بہت سا فاضل سامان پڑا ہوتا ہے (جیسے استعمال کیا ہوا ضرورت سے زائد فرنیچر وغیرہ)۔ اگر یہ فاضل سامان ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہو جاتی ہے، لیکن زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے۔ بارہ مہینے گزر جائیں تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور قربانی واجب ہونے کے لئے قربانی کی تاریخ آنے سے پہلے چوبیس گھنٹے گزرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ اگر کسی کے پاس ایک آدھ دن پہلے ہی ایسا مال آیا، جس کے ہونے سے قربانی واجب ہوتی ہے تو اس پر کل کو قربانی واجب ہو جائے گی۔

یہ معلوم ہوا کہ جو صاحب نصاب ہو، اس پر قربانی واجب ہے۔ فرضیت زکوٰۃ اور وجوب قربانی و صدقہ فطر کے بارے میں ہر ایک کی ملکیت علیحدہ علیحدہ دیکھی جائے گی۔ اگر کسی گھر میں باپ، بیٹے اور بیٹوں کی ماں ہوں اور ہر ایک کی ملکیت میں اتنا مال ہو، جس پر قربانی ہوتی ہے تو ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی۔ البتہ نابالغ کی طرف سے کسی حال میں قربانی کرنا لازم نہیں۔ عورتوں کے پاس عموماً اتنا زیور ہوتا ہے جس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے، اگرچہ وہ بیوہ ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ:...... شرعی مسافر، یعنی جو شخص اپنے شہر یا بستی سے 48 میل کے سفر کے ارادے سے ایام قربانی سے قبل نکلا ہو، اس پر قربانی واجب نہیں، ہاں اگر قربانی کے دنوں میں سے کسی دن گھر پہنچ جائے یا کسی جگہ 15 دن قیام کر لے تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔

مسئلہ:...... جو جانور تین پاؤں سے چلتا ہے اور چوتھا پاؤں رکھتا ہی نہیں، یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے مگر اس سے چل نہیں سکتا، یعنی چلنے میں اس سے سہارا نہیں لیتا تو اس کی قربانی درست نہیں، اگر چاروں پاؤں سے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ:...... قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے اور دوسرے سے ذبح کرانا بھی جائز ہے۔ اگر دوسرے سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود ہو تو بہتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قربانی کے وقت جانور کے قریب حاضر ہونے کو فرمایا۔

مسئلہ:...... جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں، اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جو باقی ہیں، وہ تعداد میں گر جانے والے دانتوں سے زیادہ ہیں، تو اس کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ:...... اگر کسی جانور کے پیدائش ہی سے کان

نہیں تو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر دونوں کان ہیں اور صحیح سالم ہیں، لیکن ذرا چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی ہوسکتی ہے۔

مسئلہ:.....جس جانور کے پیدائش ہی سے سینگ نہیں، لیکن عمر اتنی ہوچکی ہے، جتنی قربانی کے جانور کی لازم ہے تو اس کی قربانی درست ہے اور اگر سینگ نکل آئے اور ان میں سے ایک یا دونوں کچھ ٹوٹ گئے تو ایسے جانور کی قربانی ہوسکتی ہے۔ ہاں اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے اور اندر کی مینگ بھی ختم ہوگئی تو اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ:.....خصی جانور کی قربانی نہ صرف یہ کہ درست ہے بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایسے جانوروں کی قربانی کی ہے۔

مسئلہ:.....اگر مادہ جانور کی قربانی کی اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکل آیا، تب بھی قربانی ہوگئی۔ اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کرے۔

مسئلہ:.....اگر قربانی کا جانور خرید لیا پھر اس میں کوئی عیب پیدا ہوگیا، جس کی وجہ سے قربانی درست نہیں ہوتی تو اس کے بدلے میں دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے۔ ہاں اگر غریب آدمی ہو، جس پر قربانی واجب نہیں تھی اور اس نے ثواب کے شوق میں جانور خرید لیا تھا تو اسی کی قربانی کرے۔

قربانی کا وقت:.....بقرعید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے، چاہے جس دن قربانی کرے لیکن قربانی کرنے کا سب سے افضل دن بقرعید کا دن ہے، پھر گیارہویں تاریخ، پھر بارہویں تاریخ۔

مسئلہ:.....بقرعید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں، نماز عید پڑھ چکیں، تب قربانی کریں۔ البتہ اگر کوئی دیہات میں یا گاؤں میں ہو، جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی، تو وہاں دسویں تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد قربانی کردینا درست ہے۔

مسئلہ:.....بارہویں تاریخ کا سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے قربانی کرے، چاہے دن میں، چاہے رات میں، لیکن رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں کہ شاید کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی نہ ہو، اگر خوب روشنی ہو، جیسی شہروں میں ڈے لائٹ کی روشنی ہوتی ہے تو رات کو قربانی کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔

☆......☆......☆

قربانی کا وقت

شہر اور دیہات میں فرق:.....شہر والوں کے لئے قربانی کا وقت ۱۰ ذی الحجہ کو نماز عید کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور دیہات والوں کے لئے صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے۔ اختتام میں کوئی فرق نہیں، دونوں کے لئے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک وقت رہتا ہے۔ چنانچہ دیہات والے صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے بھی قربانی کرسکتے ہیں اور شہر والے نماز عید کے بعد قربانی کرسکتے ہیں، شہر میں کسی بھی جگہ عید کی نماز نہیں ہوئی تھی کہ کسی شہری نے قربانی کردی تو قربانی نہیں ہوئی۔

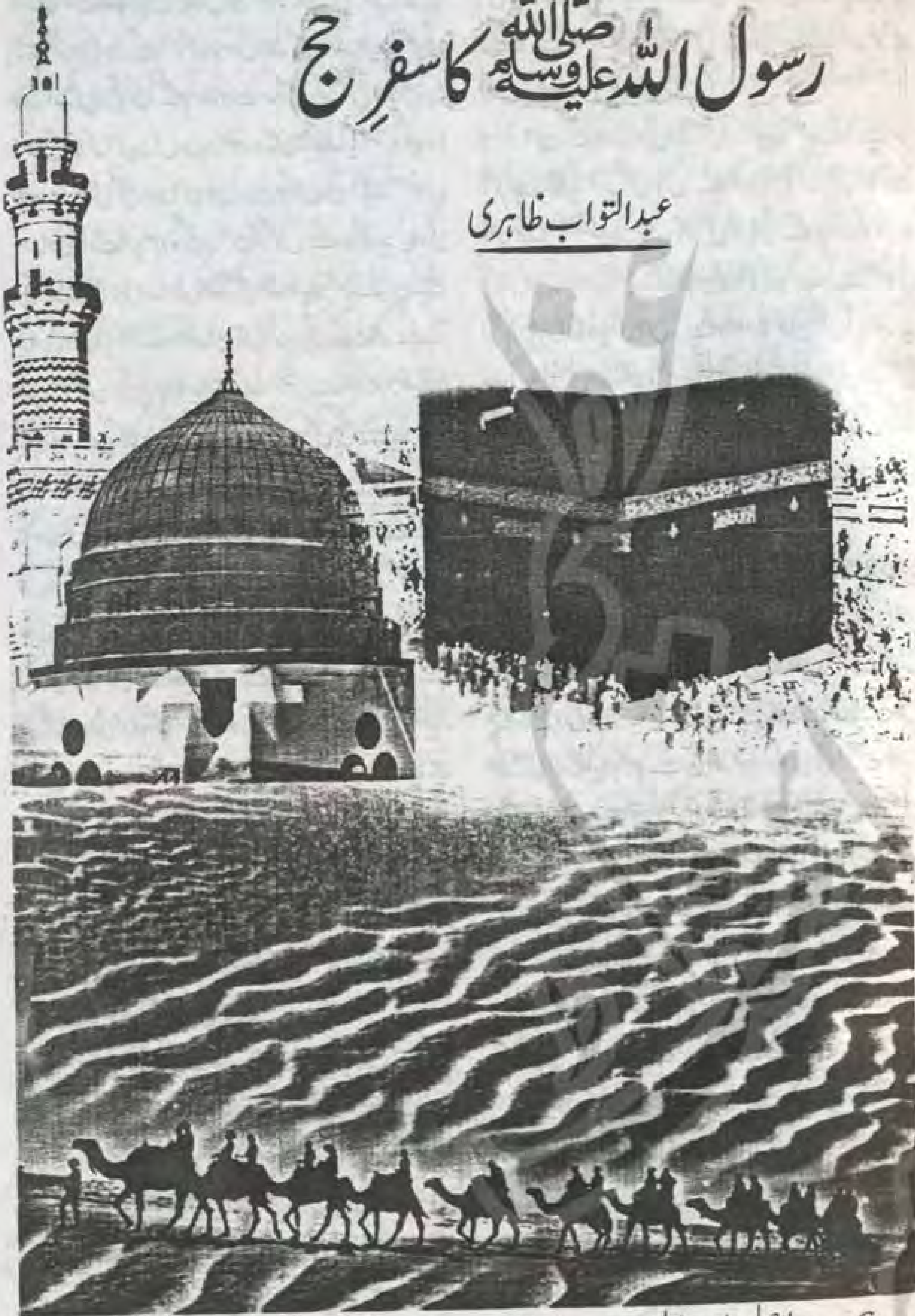
مستحب وقت:.....دیہات والوں کے لئے مستحب وقت یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد قربانی کریں اور شہر والوں کے لئے مستحب وقت یہ ہے کہ خطبہ عید کے بعد قربانی کریں۔ پہلا دن قربانی کے لئے سب سے افضل ہے، پھر دوسرے دن کا درجہ ہے، پھر تیسرے دن کا۔

رات میں قربانی کرنا:.....دسویں اور تیرہویں رات کو قربانی کرنا جائز نہیں۔ گیارہویں اور بارہویں رات کو جائز ہے، مگر رات میں رگیں نہ کٹنے، یا ہاتھ کٹنے، یا اضحیہ کے آرام میں خلل کے اندیشہ سے ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(انتخاب:.....معلّمہ طاہرہ، کلفٹن کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ حج

عبدالتواب ظاہری



ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دسواں سال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمادیا کہ "میں اس سال حج بیت اللہ کے لئے جانے والا ہوں، جس کو جانا ہو، وہ آ کر مل لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بھی اپنے ساتھ چلنے کا حکم فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان عام سن کر مختلف مقامات سے صاحب

استطاعت صاحبان پیدل اور سوار جوق در جوق مدینہ پہنچنا شروع ہوگئے، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں حج کی عظیم سعادت حاصل کرسکیں، یہ عجیب اتفاق تھا کہ اس برس مدینہ منورہ میں چیچک یا خسرہ کی وبا پھوٹ پڑی تھی اور اس وجہ سے لوگوں کی ایک معقول تعداد حج سے محروم رہ گئی۔ جن لوگوں کے لئے یہ بیماری حج سے مانع رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے یہ ارشاد فرمایا کہ "ماہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔" اب جو شخص حج پر جانا چاہتا ہے، بہتر ہے اور جو رمضان میں عمرے پر کفایت کرنا چاہتا ہے، وہ بھی صحیح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ ہی کا عزم لے کر روانہ ہوئے تھے، مدینہ میں تشریف لے آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ اور کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر حج کے لئے "شجرہ والی راہ" (یعنی، درختوں والا راستہ) اختیار فرمائی۔ اس روز جمعرات کا تھا اور ماہ ذوالقعدہ کے چھ دن باقی تھے، جب کہ ہجرت کا دسواں سال تھا۔ روانگی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہ ساعدی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کے اجالے میں سفر حج شروع فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک میں تیل لگایا، کنگھی کی اور نماز ظہر مدینہ میں ادا فرما کر سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ میقات پر نماز عصر اپنے پڑاؤ "ذوالحلیفہ" (آبار علی یا ابیار علی) میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ (مسجد نبوی سے ۱۱ یا ۱۲ کلومیٹر دور) جمعہ کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں گزاری۔ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے پاس بھی تشریف لے گئے، صبح غسل فرمایا اور نماز فجر ادا فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زریرہ کی خوشبو لگائی۔ (یہ زرد رنگ کی ایک بوٹی کا نام ہے، جو رنگنے کے کام آتی ہے) اس کے علاوہ ایک اور خوشبو لگائی، جس میں کستوری شامل تھی۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کو لبدہ لگایا۔ (یہ عمل اس لئے فرمایا، تاکہ بال حالت احرام میں منتشر نہ ہوں)، اپنی قربانی کے جانور کو قلادہ (ہار) پہنایا اور اس کے کوہان کو داہنی جانب سے معمولی زخم (چیرا) لگا دیا کہ اس سے تھوڑا سا خون نکل آیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی قربانی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قربانی اس سفر میں اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔ (ان قربانی کے جانوروں پر حضرت ناجیہ بن جندب کو نگران مقرر فرمایا تھا)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی (قصواء) پر سوار ہوگئے اور جب وہ مسجد ذی الحلیفہ کے قریب پہنچی اور دوسری بار کھڑی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پڑھنا شروع کی (یہ ظہر سے کچھ پہلے کا وقت تھا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ دونوں کی اکٹھے تلبیہ پڑھی۔ (اس نیت کو حج قرآن کہتے ہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بھی یہی ارشاد فرمایا کہ جو حج اور عمرہ دونوں کی تلبیہ کہنا چاہتے ہیں، کہیں اور جو صرف حج یا صرف عمرے کی نیت رکھتے ہیں، وہ اسی ایک کی تلبیہ پکارے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلو میں اس قدر کثیر لوگ تھے کہ ان کی صحیح تعداد تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ پکارنا شروع کی، جس کے الفاظ یہ تھے:

لبیک اللھم لبیک لبیک لاشریک لک
لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک،
لاشریک لک

اے اللہ میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں تیری ہی ہیں، یہ جہان تیرا ہی ہے،

تیرا کوئی شریک نہیں۔

کبھی ان الفاظ کے ساتھ ساتھ یوں بھی فرماتے رہے۔

لبیک الله الحق، میں حاضر ہوں، اے سچے معبود۔

جبرئیل امین تشریف لائے اور کہا، اپنے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو حکم دیں کہ وہ بھی بلند آواز سے تلبیہ کہیں، ابھی ذوالحلیفہ ہی میں تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غسل کر کے لنگوٹ کس لے، احرام باندھے اور تلبیہ پکارے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بیداء میں نماز ظہر ادا فرمائی اور اس کے بعد روانہ ہوئے۔

حج و عمرہ کے احکام کی تلقین:...... مدینہ منورہ سے سفر شروع کرنے کے آٹھویں دن ذوالحجہ کا چاند نظر آگیا، مقام سرف پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایام شروع ہوگئے، جب کہ انہوں نے عمرے کا احرام باندھ رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ غسل کریں، اپنے بال خوب کھولیں اور کنگھی کریں، مزید فرمایا کہ عمرہ چھوڑ دیں اور اب حج کی نیت کرلیں اور حج کے اعمال ہی سرانجام دیں، مگر پاک ہونے تک طواف بیت اللہ (یعنی عمرہ) سے احتراز کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی سرف میں لوگوں سے ارشاد فرمایا:

جس کسی کے پاس قربانی نہیں اور وہ اپنے اس حج کو عمرے میں تبدیل کرنا چاہے تو کرلے (یعنی احرام تو اس نے حج کا باندھا تھا، مگر وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے، پھر ۸ ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھ لے) البتہ جس کے پاس قربانی ہے، وہ اپنی نیت تبدیل نہیں کرسکتا۔

چنانچہ بعض حضرات نے اپنے حج کی نیت کو عمرے میں بدل لیا اور باقی حج کی نیت ہی پر قائم رہے، تاہم جن کے پاس قربانیاں تھیں، انہوں نے اپنی نیت تبدیل نہ کی، ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ ہر وہ شخص جس کے ساتھ قربانی ہے، وہ حج اور عمرہ (حج قرآن) کی تلبیہ پڑھے۔

شہر مکہ میں ورود اور طواف:...... مقام سرف سے چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ طویٰ میں جا اترے اور اتوار کی رات وہیں گزاری، یہ ذوالحجہ کی چار تاریخ تھی، صبح کی نماز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں ادا فرمائی۔ وادیٔ ذی طویٰ سے روانہ ہوئے تو اتوار کو دن چڑھے، مکہ شہر میں بالائی جانب "کداء" سے "ثنیہ علیا" کے راستے سے داخل ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک جم غفیر تھا، راستے میں بھی مختلف اطراف سے لوگ بے شمار تعداد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک سفر ہوگئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کے دروازے کے قریب اپنی سواری بٹھائی اور مسجد حرام میں باب السلام کے راستہ سے حرم شریف میں داخل ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف میں داخل ہوتے ہی حجر اسود کو بوسہ دیا اور دائیں طرف سے چلتے ہوئے کعبے کے گرد سات چکر لگا کر طواف مکمل فرمایا، پہلے تین چکروں میں رمل فرمایا۔ (یعنی آہستہ آہستہ دوڑے) اور باقی چار چکر عام رفتار سے چلے، ہر چکر میں رکن یمانی کو ہاتھ سے چھوتے اور حجر اسود کو بوسہ دیتے، لیکن شمالی طرف کے دوسرے دو ارکان (رکن شامی اور رکن عراقی) کو ہاتھ نہ لگاتے۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے مابین یہ دعا پڑھتے:

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار

اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں ہر طرح کی بھلائیاں عنایت فرما اور آخرت میں بھی تمام تر خیرات و حسنات سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت (نفل واجب الطواف) نماز ادا فرمائی۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد تلاوت فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبے کے درمیان کر کے نماز پڑھی اور اس کے پاس آتے ہوئے نماز سے پہلے یہ قرآنی الفاظ ادا فرمائے۔

واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ

مقام ابراہیم پر نماز ادا کرو۔

طواف کی سنتوں سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ حجر اسود کے پاس گئے اور اس کا بوسہ لیا۔

صفا اور مروہ کی سعی:...... بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ کی طرف روانہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

ان الصفا والمروہ من شعائر اللہ ابدأ بما بدأ اللہ

صفا مروہ اللہ کے دین کی نشانیاں ہیں۔ میں اس سے ابتدا کرتا ہوں جس سے کہ اللہ نے ابتدا فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے مابین سات چکر لگائے اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار تھے، تین چکروں میں قدرے تیز چلے اور باقی چار میں عام رفتار سے۔ جب صفا کی پہاڑی پر چڑھتے تو قبلہ کی طرف رخ فرماتے، بیت اللہ کو دیکھتے ہی اللہ کی توحید و تکبیر پکارتے اور یوں کہتے:

لا الہ الا اللہ وحدہ انجز وعدہ نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ

اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا، اپنے بندے کی نصرت کی اور اس اکیلے نے ہی تمام گروہوں کو پسپا کر دیا۔

اس کے بعد مزید دعا فرماتے، بعدازاں مروہ کی پہاڑی پر بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

قربانی اور حلت کے احکام:...... جب طواف کے بعد صفا و مروہ کی سعی مکمل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں کو حکم فرمایا (جو اپنے ساتھ قربانیاں نہیں لائے تھے) کہ احرام سے حلال ہو جائیں۔ ابتداء میں ان کی نیت خواہ قرآن کی تھی یا حج افراد کی...... ان کو رخصت ہے کہ خوشبو استعمال کریں، سلا ہوا لباس پہنیں یا زوجہ سے اختلاط کریں...... اور یہ رخصت ۸ ذوالحجہ یوم الترویہ تک ہے۔ یہ لوگ ۹ تاریخ کو جب حج کے لئے دوبارہ احرام باندھیں اور جن لوگوں کے پاس قربانیاں تھیں، انہیں ارشاد فرمایا کہ (وہ) اپنے اس احرام ہی میں رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق وضاحت فرمائی کہ میں تو اپنی قربانی ساتھ لایا ہوں، اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتا، جب تک قربانی نہ کرلوں۔

حضرت ابوبکر صدیق، طلحہ، زبیر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم اور دیگر بہت سے اصحاب رضوان اللہ اجمعین جو قربانیاں ساتھ لائے تھے، وہ بھی حالت احرام ہی میں رہے اور حلال نہیں ہوئے، امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ قربانیاں نہیں تھیں، چنانچہ وہ حلال ہو گئیں جب کہ ابتداً انہوں نے حج و عمرہ (قرآن) کی نیت سے احرام باندھا تھا۔ ایسے ہی حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی حلال ہو گئیں، سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے، کیونکہ ان کے ایام شروع ہو گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کر دی کہ وہ حلال ہو گئی ہیں۔ (یعنی احرام کھول دیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ میں نے ہی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو یہ ہدایت کی تھی۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے جاہلیت کا یہ دستور ٹوٹ گیا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ نہیں کرنا چاہئے)

حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت فرمایا: رسول اللہ (صلی اللہ

علیہ وسلم)! ہمارا یہ عمل (تمتع) صرف اسی سال کے لئے خاص ہے، یا ہمیشہ کے لئے، اس کی رخصت ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا: نہیں نہیں، یہ عمل (بلکہ تمتع اور قرآن کی صورت میں) ہمیشہ کے لئے ہے اور عمرہ حج میں شامل ہو گیا ہے۔

جو حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ دوسرے راستوں سے حج کے لئے تشریف لائے تھے اور (انہوں نے غائبانہ طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام کی طرح احرام باندھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ وہ اپنے احوال (حالت) پر قائم رہیں، چنانچہ جو لوگ اپنی قربانی اپنے ساتھ لائے تھے، وہ حلال نہ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے قربانی ساتھ لائے تھے، اس لئے وہ حلال نہ ہوئے، مگر ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قربانی نہیں لائے تھے، اس لئے وہ حلال ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال حج شروع ہونے سے پہلے کے ایام اتوار، سوموار، منگل، بدھ اور اگلی رات تک مکے میں قیام فرمایا اور اپنی قربانی ساتھ ہونے کی وجہ سے حالت احرام میں رہے۔

منیٰ کی طرف روانگی:......۸ ذوالحجہ کو (جو یوم الترویہ کہلاتا ہے) جمعرات کی صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور وہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم جو حلال ہو گئے تھے، انہوں نے وادی ابطح (منیٰ کے قریب ایک مقام) سے حج کے لئے احرام باندھا اور منیٰ پہنچے۔ منیٰ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کے دن کی نمازیں (ظہر، مغرب اور عشاء قصر کے ساتھ) اپنے اپنے وقت پر ادا فرمائیں، رات وہیں گزاری اور جمعہ کے روز ۹ ذوالحجہ کو فجر کی نماز بھی یہیں ادا فرمائیں۔

میدان عرفات میں خطبہ:...... جمعہ کے روز سورج طلوع ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہوئے اور حکم فرمایا کہ آپ کے لئے وادی نمرہ میں خیمہ لگا دیا جائے (خیمے کی چادر بالوں کی بنی ہوئی تھی) عرفات پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے میں تشریف فرما ہوئے، جب سورج ڈھل گیا تو ارشاد فرمایا کہ میری اونٹنی قصواء تیار کی جائے، چنانچہ اس پر پالان کس دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عرنہ میں تشریف لے آئے، (نمرہ اور عرنہ کی مختصر وادیاں میدان عرفات سے متصل ہونے کی وجہ سے عام طور پر عرفات کا حصہ سمجھی جاتی ہیں جب کہ اصل میں ایسا نہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء پر ہی خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں مسلمانوں کے مابین ان کے خون، آل اور عزتوں کے حرام ہونے پر وعظ فرمایا۔ جاہلی امور کے مٹائے جانے کی خبر دی اور بتایا کہ جاہلیت کا سود ختم ہے۔ اسی طرح عورتوں کے بارے میں بھی وصیت فرمائی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے۔

ام الفضل رضی اللہ عنہا نے اسی کیفیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دودھ کا ایک پیالہ بھجوایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سب کے سامنے اونٹنی پر بیٹھے ہوئے ہی نوش فرما لیا۔ (اس طرح معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے نہیں ہیں)

بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا، انہوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی اور ظہر اور عصر کی نمازیں جمع اور قصر کے ساتھ ادا فرمائیں اور ان کے مابین کوئی سنت وغیرہ نہیں پڑھی، یعنی اذان ایک اور اقامتیں دو کہی گئی تھیں، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے اور مقام وقوف پر تشریف لے آئے اور اپنا رخ قبلہ کی طرف فرما لیا اور دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے۔

حالتِ احرام میں تدفین:......اسی اثناء میں ایک صاحب اپنی سواری سے گر کر فوت ہوگئے۔ (اور وہ حالت احرام میں تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسے اس کے انہی کپڑوں میں دفن کردیا جائے۔ (یعنی حالت احرام میں) خوشبو نہ لگائی جائے اور اس کا سر بھی نہ ڈھانپا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ قیامت کے دن یہ شخص تلبیہ لبیک پکارتا ہوا اٹھے گا۔

نجد کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے مسائل دریافت کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کے متعلق فرمایا کہ (وقوف عرفات ہی حج ہے) یہ واجب ہے اور اس کا وقت بھی متعین فرمایا۔ نیز لوگوں کو یہ پیغام بھجوایا کہ میدانِ عرفات میں اپنے اپنے پڑاؤ ہی پر وقوف کریں۔

عرفات سے روانگی:......آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کے بعد سے لے کر شام تک دعا و مناجات میں مشغول رہے، حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا اور یہ جمعہ کا دن تھا، جب شفق کی زردی ختم ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیا اور عرفات سے روانہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کی باگ بڑی سختی سے کھینچ رکھی تھی اور اسی کیفیت میں سفر جاری رہا، اثناء راہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پرسکون رہنے کی تلقین فرماتے رہے، ایک گھاٹی کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے، قضائے حاجت سے فارغ ہوئے، وضو بھی فرمایا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ نماز (کا مقام، وقت) آگے ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور مزدلفہ پہنچ گئے۔ یہ جمعے اور ہفتے کی درمیانی رات تھی۔ مزدلفہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ جمع اور قصر کے ساتھ پڑھیں، ان کے درمیان کوئی سنتیں نوافل وغیرہ نہیں پڑھیں اور نہ کوئی خطبہ ارشاد فرمایا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گئے، حتیٰ کہ فجر ہوگئی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ مل کر فجر کی نماز ادا فرمائی اور یہ ہفتے کا دن اور ذوالحجہ کی دسویں تاریخ تھی، یہی یوم النحر اور عیدالاضحیٰ کا دن۔

حضرت عروۃ الطائی رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مزدلفہ میں فجر کی نماز پالی، اس نے حج پالیا۔

امہات المومنین میں سے حضرت سودہ، ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ رات ہی کو مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہوجائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور دیگر کمزور لوگوں کو رخصت مرحمت فرمائی کہ (چاند غروب ہونے تک) مزدلفہ میں وقوف کرلینے کے بعد رات ہی کو منیٰ جاسکتے ہیں، خواتین کو اجازت دی کہ منیٰ پہنچ کر رمی جمار سے فارغ ہوجائیں لیکن مردوں کو یہ رخصت نہ دی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر ادا کرنے کے بعد مشعرالحرام کے پاس تشریف لے گئے اور قبلہ رخ ہوکر دعا و مناجات اور تکبیر و تہلیل میں مشغول ہوگئے تاآنکہ فضا خوب سفید ہوگئی۔ (یعنی خوب صبح ہوگئی) اور سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوگئے۔

یہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیا، جب کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ قریش کے پہلے چلے جانے والے لوگوں کے ساتھ روانہ ہوگئے تھے، یہیں قبیلہ بنو خثعم کی ایک خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیا میں اپنے والد کی طرف

سے حج کرسکتی ہوں یا نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، تم اپنے والد کی طرف سے حج کرسکتی ہو۔

منیٰ واپسی اور رمی جمار:......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو حرکت دی اور منیٰ کی راہ میں جب وادی محسر کے دامن میں پہنچے تو درمیانی والی راہ اختیار فرمائی جو جمرہ کبریٰ پر آنکلتی ہے۔ پھر منیٰ پہنچتے ہی جمرہ عقبہ تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے کی جانب سے اسے کنکریاں ماریں جب کہ سورج اونچا آچکا تھا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، وہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں چنی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جمرات کو مارنے کے لئے کنکریاں اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی ہونی چاہئیں، بڑے ڈھیلوں یا پتھروں سے منع فرمادیا، کیونکہ دین میں غلو کرنا اور حد سے بڑھنا ناجائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری ہی پر سے جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے اور اس کے ساتھ ہی تلبیہ پکارنا موقوف کردیا۔

جمرہ کو کنکریاں مارے جانے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ ہی میں رہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا خوب موقع میسر آیا تھا، ایک نے اونٹنی کی باگ تھامی ہوئی تھی تو دوسرے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر ایک کپڑے سے سایہ کر رکھا تھا کہ گرمی سے بچاؤ رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن (یوم النحر، ۱۰ ذوالحجہ بروز ہفتہ) خطبہ بھی ارشاد فرمایا، اس میں ان امور ہی کا تذکرہ تھا جو عرفات میں ارشاد فرمائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی حرمت بھی بیان فرمائی۔

قربانی اور حلق:......رمی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربان گاہ کی طرف تشریف لے آئے، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ نحر کئے، ان میں سے تریسٹھ اونٹ (عمر مبارک کے مطابق) تو اپنے دست مبارک سے خود نحر فرمائے اور باقی کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، یہ قربانیاں کچھ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لائے تھے اور کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر پہنچے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر منڈایا (بال مبارک اتارنے کا شرف حضرت معمر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا) بال بنانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کے دائیں جانب اشارہ کر کے حضرت معمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہاں سے شروع کرو، چنانچہ انہوں نے دائیں طرف سے ہی شروع کیا اور ادھر کے بال مونڈے، پھر بائیں طرف کے حصہ کے بال مونڈے اور بال مبارک آدھے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمادیئے اور باقی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم ہوئے اور ان کے حصے میں ایک ایک دو دو بال آئے۔

اپنی زوجات کی طرف سے آپ علیہ السلام نے گائیوں کی قربانی دی اور ان میں سے جنہوں نے عمرہ کیا ان کی طرف سے بھی ایک گائے ذبح فرمائی، مزید دو چتکبرے مینڈھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح فرمائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ نے اپنے سر منڈائے اور کچھ نے بال کتروائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تین بار مغفرت کی دعا فرمائی۔ قربان کیے گئے اونٹوں کے متعلق فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک سے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا جائے، چنانچہ اسے دیگچے میں ڈال کر پکایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے مل کر کھایا اور شوربا نوش فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ

عنہ کو بھی ان قربانیوں میں اپنے حصہ دار بنایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ان قربانیوں کا گوشت، ان کی کھالیں اوران کے جھول وغیرہ سب تقسیم کردیئے جائیں اور قصاب کو مزدوری میں ان میں سے کچھ بھی نہ دیا جائے، ان کی مزدوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے خود ادا فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، مجھ سے حج کا طریقہ اچھی طرح سمجھ لو، شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کرسکوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ میدان عرفات سارے کا سارا مقام وقوف ہے، سوائے دامن عرفہ کے، اس طرح مزدلفہ سارے کا سارا مقام وقوف ہے، سوائے وادی محسر کے اور منیٰ سارے کا سارا قربان گاہ ہے، نیز مکے کی گلیاں اورراستے بھی مقام قربانی ہیں۔

طواف افاضہ اور منیٰ واپسی:...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ کے لئے جانے سے پہلے خوشبو لگائی، جس میں کستوری شامل تھی، یہ ہفتے کا دن تھا، پھر اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے کی جانب سوار ہوکر چلے، وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے پہلے طواف صدر افاضہ کرلیا، نیز چاہ زمزم سے پانی کھینچنے والے کے ہاتھ سے ڈول لے کر زمزم پیا (ایک قول کے مطابق ڈول کھینچنے والے حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے) پھر منیٰ واپس تشریف لے آئے اور یہاں آکر ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ ظہر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے ہی میں ادا فرمائی۔

اس روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اونٹ پرسوار ہوکر لوگوں کے پیچھے سے بیت اللہ کا طواف کیا، وہ کچھ بیمار تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس امر کی اجازت عطا فرمائی۔ اس روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی طواف کیا کہ وہ اس روز اپنے ماہانہ ایام سے پاک ہوئی تھیں جب کہ عرفہ کے روز وہ ایام سے تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس روز طواف کرلیا، بعدازاں منیٰ سے کوچ کی رات ان کے ایام شروع ہوگئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ پہنچے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوالات دریافت کئے کہ رمی جمار، سرمنڈانے، قربانی کرنے یا طواف افاضہ میں کچھ تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کودرست قرار دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

ایام تشریق میں رمی جمار:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہفتہ (۱۰ ذوالحجہ) بقیہ دن، پھر اتوار کی رات اوراتوار کے دن (۱۱ ذوالحجہ)، سوموار کی رات اور سوموار کا دن (۱۲ ذوالحجہ)، منگل کی رات اور منگل کا دن (۱۳ ذوالحجہ) یعنی ایام تشریق منیٰ ہی میں گزارے، ان دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرروز زوال کے بعد جمرات پر جاکر کنکریاں مارتے رہے۔ قریبی جمرہ سے (جومنیٰ کی جانب ہے) ابتداء کرتے، کنکریاں مار لینے کے بعد بڑی لمبی دعا فرماتے، پھر درمیانی جمرہ کے پاس آتے، کنکریاں مارتے اور پھر لمبی دعا فرماتے اور آخر میں جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار کر چلے آتے، یہاں پر دعا نہ فرماتے، کنکریاں مارتے ہوئے ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتوار ۱۱ ذوالحجہ کوبھی خطبہ ارشاد فرمایا اور بیان ہے کہ سوموار ۱۲ ذوالحجہ کو بھی خطبہ دیا، ان خطابات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے مابین ان کی عزتوں، ان کے خونوں اوران کے اموال کی اہمیت وحرمت کا بیان فرماتے رہے اور یہ کہ بیت اللہ کی حرمت کا بھی پاس رکھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت چاہی کہ منیٰ کی راتیں مجھے مکے میں گزارنے کی اجازت

عنایت فرمائیں، تاکہ حجاج کو پانی پلانے کی خدمت سر انجام دے سکوں، چنانچہ انہیں اجازت دے دی گئی، ایسے میں چرواہوں کو بھی منیٰ سے باہر چراگاہوں میں رہنے کی اجازت دے دی گئی۔

وادی محصب میں قیام:...... ایام تشریق کے آخری دن ۱۳ ذوالحجہ منگل کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے روانہ ہوکر وادی محصب تشریف لے آئے، یہ دن ''یوم النفر'' (یعنی روانگی کا دن) کہلاتا ہے۔ وادی محصب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیمہ لگادیا گیا تھا اور یہ خدمت حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے سرانجام دی تھی اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظم سفر تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس پڑاؤ (محصب) میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، ۱۴ ذوالحجہ بدھ کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں بسر کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمنا ظاہر کی کہ ایک عمرہ کرلیں کیونکہ اب وہ پاک ہوگئی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ ان کو تنعیم سے عمرے کا احرام بندھوا کر عمرہ کروالائیں، چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل میں ایسا ہی کیا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے باہر بالائی جانب ان کا انتظار کرتے رہے کہ وہ عمرے سے فارغ ہوکر آجائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو واپسی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہاں تمہارا آخری عمل طواف بیت اللہ ہونا چاہئے، سوائے اس صورت کے کوئی خاتون حیض سے ہو، اس کو اس عمل (یعنی طواف وداع) سے رخصت ہے۔

طواف وداع اور مدینہ کو روانگی:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحر کے وقت نماز فجر سے پہلے بیت اللہ میں تشریف لے آئے اور طواف وداع ادا فرمایا اور شہر کے زیریں جانب کداء ثنیہ سفلی کی راہ سے واپس تشریف لے آئے، اس راہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ملاقات ہوگئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف وداع کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عمرے سے فارغ ہوکر واپس آرہی تھیں۔

طواف وداع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلے کی روانگی کا حکم فرمایا اور مکے کی زیریں جانب سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ میں آمد، منیٰ وعرفات کی روانگی اور وادی محصب پہنچنے تک کی کل مدت دس روز ہے۔

چلتے چلتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ پہنچے اور یہاں رات گزاری اور روانہ ہوئے، مدینہ منورہ کی آبادی دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اللہ اکبر کہا اور یہ دعا پڑھی۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر آئبون تائبون عابدون صائمون ساجدون لربنا حامدون، صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ وعزم الاحزاب وحدہ

اللہ کے سوا اور کوئی لائق عبادت نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، حکومت اسی کی ہے، تعریفیں بھی اسی کی ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم واپس آنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور اس اکیلے نے ہی تمام گروہوں کو پسپا کردیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن چڑھے المعرس کی راہ سے اپنے شہر مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے۔

☆......☆......☆



آپ نے گزشتہ اقساط میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا ایک حصہ جو خاتون اسلام کے لئے دستورحیات کا کام دے سکتا ہے، ملاحظہ فرمایا، اس دستور اسلامی کی موجودگی میں کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان عورتوں کے لئے دنیا وآخرت کی بھلائیاں اور تہذیب وتمدن کی لازوال خوبیاں اس میں پوشیدہ نہیں ہیں اور کس کی مجال ہے کہ دماغ میں عقل وخرد کی ذرہ برابر روشنی رکھنے کے بعد بھی کسی اور قانون، کسی اور تہذیب، کسی اور مدنیت و ضابطہ حیات کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھ سکے؟

آج تمام عالم میں بے چینی اور ہوش ربا اضطراب بپا ہے اور دنیا کے تمام قانون داں اور مدبر سیاست داں اس کو امن وسکون میں بدلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کئے دے رہے ہیں، مگر حال یہ ہے:

مرض بڑھتا گیا ، جوں جوں دوا کی

لیکن امراض کا اگر کہیں علاج ہے تو وہ صرف شفاخانہ قرآن وحدیث میں ہے اور بس...... پس کون ہے جو اس دستورِ عمل پر عمل کر کے کامیابی ہی کامیابی حاصل کرے۔

ومن یطع اللہ ورسولہ فقدفاز فوزاً عظیماً (پ ۱ چ ۱)

مسلمان غریب ہیں، اگر ان کی عورتیں قرآن اور حدیث کے احکام کو اپنے لئے نمونہ بنائیں، تو وہ اپنے مردوں کے بہت کام آسکتی ہیں، وہ اپنی خوش سلیقی اور تمیز داری سے خرچ کو بھی گھٹا سکتی ہیں، اگر عورتیں چرخہ چلائیں، خود اپنے کپڑے دھوئیں، سلائی کریں، موزہ بُنیں اور ایسے ہی دوسرے چھوٹے چھوٹے کام کرتی رہیں، تو ایک اوسط درجے کے آدمی کو بڑی مدد مل سکتی ہے، اگر عورتیں بے جا فیشن اور غیر ضروری زیورات سے آزاد ہو کر سادہ معقول اور صحت بخش زندگی اختیار اور شادی اور غمی کی تمام فضول رسمیں بند کر دیں اور خیرات کا روپیہ جمع کرنے کے بعد قومی انجمنوں کو بھیج دیں تو ایک غریب سے غریب مسلمان بھی ہمیشہ کے لئے سرمایہ داروں کے قرض اور سود در سود سے نجات حاصل کر سکتا ہے، عورتوں کا اصلی فرض آئندہ نسلوں کی اصلاح ہے، ملک کے لئے خوبصورت، غیور، مضبوط اور خدا پرست نسل پیدا کرنا، عورتوں ہی کے اختیار میں ہے۔

ہندوستان کے رجسٹر اموات وپیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ہر سال بیس لاکھ ایسے بچے پیدا ہوتے ہیں، جو کسی طرح زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوتے، یا مرے ہوئے پیدا ہوتے ہیں، یا پیدا ہوتے

ہی مر جاتے ہیں، اس مصیبت کی سب سے بڑی وجہ ہندوستانی خواتین کی صحت کی خرابی ہے، بات یہ ہے کہ ہماری عورتوں کو سوائے غلیظ فضا اور ناگوار مناظر کے اور تو کچھ دیکھنے میں آتا نہیں، اس لئے کیسے ممکن ہے کہ ان کی فطرت میں تازگی، ان کے دل میں وسعت اور سرور اور ان کے دماغوں میں شگفتگی اور شادابی پیدا کر سکے، پھر وہ کس طرح سرو وچنار کی طرح بلند وبالا اور خودرو پھولوں کی طرح تر وتازہ اور حسین ہو سکتی ہیں، یا ایسی اولاد پیدا کر سکتی ہیں؟ اگر عورتوں کی تعلیم و تربیت، اصلاح وتہذیب اور حفظان کا کوئی انتظام نہ کیا گیا تو یقیناً آئندہ کمزور نسلیں پیدا ہوں گی اور خدا کی مقدس سرزمین بدنمائی اور بداطواری سے بھر جائے گی، ضرورت ہے کہ ہم ابھی سے اس خطرہ کا احساس کریں اور خواتین کو جہالت، تنگ نظری، غفلت، سستی، فیشن پرستی، خود آرائی اور بے کاری سے نکال کر علم وتہذیب، محنت ومشقت اور کھلی آب وہوا سے متمتع ہونے کا موقعہ دیں، تاکہ وہ ملک اور قوم کے لئے مفید، پاک باز، غیرت مند، باہمت، صحت ور اور خوبصورت نوجوان مہیا کر سکیں اور اس کا سب سے عمدہ اور آسان حل یہ ہے کہ اس موجودہ ماحول کو ترک کر دیا جائے، جو ہندوؤں اور انگریزوں کے اثرات کی وجہ سے مجموعہ خرابی وتباہی بن گیا ہے اور اس کی جگہ صاف، سادہ اور بلند وپاکیزہ اسلامی ماحول پیدا کریں اور ہماری عورتیں صحابیات، تابعیات، ولیات اور دیگر مقدس خواتین اسلام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس زندگی میں کیا کچھ نہیں ہے؟ اس ماحول میں ایمان ہے، اطاعت ہے، حیا ہے، شرم ہے، محبت ہے، رفاقت ہے، پاک بازی ہے، پاک دامنی ہے، محنت ہے، چہل پہل ہے، تازگی ہے، رونق ہے، مسرت ہے، بشاشت ہے اور دنیا بھی ہے اور آخرت بھی۔

کسب معاش میں عورتوں کا حصہ:...... بدقسمتی سے یورپ کی جو چیزیں اچھی تھیں، مسلمانوں نے ان کو تو لیا نہیں اور جو ہر اعتبار سے مضر اور نقصان دہ تھیں، ان کو حرز جاں بنالیا۔

انصار کی تمام عورتیں عموماً کاشتکاری کرتیں اور خاص کر سبزیاں بوتی تھیں، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اور حضرت صدیقؓ کی صاحب زادی کاشتکاری کیا کرتی تھیں۔(بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۷۸۶)...... حضرت شفا بنت عبداللہ، حضرت ام کلثوم، حضرت کریمہ بنت مقداد، وغیرہم لکھا کرتی تھیں، اور کتابت کی صنعت سے معاش پیدا کرتی تھیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰ زبردست تاجر تھیں، جن کی تجارت کا دائرہ ملک عرب سے نکل کر غیر ممالک تک پھیل گیا تھا، فاطمہ بنت شیبہ اور انصار کی عام عورتیں سلائی کا کام کیا کرتی تھیں (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۰۰) ...... حضرت سودہ کھالیں صاف فرماتیں اور دباغت کے ذریعے تحصیل معاش کرتی تھیں۔(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۴۰)

حسن معاشرت:...... حسن معاشرت سے مراد صبح سے شام اور شام سے صبح اچھی زندگی گزارنا ہے۔

آج یہ حقیقت ہے کہ ہماری عورتوں کی جہالت اور بے عملی کی وجہ سے ہماری معاشرت نہایت ناقص بلکہ گندی ہوگئی ہے اور چین وسکون اور مسرت ہمارے گھروں سے رخصت ہو چکا ہے، لیکن جب ہم اسلام کی گزشتہ تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو اگرچہ عہد اول میں ہمیں مسلمانوں کے ہاں فقر وفاقہ اور تنگی وترشی ملتی ہے، لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے گھر سچی مسرت کے مرکز تھے، صبح جب وہ اٹھتے تو عبادت وفرائض سے فراغت کے بعد سب سے پہلا کام ان کا یہ ہوتا تھا کہ گھر کا ہر فرد خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، ایک دوسرے پر سلام اور رحمت بھیجتا اور مزاج پرسی کرتا، پھر پوری دیانت داری سے اپنے اپنے متعلقہ فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو جاتا، اگر خوشی ہوتی تو ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے،

اگر کوئی غم ناک حادثہ پیش آتا تو خدا کو یاد کر کے اس کا بوجھ ہلکا کرتے اور ایک دوسرے کی ہمدردی کرتے، اگر کوئی بیمار پڑتا تو حضور رسالت مآب کا یہ فرمانا ان کے کانوں میں گونجنے لگتا کہ بیمار کی عیادت کرنے والے کے لئے ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں، کوئی شخص مرجاتا تو اس کے بچوں کی پرورش کر کے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں رہنے کا فخر حاصل کرتے، کوئی بیوہ ہو جاتی تو اس کی خبر گیری میں آخرت کی کامیابی اور خدا کی حاجت براری کی صدائے روحانی سنتے، سب مل کر کھانا کھاتے، سب مل کر گھر کا کام کرتے، سب ایک دوسرے کے سچے محافظ اور ذمہ دار اور ہر ایک دوسرے کا سچا بہی خواہ اور ہمدرد، نتیجہ یہ تھا کہ گھریلو زندگی مسرت اور شادمانی کی زندہ تصویر تھی اور ان کے گھر سکون واطمینان کے قابل قدر مرکز اور نمونے۔

شادیوں میں مصارف کم کرنے کی ضرورت:......

آج کل ہمارے ہاں شادی جو در حقیقت خانہ آبادی کا ذریعہ ہوتی ہے، فضول رسموں اور بے کار کے مصارف کی وجہ سے خانہ بربادی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے، لوگ زیادہ سے زیادہ سود پر قرض لے کر شادیاں رچاتے ہیں، اس سلسلے میں دعوتیں ہوتیں، راگ ورنگ پر بے طرح خرچ کیا جاتا ہے، ہر شخص اپنی حیثیت سے بڑھ کر شہرت ونام ونمود کے لئے روپے کو پانی کی طرح بہاتا ہے، بڑے بڑے مہر رکھے جاتے ہیں، لڑکی والے زیادہ سے زیادہ جہیز دینے کی کوشش کرتے ہیں، بھاری زیوروں اور قیمتی کپڑوں پر ہزاروں خرچ ہو جاتے ہیں، اس اسراف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاندان کا خاندان قرض کے نیچے دب جاتا ہے اور شادی سے خاندان کی تباہی شروع ہو جاتی ہے، یہ آج کل کے مسلمانوں کا حال ہے، اس کے برعکس آنحضرت کی پیاری صاحب زادی حضرت فاطمہ کی منگنی اور شادی کس طرح ہوئی، اس کی بھی ایک جھلک دیکھ لیجیے۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی:...... حضرت فاطمہؓ کی عمر ساڑھے پندرہ برس کی تھی اور حضرت علیؓ کی اکیس سال کی، جب ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ حضرت علی کی طرف سے رشتہ کا پیغام لے کر رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپؐ حضرت بی بی فاطمہؓ کا عقد حضرت علیؓ سے کر دیجئے، رسول خدا نے فرمایا: فاطمہ ابھی کم عمر ہے، اس کے بعد حضرت علیؓ خود شرمائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اور سر جھکا کر چپکے سے حرف مطلب عرض کیا۔ ادھر حضرت علی نے درخواست کی اور ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنی پیاری اور لاڈلی فاطمہ زہرا کو آپ کے نکاح میں دے دیا، اس کے بعد رسول خدا نے اپنے خادم حضرت انسؓ سے فرمایا، جاؤ ابوبکر، عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلا لاؤ، جب یہ سب لوگ آ گئے، تو آپؐ نے خطبہ پڑھ کر چار سو مثقال چاندی کے مہر پر حضرت علیؓ سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کر دیا، نکاح کے بعد چھواروں کا ایک طباق حاضرین میں تقسیم فرمایا، پھر حضرت ام ایمن کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کو علیؓ کے گھر بھیج دیا، اور جب حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے گھر پہنچ گئیں تو رسول خدا ان کے گھر تشریف لے گئے اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے فرمایا، پانی لاؤ، وہ اگرچہ نئی دلہن تھیں، مگر فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور لکڑی کے پیالہ میں پانی لے آئیں، حضور نے پانی سے کلی منہ میں لے کر اس پیالہ میں ڈال دی، اور حضرت فاطمہؓ کے سر اور سینہ پر پیالہ کے پانی کا چھینٹا دیا، اس کے بعد فرمایا کہ پیٹھ پھیر کر کھڑی ہو جاؤ، وہ کھڑی ہو گئیں تو آپ نے ان کے دونوں شانوں پر وہی پانی چھڑک دیا اور فرمایا، یا اللہ ان دونوں کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں، اس کے بعد حضرت علیؓ سے پانی منگوایا اور ان کے چہرے اور سینہ پر پانی کا چھینٹا دیا، مگر ان کی پشت پر چھینٹا نہ دیا اور ان کے لئے دعا فرمائی، پھر فرمایا، بسم اللہ کی برکت سے اپنے گھر میں رہو۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت فاطمہؓ کو ان کے والد رسول خدا نے یہ جہیز دیا تھا: دو سوتی یمانی چادریں اور بچھونے جن میں لسی کی چھال بھری ہوئی تھی اور چار گدے، ایک کملی، ایک تکیہ، ایک چکی، پانی کا ایک مشکیزہ، اور پانی کا گھڑا، اور بعض روایتوں میں ہے، ایک پلنگ بھی تھا، زیور میں صرف چاندی کے دو بازو بند تھے، پس یہ جہیز کی کل کائنات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو دیا اور یہ کروفر تھی جو رسول خدا کی پیاری بیٹی کی عقد میں ہوئی، دوسرے دن حضرت علیؓ نے ولیمہ کی دعوت کی، جس میں دس بارہ سیر وزن کی جو کی روٹیاں تھیں، حدیث میں کئی صاع آئے ہیں، ایک صاع ایک جھانک ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے، اس کے علاوہ خرمے یعنی چھوارے، یا کھجوریں تھیں اور کچھ میدہ تھا۔

ازواج مطہرات کا مہر:...... رسول خدا کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کا مہر پانچ سو درہم، جو رسول خدا کے چچا یعنی حضرت علیؓ کے والد حضرت ابو طالب نے آپ کی طرف ادا کیا، حضرت ام سلمہؓ کا مہر ایک برتنے کی چیز تھی جس کی قیمت دس درہم سے زیادہ نہ تھی، حضرت جویریہؓ کا مہر چار سو درہم اور حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار سو دینار تھے، جو حبشہ کے بادشاہ نے اپنے ذمہ لئے تھے، حضرت سودہؓ کا مہر چار سو درہم تھے اور ولیمہ میں حضرت ام سلمہؓ نے اپنے پاس سے جو کا کھانا پکا کر دیا تھا، حضرت زینبؓ بنت جحش کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح ہوئی تھی اور گوشت روٹی کھلائی گئی تھی، حضرت صفیہؓ سے شادی کے وقت صحابہ نے اپنے پاس سے جمع کر کے ولیمہ کیا تھا، سب سے پیاری بیوی حضرت عائشہؓ کی شادی میں ولیمہ بالکل سادہ تھا، یعنی نہ اونٹ ذبح ہوا، نہ بکری، نہ اور کچھ پُرتکلف کھانا، بس حضرت سعد بن عبادہ کے گھر سے دودھ کا ایک پیالہ آیا تھا، وہی تقسیم کر دیا گیا۔

☆......☆......☆

قربانی کن جانوروں کی جائز اور کن کی ناجائز ہے

قربانی کن جانوروں کی ہو سکتی ہے:...... اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری اور دنبہ۔ ان جانوروں میں سے ہر ایک کی قربانی درست ہے، خواہ نر یا مادہ یا خصی۔ ان کے سوا کسی دوسرے جانور کی قربانی درست نہیں، جیسے نیل گائے، ہرن وغیرہ۔

جانوروں کی عمروں کی تفصیل:...... قربانی کے اونٹ کی عمر کم از کم پانچ سال، گائے، بھینس کی دو سال اور بھیڑ، بکری، دنبہ کی ایک سال ہونا ضروری ہے۔ البتہ بھیڑ یا دنبہ چھ ماہ کے ہوں، مگر اس قدر فربہ (صحت مند اور موٹے) ہوں کہ دیکھنے میں پورے سال کے ہوتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ انہیں سال کی بھیڑوں، دنبوں میں چھوڑ دیا جائے تو دیکھنے والا ان میں فرق نہ کر سکے تو سال سے کم عمر ہونے کے باوجود ان کی قربانی جائز ہے، اگر چھ ماہ سے عمر کم ہو تو کسی صورت میں قربانی نہیں، خواہ بظاہر کتنے ہی بڑے لگتے ہوں۔ قربانی کے جانور کے دو دانت ہونا مذکورہ بالا امور ہونے کی محض ایک علامت ہے، قربانی کے لئے لازمی شرط نہیں۔ اس لئے اگر جانور گھر کا پالتو ہو اور عمر پوری ہونے کا یقین ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ اگر وہ دانت نہ ہوں اور فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہو اور ظاہر حال اس کی تکذیب نہ کرتا ہو، اپنے تجربہ سے عمر پوری معلوم ہو رہی ہو یا فروخت کرنے والے کی بات پر دل مطمئن ہو تو اس کی بات پر اعتماد کر لینا اور اس جانور کی قربانی کرنا جائز ہے۔

(انتخاب:...... عدنان عباسی، کلفٹن، کراچی)



زرگر صاحب بہت زندہ دل انسان ہیں اور نہایت پُرخلوص بھی۔ ضیافت کے اہتمام میں دونوں میاں بیوی نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ بہت دل سے کھانا تیار کیا گیا، اہلیہ کچھ تو کھانا تیار کرنے میں خصوصی مہارت رکھتی ہیں، کچھ اپنی محبت اور شفقت سے دعوت طعام کی اس صحبت کو بہت ہی پُر مذاق اور خوشگوار بنادیا، کھانے کے دوران بھی موقع بہ موقع اور کھانے کے بعد تو کافی دیر تک زرگر صاحب نے اپنی دلچسپ باتوں سے محفل کو زعفران زار بنائے رکھا۔ مہمانوں میں حیان کے ساتھ، زید بن عبدالرحمٰن، زہیر ابن یاسر اسلمی اور دو طالبان صُفّہ بھی ہیں جو حصول تعلیم کے لئے، یمن سے آج ہی مدینہ منورہ پہنچے ہیں، دونوں نوجوان زید، حیان اور زہیر سے مل کر بہت خوش ہوئے، زرگر صاحب کی مرنجامرنج شخصیت نے بھی انہیں بہت زیادہ محظوظ کیا۔

''اچھا عم محترم! اب اجازت چاہیں گے، شکراً۔'' حیان نے رخصت چاہی اور دیگر مہمانوں نے بھی فرداً فرداً اپنے میزبان کا شکریہ ادا کیا۔ زرگر صاحب کا دل تو نہیں چاہتا کہ انہیں رخصت کیا جائے، لیکن وہ ان پڑھ ہوتے ہوئے بھی، تعلیم کی اہمیت کے قائل ہیں، جانتے ہیں کہ نوجوان علم کے طالب ہیں اور ان کا وقت، بہت قیمتی ہے۔

''مرحبا نوجوانو، میں تمہاری اپنے ہاں آمد کا احسان مند رہوں گا، اور امید رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی تم اسی طرح اپنے اس غریب چچا کو فراموش نہیں کرو گے!''

''ماشاء اللہ، آپ تو زرگر ہیں جناب، خود کو نادار فرماتے ہیں!''

''برخوردار، میں ان پڑھ ہوں تو کیا ہے، تم جیسے اہل علم کی صحبت میں بیٹھا ہوں، انہی سے میں نے سنا ہے، علم سب سے بڑی دولت ہے، اور میں اس دولت سے محروم ہوں تو، تم ہی بتاؤ میں نادار نہیں تو کیا ہوں؟''

''زرگر صاحب کے سنجیدہ جواب نے نوجوانوں کو بھی سنجیدہ کردیا اور وہ لاجواب نظر آنے لگے۔

''یہ بات تو آپ نے بالکل درست فرمائی!'' زہیر نے ان کی تصدیق کی اور اس طرح ایک علم پسند اور انسان دوست شخص کے پاس سے خوشگواریت کا بھرپور احساس لئے ہوئے رخصت ہوگئے۔

O

''بیٹا اسی طرح کے لوگ انسانی معاشرے کا حسن ہوتے ہیں۔'' استاد عبدالرحمٰن نے حیان کی زبانی زرگر کا حال سن کر تبصرہ کیا۔ ''وہ علم سے محروم ہے، لیکن علم کی اہمیت اور اس کی وقعت کا احساس اپنے دل میں رکھتا ہے اور سونے چاندی کو دولت علم کے مقابل ہیچ سمجھتا ہے تو یہ اعتراف بجائے خود اس آدمی کی بڑائی کا ثبوت ہے، یاد رکھو بیٹا! جب تک انسانوں کے درمیان علم و فن کے قدر دان موجود ہیں، وہ معاشرہ کبھی زوال پذیر نہیں ہوسکتا، اور جب علم اور اہل علم پر دولت و سیاست کو فوقیت دی جانے لگے تو پھر انحطاط پذیر ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا، اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو ایسا برا وقت دیکھنے سے محفوظ رکھے۔''

''آمین!'' حیان ان کی دعا میں شامل ہوگیا اور استاد صاحب، اب حسب عادت اور معمول کے مطابق، آج کی مجلس سیرت النبیؐ کا آغاز کرنے سے قبل اپنے ذہن کو استوار کرنے لگے۔

''غالباً گزشتہ نشست ہم نے اس جگہ برخاست کی تھی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس روزہ طائف کا محاصرہ اٹھالیا ہے۔''

''جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سال فتح طائف کی اجازت نہیں، اسی کے فوراً بعد آپ نے محاصرہ ختم کیا اور مکہ مشرفہ کی طرف مراجعت فرمائی۔'' لیکن اس سے قبل کہ ہم آگے سفر کریں۔ ''وفا کا تقاضا یہ ہے کہ ان غازیوں کے اسمائے گرامی دہرانے کی سعادت بھی کرلی جائے، جنہوں نے طائف کی مہم میں جام شہادت نوش کیا۔''

''جی استاد محترم، ضرور!'' حیان بشوق بولا اور استاد صاحب نے پھر چوبی طاق میں سے ایک کاغذ نکال لیا اور چراغ کے قریب کرکے چہرہ اس پر جھکادیا۔

''ان شہداء کی کل تعداد بارہ ہے، ان میں سات قریشی ہیں، چار انصار اور ایک کا تعلق بنی لیث سے ہے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں، قریش میں سے حضرت سعیدؓ بن سعید بن عاص، یہ بنو امیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن ابی امیہ بن مغیرہ ہیں کہ بنی مخزوم سے ان کا تعلق ہے، بنی سہم کے حضرت سائب بن حارث بن قیس بن عدی اور ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ بن حارث بن قیس بن عدی ہیں، اسی بنی عدی کے ایک حلیف، حضرت عبداللہؓ بن عامر بن ربیعہ ہیں، ایک اور حلیف حضرت عرفطہؓ بن حباب ہیں اور بنو تمیم سے سیدنا صدیقؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ بن ابوبکر ہیں، انہیں تیر کا بہت کاری زخم آیا ہے، اور اس زخم کے سبب، حضور نبی کریمؐ کی وفات کے بعد، حضرت صدیقؓ کے دور میں رتبہ شہادت کو پہنچے۔''

"استاد گرامی سیدنا صدیق اکبر کے یہ وہی صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے موقع پر، غار ثور میں، شہر کی خبریں لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے؟"

"مرحبا! ہاں یہ وہی نوجوان ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔" استاد صاحب نے اپنے شاگرد کی تحسین کی اور بقیہ شہدا کے نام گنوانے لگے۔ "انصار میں سے، بنو سلمہ سے تعلق رکھنے والے حضرت ثابتؓ بن جزع، بنو مازن میں سے حضرت حارثؓ بن سہل بن ابوؓ صعصعہ، بنو سعدہ سے حضرت منذرؓ بن عبداللہ، بنی اوس کے حضرت رقیمؓ بن ثابت ہیں۔ ان کے علاوہ بنی سعد بن لیث کے حضرت جلیمہؓ بن عبداللہ ہیں۔"

استاد صاحب نے کاغذ پر سے چہرہ اٹھایا اور بولے۔ "ان تمام شہداء کو طائف کی فصیل کے قریب ہی سپرد خاک کیا گیا۔ بعد کے واقعات میں اس مدفن میں ایک اور شہید کا اضافہ ہوا اور وہ ہیں، مشہور صحابی رسولؐ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔"

استاد صاحب نے کہا اور خاموش ہو کر سوچنے لگے۔ پھر بولے۔ ایسے موقع پر لگتا ہے، گویا ان کے خیال و تصور نے اپنے حال کو بالکل فراموش کردیا ہے، ان کی نظریں اپنے سامنے اس طرح دیکھنے لگتی ہیں جیسے کوئی واقعہ ان کی آنکھوں کے سامنے منظر بن کر نمودار ہورہا ہے۔

"طائف سے سفر کرتے ہوئے آپؐ پانچ ذی قعدہ کو جعرانہ کے مقام پر یہاں پہنچے ہیں، آپؐ نے طائف کی طرف پیش قدمی فرمانے سے پہلے، غزوۂ اوطاس کا مال غنیمت یہاں منتقل فرمادیا تھا۔ یہ موضع، مکہ مشرفہ سے چند فرسخ پہلے ہے، یعنی صرف ایک منزل کی مسافت ہے اور کہتے ہیں، یہ کسی جعرانہ نامی عورت کے نام سے منسوب چلا آتا ہے۔ اب دیکھو! آپؐ کو یہاں تشریف لائے دس روز ہوچکے ہیں، دراصل آپؐ کو اہل ہوازن کا انتظار ہے، اس خیال کے سبب کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو واگزار کرانے کے لئے ادھر کا رخ کریں گے، لیکن انتظار کے باوجود ہوازن والے نہیں آئے تو آپؐ نے مال غنیمت پر توجہ فرمائی، اور حضرت زید بن ثابت کو، جانور شماری کا حکم دیا۔ اسی دوران میں، ایک روز آپؐ صلوٰۃ ظہر سے فارغ ہوئے ہیں کہ فرمایا۔

"طائف میں مسلمان ہونے والے ہوازن کے لوگ جو ہمارے لشکر میں شامل ہیں، ان کی عورتیں اور مال ان کے حوالے کردو۔" پھر آپؐ ان نومسلموں کے لئے، دعائے خیر طلب فرماتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہوازن کے ان افراد کے لئے بھی دعا مانگتے ہیں کہ جنہوں نے ابھی حال ہی میں آپ سے جنگ کی ہے۔ "الٰہی ان کو ہدایت فرما۔"

"سبحان اللہ!" حیان نے کلمۂ تحسین بلند کیا۔ "کیا شان رحمت ہے آپؐ کی!"

"بلکہ تم دیکھو گے بیٹا کہ مال غنیمت کی تقسیم میں آپ کا رحم و کرم کس شان سے جلوہ گر ہوتا نظر آتا ہے۔" استاد صاحب نے یکایک آنکھیں کھول کر کہا۔ "اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلم بلکہ ان لوگوں کی تالیف قلب کے لئے بھی ایک مثال قائم فرمائی جو مہم میں آپؐ کے شریک ہوئے، لیکن ایمان نہیں لائے ہیں، ان کا دل جیتنے اور اسلام کی طرف انہیں راغب کرنے کی خاطر آپؐ نے یہ اقدام فرمایا، یہ دراصل کار نبوت کا وہ حصہ ہے جو حکمت سے تعلق رکھتا ہے۔" استاد صاحب نے گولائی میں رکھے ہوئے کاغذوں میں سے ایک کاغذ نکال کر چراغ کے قریب کیا اور کہنے لگے۔ "یہ دیکھو مال غنیمت کی تقسیم سے آپ کی داد و دہش کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ابوسفیان بن حرب کے اندر مسلمان ہونے کے بعد بھی اسلام ابھی تک راسخ نہیں ہوسکا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے ہیں اور مال غنیمت کا انبار آپ کے سامنے دیکھ کر، جس میں نقد یعنی چاندی کی بھی ایک خاصی مقدار شامل ہے، عرض کرتے ہیں۔

"آج قریش میں سب سے زیادہ صاحب ثروت آپ ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرۂ مبارک ان کی طرف اٹھا کر تبسم کیا جو بتارہا ہے کہ "اے سفیان اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تک تمہیں یہ ادراک نہیں ہوسکا کہ اصل دولت و ثروت کیا ہے اور تم صرف میرے سامنے ڈھیر لگے اس مال و دولت کو دیکھ کر مجھے قریش کا سب سے زیادہ مال دار شخص کہہ رہے ہو! لیکن تمہاری نظر اس دولت بے بہا تک نہیں پہنچ رہی جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے اور جس کی طرف میں تمہیں ایک مدت سے بلا رہا ہوں۔"

"کیا مجھے اس مال میں سے کچھ عطا نہیں ہوگا؟" ابوسفیان کے دل کی بات زبان پر آگئی۔ دریائے سخاوت جوش پر ہے، ارشاد ہوا۔

"اے بلال چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دے دو!" یہ سن کر ابوسفیان نے دامن طلب اور پھیلا دیا۔

"اور میرے بیٹے یزید کا حصہ؟"

آپؐ نے یہ بھی منظور فرمایا، اور اتنا ہی یزید بن سفیان کو دے دیا گیا، ابوسفیان نے اس پر بھی بس نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت دیکھ کر مزید طلب کرلیا۔

"میرا دوسرا بیٹا معاویہ بھی تو ساتھ ہے؟"

دریائے سخاوت سے ان کی یہ طلب بھی پوری کردی گئی، اتنا ہی حصہ ان کے دوسرے بیٹے کو دے دیا گیا۔

"اللہ اکبر!" حیان نے کلمۂ تحسین بلند کیا اور استاد صاحب نے بیان جاری رکھا۔

"یہ تو پھر آپؐ کو ستانے میں قریشی ستم گاروں کے سرخیل رہے ہیں، تو پھر حکیم بن حزام کو کیوں کر محروم رکھ سکتے ہیں جو، تمہیں یاد ہوگا، شروع سے ہی اپنے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نرم گوشہ رکھتے آئے ہیں۔"

"جی ہاں، استاد محترم یہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کے برادر زاد ہیں اور مقاطع کے دوران خورد و نوش کا سامان، شعب ابی طالب میں خفیہ طریقہ سے پہنچاتے رہے تھے، اور ان کا یہ عمل بھی مجھے بہت پسند آیا کہ بدر کے موقع پر انہوں نے قریش کے سرداروں کو آپؐ سے جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔"

"مرحبا!" استاد صاحب خوش ہو کر بولے۔ "حیان میں بجا طور پر تمہارے لئے کہہ سکتا ہوں کہ تم یقیناً میرے جانشین ثابت ہوگے۔"

"ان شاء اللہ!" استاد صاحب کی شاباشی پر حیان ممنونیت سے جھک گیا۔

"اب دیکھو انہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر اونٹ عطا فرمائے تو یہ زبان پر شکوہ لے آئے، عرض کرتے ہیں۔ "میں اس سے زیادہ کا حقدار سمجھتا ہوں خود کو!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس اونٹ اور عنایت فرمادیئے۔ "یہ بھی کم ہیں!" ابن حزام نے مطالبہ کیا اور آپ نے دس اونٹ کا اور اضافہ فرمادیا۔ اللہ اللہ کیسے کیسے ناز اٹھائے جارہے ہیں امت کے، اس پر بھی راضی نہ ہوئے تو آپؐ نے پورے سو کی تعداد کو مکمل فرمادی۔ لیکن یہ صاحب ابوسفیان نہیں، حکیم ابن حزام ہیں جو بعثت سے قبل آپؐ کے قریبی احباب میں سے رہے اور شروع سے ہی آپ سے ایک انسیت رکھتے ہیں اور اسلام نہ لاکر بھی آپ کے خلاف کبھی مخاصمانہ اور معاندانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ اب ایک حجت کے بعد پورے سو اونٹ پر راضی ہوئے تو عرض کی۔

"یارسول اللہ! یہ آپ کا عطیہ جس پر میں راضی ہوا بہتر ہے، یا وہ جس سے میں انکار کرتا رہا؟" ارشاد ہوا۔ "جس سے تم راضی نہ تھے۔" یہ سنتے ہی ابن حزام بے اختیار ہو کر بولے۔ "واللہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں لوں گا، اور نہ آپؐ کے بعد اب کبھی کسی اور سے سوال کروں گا۔" ان کا یہ عزم دیکھ کر آپؐ نے دعا فرمائی۔ "اللہ تعالیٰ اس میں تمہارے لئے برکت عطا فرمائے۔" اور یہ دعائے رسول کا ہی اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال و دولت میں وہ برکت فرمائی کہ ان کی زندگی میں، قریش کا کوئی فرد ان کے برابر مال دار نہ ہوسکا۔"

"اللہ اکبر، کیا عنایت ہے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔" حیان جھوم جھوم گیا۔

"بیٹا! اس میں غور طلب ایک بات یہ ہے کہ حکیم ابن حزام نے فتح مکہ سے قبل تک اسلام نہ لانے کے باوجود، قریش کے برخلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو رویہ اختیار کئے رکھا اور جو احسان انہوں نے مقاطع کے وقت اپنی پھوپھی کے ساتھ کیا جو آپ کی رفیقۂ حیات تھیں، تو آپ نے اس احسان کا بدلہ اس صورت دیا کہ اس دعا سے انہیں تاحیات آسودہ حال فرمادیا۔ دراصل غیرت رسالت کی عظمت تک کون پہنچ سکتا ہے۔" استاد صاحب یہ کہہ کر ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوئے اور پہلو بدل کر دوبارہ کہنے لگے۔

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یکایک اپنی جگہ سے اٹھتے اور اس درّے کی طرف تشریف لے جاتے ہیں کہ یہاں مال غنیمت کے جانور جمع ہیں، آپ کے ساتھ دیگر حضرات بھی ہولئے ہیں، ان میں صفوان ابن امیہ بھی ہے جو بہت دیر سے خاموش ہے اور اب درّہ میں اونٹ، بکری اور بھیڑوں کا بھاری ریوڑ دیکھ کر دیکھتا ہی رہ گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نیت کو سمجھ لیتے ہیں، دریافت فرماتے ہیں۔ "کیا تمہیں یہ پسند ہیں؟"

"جی ہاں!" صفوان اثبات میں چہرہ ہلا دیتا ہے۔

"اچھا، یہ سب تم لے لو!" اس ارشاد پر صفوان حیران رہ جاتا ہے۔ کچھ کہے نہیں بنتی، پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔

"واللہ، یہ سخاوت و کشادہ دلی، کسی عام انسان سے متوقع نہیں ہوسکتی، یہ عطاو عنایت اور داد و دہش، بے نیازی و بے غرضی کا مظاہرہ کسی پیغمبر سے ہی صادر ہوسکتا ہے۔ اشھدان لا الہ الا اللہ والشھدان محمد رسول اللہ۔" سبحان اللہ، کیا بہتر اور سعد لمحہ ہے کہ دشمن اسلام امیہ کے بیٹے صفوان کو، ہزار مال غنیمت کے بدلے، ایمان کی دولت بے بہا مل گئی ہے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تو اس سے بڑی اور کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے کوئی شخص کفر و شرک کی گمراہی سے نکل کر دائرہ اسلام میں آکر، ایمان سے سرفراز ہوجائے۔"

"بے شک، سبحان اللہ، سبحان اللہ!" حیان بھی اس لمحۂ مسرت میں شامل ہوگیا۔ استاد صاحب نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ چراغ کے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھو! کچھ اور نمایاں افراد کے نام یہ ہیں، جنہیں غیر معمولی طور پر نوازا گیا۔ ان میں ایک سہل بن عمرو، حویطلب بن عبدالعزیٰ، نصیر بن کلاہ ثقفی، قیس بن عدی ہیں اور یہ سب تو بلدۂ مکہ سے تعلق رکھتے ہیں، غیر مکی نومسلم سرداروں بنی تمیم کے اقرع بن جابس اور بنی فزارہ کے عیینہ بن حصن ہیں، ان سب کو سو سو اونٹ عطا کئے گئے۔ ان کے علاوہ کچھ دوسری جماعتوں کو ان کی عسکری اور معاشرتی حیثیت کے مطابق پچاس پچاس، کچھ کو چالیس اور کچھ کو تیس تیس اونٹ عطا فرمائے گئے۔ استاد صاحب نے کاغذ ایک طرف رکھ دیا اور کہنے لگے۔ "اس موقع پر تقسیم غنیمت کے حوالے سے کچھ ناپسندیدہ واقعات بھی رونما ہوئے۔" وہ کسی قدر افسردہ سی آواز میں بولے۔ "بنی سلیم کے سردار، عباس بن مرداس کو چالیس اونٹ عطا کئے گئے تو وہ بہت بڑی غلطی کر بیٹھے، یہ بھول کر کہ دینے والا کون ہے، اونٹوں کی تعداد کو اپنی سرداری کی سطح سے ناپنے لگے۔ انہوں نے محسوس کیا، گویا دیگر سرداروں کے مقابل ان کی سبکی ہوئی ہے کہ دوسروں کو سو سو اونٹ ملے اور انہیں صرف چالیس عطا کئے گئے ہیں۔ اپنی اس کم فہمی کو انہوں نے شکوہ کی شکل دے کر شعروں میں ڈھال دیا۔ میں تمہیں، ان ہجویہ اشعار کا مفہوم سناتا ہوں، تم دیکھو کہ اپنی قبائلی سوچ، یعنی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی خواہش میں کیسی سخت باتیں ان کے منہ سے نکل گئیں، کہتے ہیں۔

"یہ اونٹ اسی دست بُرد کے ہیں جو میں نے اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر حاصل کئے، اب میری اور میرے غلاموں کی لوٹ کا مال عیینہ اور اقرع کو دیا جارہا ہے۔ میں ان دونوں سے کسی درجہ کم نہیں ہوں۔" ابن مرداس آگے چل کر کہتے ہیں۔ "ان باتوں کے عرض کرنے کی ضرورت مجھے اس لئے پیش آئی کہ جس کی آج قدر نہ کی گئی، اسے پھر کبھی عزت و سربلندی نہ مل سکے گی۔"

"معاذ اللہ! یہ کیا کہہ دیا ان حضرت نے؟" حیان سرتاپا لرز گیا۔

"ہاں، خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی شکایت کا علم ہوا تو آپ نے سخت برہمی کا اظہار کیا اور ابن مرداس کو طلب فرما کر پوچھا۔ "یہ کیا تو نے کہا؟" اس کے ساتھ ہی آپ نے اس کے اشعار نقل کئے لیکن کچھ الفاظ آپ نے بدل دیئے، جو آپ کی طبیعت پر گراں گزرتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ اس وقت حاضر خدمت ہیں، جلدی سے عرض کرتے ہیں۔ "یارسول اللہ، وہ اشعار تو اس طرح ہیں، بین عیینۃ والاقرع، آپ نے فرمایا، بات ایک ہی ہے، جس طرح بھی شعر پڑھ لیا جائے، میں اس کے معانی سمجھتا ہوں۔" اس ارشاد کے بعد حضرت صدیقؓ نے عرض کیا۔" میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی شہادت دیتا ہوں وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ، یعنی ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے کیونکہ یہ فن آپ کے شایان شان نہیں۔" تاہم حضور رحمت عالم نے فرمایا۔ "قطع السان، یہ سنتے ہی لوگ ششدر رہ گئے اور ڈرنے لگے کہ آیا مثلہ کا حکم دیا گیا ہے، یعنی زبان کاٹنے کا حکم ہے لیکن معاذ اللہ، رحمت عالم کے لئے یہ سوئے ظن ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے کسی مسلمان کی زبان قطع کرنے کا حکم صادر کیا جائے؟ آپ کا مقصد ہے مزید اس کو دے کر اس کی زبان بند کردی جائے، چنانچہ سو اونٹ دے کر ان کی وہ شکایت دور کردی گئی جس شکایت کی وجہ سے ابن مرداس گستاخی کے مرتکب ہونے لگے تھے۔ دراصل یہ اپنی نوعیت کا خطرناک واقعہ ہے، ابن مرداس نے اپنے ہم عصر دو سرداروں عیینہ اور اقرع کی ریس میں اپنے ایمان کو داؤ پر لگا دیا، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن مرداس کے اس احتجاج کی وجہ سے بخوبی آگاہی ہے، آپ جانتے ہیں کہ ان کی نیت میں ایسی بات نہیں کہ وہ آپ کے عدل و انصاف پر کسی قسم کا شک کریں، لیکن جو کچھ بھی انہوں نے انانیت کی بنا پر کہا وہ قابل مذمت عمل ہے جو ان سے سرزد ہوگیا۔ لیکن چونکہ نبی علیہ السلام نے درگزر فرمایا، اس لئے اب ہمارے لئے بھی یہ مناسب نہیں کہ ان پر کوئی تبصرہ کریں۔ بلکہ اس موقع پر مجھے ان صاحب، عباس ابن مرداس کے بارے میں ایک اور واقعہ یاد آرہا ہے جو ان کے ایمان لانے سے متعلق ہے، اچھا ہے تمہارے گوش گزار کردوں!"

"جی استاد محترم!" حیان کی آواز ٹھہری ہوئی سی لگی۔ دراصل اسے انہی عباس ابن مرداس کے واقعہ نے خاصا ملول کردیا ہے۔ استاد صاحب کہنے لگے۔ "ہوا یہ کہ عباس بن مرداس کے والد کے پاس ایک ضمار نامی بت تھا، والد کی طرح وہ خود بھی ضمار کی پرستش میں پیش پیش رہتے تھے کہ والد کا آخری وقت آگیا، بیٹے کو بلا کر نصیحت کی۔ "میرے مرنے کے بعد بھی تم اس کی پرستش نہ چھوڑنا۔ یاد رکھو، ضمار تمہیں فائدہ بھی دے گا تو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔" چنانچہ وہ اپنے والد کی وصیت پر عمل پیرا رہے اور ضمار کی پرستش ناغہ نہیں کی۔ ایک روز حسب معمول وہ ضمار کی پرستش میں مصروف تھے کہ انہیں محسوس ہوا بت کے اندر سے آواز آرہی ہے، معلوم ہوا کوئی اشعار کی زبان میں کہہ رہا ہے۔ "اے عباس بن مرداس! تم بنو سلیم کے سربراہ ہو، تم پر لازم ہے کہ اپنی قوم کے لوگوں سے کہو، وہ ضمار بت کی پرستش اسی طرح ترک کردیں جس طرح مسجد حرم میں عبادت کرنے والے مسلمان، صنم پرستی کو ترک کر کے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، کیونکہ یہی حق ہے، اللہ کی عبادت میں ہی خیر و برکت ہے، اور بتوں کی پرستش میں آخرکار تباہی اور ہر طرح کا ضرر ہے، اسلام کی قبولیت میں ابدی سعادت، اور بتوں کی پرستش میں ذلت و رسوائی ہے۔ اے ابن مرداس! اپنی قوم کے لوگوں سے کہو، اے بنو سلیم سنو! عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت، ہدایت اور سربلندی

بنی قریشؐ کے لئے ہے، تو جو شخص ان کی رفاقت میں ہے، اس کے لئے عزت و سر بلندی ہے اور ان کی اتباع کرنے والا کفر و شرک کی آلودگی سے پاک ہو جاتا ہے، اگر تم بعثت محمدؐ سے پہلے ضمار کی پرستش کرتے رہے ہو تو جان لو، اب ان کی بعثت کے بعد اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" اس غیبی آواز سننے کے بعد، ابن مرداس نے ضمار کو اٹھا کر آگ میں جھونک دیا اور مدینہ جا کر سید عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا، بعد میں ان کا قبیلہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔"

"عجیب قصہ سنایا آپ نے استاد محترم!"

"بیٹا قدرت اپنے عجائبات دکھاتی رہتی ہے، بشرطیکہ انسان کھلے دل و دماغ سے انہیں دیکھے اور ان سے عبرت حاصل کرے۔" استاد صاحب نے ایک مختصر سے وقفہ کے بعد دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"یہ واقعہ تو درمیان میں آ گیا، ورنہ ہوازن کے مال غنیمت کی تقسیم کے کچھ اور واقعات ابھی باقی ہیں، مثلاً ایک اور شخص نے تو ابن مرداس سے بھی زیادہ بے باکی کا مظاہرہ کیا، یہ بنی تمیم کا ایک شخص ذوالخویرہ ہے، تقسیم غنیمت پر اعتراض کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "تو نے ایسی کیا بات دیکھی؟" بولا۔ "آپ نے تقسیم کا عادلانہ حکم نہیں فرمایا!"

"نعوذ باللہ!" حیان کا سارا جسم کانپ کر رہ گیا۔

استاد صاحب نے بیان جاری رکھا۔ "نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے اس بے باک فقرے پر برہمی کا اظہار کیا، فرمایا۔ "کیا مجھ سے زیادہ کسی اور کے لئے ممکن ہے کہ وہ عادلانہ تقسیم کر سکے۔" جناب عمرؓ برداشت نہ کر سکے۔ عرض کی، "یا رسول اللہ! کیا میں اسے قتل کر دوں؟" فرمایا۔ "جانے دو! دین میں ایسے افراد کی شمولیت اور اخراج کی مثال اس تیر کی سی ہے جو کمان سے نکلتا ہے اور کسی طرف راہ نہ پا کر زمین پر آن گرتا ہے۔"

"استاد محترم! ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیسی کیسی باتیں برداشت کرنی پڑیں! خصوصاً ان لوگوں سے تو یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ اس طرح کی بے باکی دکھائیں گے!"

"دراصل بیٹا یہ وہ لوگ ہیں جو ابھی تک خود کو آپ کا عسکری حامی سمجھے ہوئے ہیں، نہ یہ اسلام کی روح سے کما حقہ واقف ہوئے ہیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے انہیں فیض یاب ہونے کا موقع ملا ہے، اس کے باوجود اس طرح کے آزاد زبان لوگوں کی تعداد لشکر میں نہایت قلیل ہے، کثرت ان حضرات کی ہے جو نبی علیہ السلام کے ہر فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، مثلاً ایک شخصیت جعیل بن سراقہ فہری کی ہے کہ انہیں مال غنیمت سے اس طرح نہیں نوازا گیا جیسا کہ عینیہ بن حصن اور اقرع بن حابس پر عنایات کی گئی ہیں۔ لیکن مجال ہے کہ کوئی شکایت زبان پر لائے ہوں، البتہ صحابہؓ میں سے کسی کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ جعیل بن سراقہ کو عینیہ بن حصن اور اقرع بن حابس کے مقابلہ میں محروم رکھا گیا ہے، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو ارشاد فرمایا۔ "اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تمام روئے زمین عینیہ بن حصن اور اقرع بن حابس جیسی ہو جائے تو بھی جعیلؓ بن سراقہ ان سب سے بہتر ہی ہوں گے، کیونکہ جعیل ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں جبکہ دوسرے، ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے ہیں، انہیں جو اونٹ دیئے گئے ہیں وہ ان کی تالیف قلب کا سبب ہے، اور جعیل اسلام سے سرفراز ہیں، اسلام کی خاطر کوئی چیز ان کے لئے طمع کا سبب نہیں بن سکتی۔" تو سبحان اللہ، اس سے بڑھ کر جناب جعیل کو کیا چاہئے؟ رسول اللہ جس کے ایمان کی گواہی دیں، اس کے ایمان کو راسخ قرار دیں، اس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے۔"

"بے شک، استاد محترم یہ تو سب سے بڑا انعام ہے، بہت خوش نصیب ہیں یہ صاحب۔"

"اس کے برعکس، ایک بدبخت منافق کا حال بھی سنو۔" استاد صاحب نے بہت بیقراری سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "یہ انصار میں سے ہے، اور دل میں نفاق چھپائے ہوئے ہے، اس دریدہ دہن نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کے سامنے یہ کہا۔ "کیا رسول اللہ نے یہ تقسیم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کی ہے؟" جناب عبداللہ ابن مسعود خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اس منافق کی یہ شر انگیز بات آپ کے گوش گزار کی۔ سن کر چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ موسیٰؑ پر رحم فرمائے، انہیں اس سے زیادہ ایذائیں دی گئیں اور وہ ان پر صبر کرتے رہے۔" منافق نے شرمندہ ہو کر چہرہ جھکا لیا۔

"شرمندہ تو ہونا ہی ہے، بات ہی ایسی کی ہے؟" حیان غصہ میں بولا۔

"بیٹا، ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے۔ "انما العامال بنیات" کہ نیتوں پر اعمال کی بنیاد ہے، یعنی مختلف لوگوں نے مال غنیمت کی تقسیم پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا، لیکن ان کی نیتیں الگ الگ ہیں، اور اعتراض اور شکایت میں بھی بہت فرق ہے، اور اظہار شکایت کا انداز بھی بہت اہمیت رکھتا ہے، تو تم نے غور کیا ہوگا کہ یہ فرق ان واقعات میں جو ہم نے ابھی بیان کئے ہیں، واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اور پھر دراصل یہ پہلی بار ہوا کہ نبی علیہ السلام نے مال غنیمت کو تالیف قلب کے لئے استعمال کیا ہے، جس کے ذریعہ آپ چاہتے ہیں کہ نو مسلم جو ہنگامی طور پر اسلام تو لے آئے ہیں لیکن مسلمانوں کی حمایت میں ابھی خلوص اور گرمی نہیں رکھتے۔ انہیں سچا پکا حامی و مددگار بنایا جا سکے۔ غیر مسلم حلیفوں کو بھی اسی وجہ سے استثنائی طور پر نوازا گیا ہے کہ اس طرح ان کا دل جیت کر انہیں اسلام کی طرف راغب کیا جا سکے۔ لیکن بعض افراد آپ کی اس حکمت عملی کو فہم نہیں کر سکے اور مختلف انداز اور لہجوں میں اس تقسیم پر اعتراض کر بیٹھے۔ ان معترضین میں، سوئے اتفاق کہ انصار میں سے بھی کچھ نوجوان ہیں جو یہ بات دیکھ کر اپنی طبیعت پر گرانی محسوس کر رہے ہیں کہ ان کے مقابل، قریش کو زیادہ نوازا گیا ہے، ان میں سے کئی نوعمر افراد کا شکوہ اس قدر شدید ہو گیا جس کی ان سے ہرگز ہرگز توقع نہیں تھی۔ کہہ اٹھے، "جب نازک وقت تھا تو سب سے پہلے ہمیں پکارا گیا اور عطا کا وقت آیا تو ہمارا نام تک نہیں لیا گیا۔ ابھی تو ہماری تلواروں سے قریش کا خون بھی صاف نہیں ہوا، یہ کیا کہ مصیبت کے وقت ہم اور غنیمت کے وقت اپنی قوم۔"

"الامان، الحفیظ!" حیان مضطرب ہو گیا، لیکن استاد عبدالرحمٰن نہایت گمبھیر لہجے میں گویا ہیں۔

"یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کی بازگشت نے فوری طور پر شدت اختیار کر لی، یہ دیکھ کر انصار کے سردار، حضرت سعدؓ بن عبادہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

"یا رسول اللہ ہوازن کے مال کی تقسیم میں سے قریش اور عرب کے دوسرے قبائل نے تو حصہ پایا لیکن انصار مدینہ کو اس میں سے کچھ نہیں ملا۔ اس وجہ سے انصار کو اس محرومی کا رنج ہے اور چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔" جناب سعدؓ کی بات ختم ہونے پر آپؐ نے فرمایا۔

"تم نے یہ سب باتیں سنیں اور کوئی جواب نہ دیا؟" سعدؓ نے عرض کی۔

"یا رسول اللہ میں بھی انہی کا ایک فرد ہوں، تو کیونکر وہ میری بات سن سکتے ہیں۔" ارشاد ہوا۔

"ٹھیک ہے، تمام انصار، یعنی صرف انصار کو ایک جگہ جمع کرو اور جب آ جائیں تو مجھے اطلاع دو۔" چنانچہ حضرت سعدؓ نے اپنی قوم کے لوگوں کو خبر کر دی اور جب وہ ایک وسیع چرمی خیمے کے نیچے جمع ہو گئے تو حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات تشریف لائے اور فرمایا۔

"کیا تم میں کوئی غیر انصار ہے؟" عرض کیا گیا۔

"نہیں، البتہ ہماری بہن کا لڑکا ہے۔" فرمایا۔

"بہن کا لڑکا بھی قوم میں داخل ہے۔" اس کے بعد

آپؐ نے حمد وثنا کے بعد انصار کو مخاطب کیا۔ فرمایا۔

"یامعشر الانصار، یہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف منسوب کر کے مجھے سنائی گئی ہے؟ تم لوگ کیوں رنجیدہ ہو اور اس سنجیدگی کا کیا سبب ہے؟"

آپؐ کے استفسار پر انصار کے کچھ بزرگ و اکابرین نے صفائی پیش کی۔ "یا رسول اللہ ہم نے ایسا کچھ نہیں کہا، یہ صرف چند نوجوانوں کے احساسات ہیں جو ان کی زبانوں پر آگئے ہیں۔" آپؐ نے ایک لحہ توقف کیا اور فرمایا۔

"اے گروہ انصار! کیا، جب میں تمہارے پاس آیا تو تم گمراہ نہیں تھے، کیا میری وجہ سے ہی اللہ نے تمہیں ہدایت نہیں عطا کی؟ اور اسلام کی دولت سے تمہیں سرفراز نہیں کیا؟" مجمع میں سے بے اختیار آوازیں بلند ہوئیں۔

"بے شک، یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہم پر احسان ہے۔"

"اور اے گروہ انصار! کیا تم آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نہیں تھے؟ تو کیا میری وجہ سے اللہ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفت پیدا نہیں کردی؟" مخاطبین میں سے آواز آئی۔

"بے شک یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہی احسان ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ تکلم جاری ہے، فرمایا۔

"اور کیا تم مفلس و نادار نہیں تھے؟ کہ اللہ نے میرے سبب ہی تمہیں غنی اور صاحب مال بنادیا؟"

مجمع میں سے پھر ایک ساتھ آوازیں بلند ہوئیں۔

"بے شک، یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہی احسان ہے۔" مزید کچھ بزرگوں نے مزید ممنون لہجے میں عرض کی۔

"یا رسول اللہ، لاریب یہ سب رب کریم کا احسان ہے، اور ہم ہر حال میں آپ کے احسانات کا اعتراف کرتے ہیں۔" نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے جواب کو کافی نہیں سمجھا، فرماتے ہیں۔

"یہ تو درست ہے لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔" انصار عرض کرتے ہیں۔

"یا رسول اللہ! ہم آپؐ کے سوال کا کیا جواب دے سکتے ہیں، بس ہمارا یہی جواب ہے کہ ہم ان احسانات پر اللہ رب العالمین کا شکر بجالائے ہیں۔" اس پر رسول اللہ نے فرمایا۔ "اگر تم چاہو تو میرے سوالات کا جواب دے سکتے ہو، اس میں کوئی بات خلاف واقعہ بھی نہ ہو اور اس جواب میں تمہاری صداقت بھی مضمر ہو۔" آپؐ کا ارشاد سن کر اکابرین انصار خود کو کسی امتحان میں محسوس کرنے لگے۔ پھر جب ان کی طرف سے مکمل خاموشی رہی، تب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی فرمایا۔

"اے انصار کے لوگو! تم اس کا جواب اس طرح دے سکتے ہو کہ آپ ہمارے پاس اس وقت آئے تھے، جب لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا تھا، تو ہم نے آپ کی تصدیق کی، جب اہل مکہ نے آپ کو سکون و اطمینان سے رہنے نہیں دیا تھا اور گھر سے نکال دیا تھا، لیکن ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا اور آرام سے رکھا، تم کہہ سکتے ہو کہ جب آپ آئے تھے تو دشمنوں سے عاجز آئے ہوئے تھے۔ ہم نے آپ کی مدد کی، تم کہہ سکتے ہو کہ لوگوں نے آپ کو بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا تو ہم نے آپ کا ہاتھ پکڑا۔ تم کہہ سکتے ہو کہ آپ مفلس تھے، ہم نے آپ کو مال دیا، آسودگی دی، اے لوگو! اگر تم یہ کہو تو تمہاری بات سچ ہے، اور تمہاری بات کو تسلیم کیا جائے گا اور اس کی تصدیق کی جائے گی۔" آپؐ فرماتے چلے گئے اور حاضرین میں سے سامعین کے جیسے کلیجے پھٹ گئے، پہلے آبدیدہ ہوئے، آنسو بہنے لگے، داڑھیاں بھیگ گئیں، پھر ضبط نہ ہوسکا اور آہ وبکا بلند ہوئی، لگتا ہے لوگ دھاڑے مار کے رونے لگیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطبہ جاری رکھا۔ فرمایا۔ "اے گروہ انصار سنو! دنیاوی چیزیں جو میں نے دوسرے لوگوں کو دیں، تمہیں نہیں دیں، تو کیا تم اس متاع دنیا کے لئے ناخوش و رنجیدہ ہو؟ اس وجہ سے دل برداشت اور افسردہ ہوگئے ہو؟ میں نے دوسروں کو جو کچھ دیا ہے، وہ ان کی تالیف قلب کے لئے ہے،

تا کہ ان میں اسلام کی رغبت پیدا ہو، جبکہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں، تمہارے دلوں میں تو اسلام کی حقیقت راسخ ہوچکی ہے، تمہاری قوت ایمانی مصدقہ اور عیاں ہے، تالیف قلب تو ان کے لئے ہے جو ابھی اسلام میں پختہ نہیں۔" آپؐ نے اسی تسلسل کے ساتھ فرمایا۔ "لیکن تمہاری صفات تو قرآن میں اس طرح بیان کردی گئی ہیں، وینصرون اللہ ورسولہٗ اولیک ھم الصدقون، وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی صادقین میں سے ہیں، تو پھر تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے اور تالیف قلب کی کیا حاجت ہے۔ قریش ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں، ایک بڑی مصیبت سے انہوں نے نجات پائی ہے، میں نے چاہا کہ ان کی دل جوئی اور دادرسی کروں۔"

آپؐ نے ایک بار پھر حاضرین کو مخاطب کیا۔

"اے انصار کے لوگو! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ دوسرے لوگ تو گائے اونٹ اور بکریاں لے کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھروں میں واپس ہو؟ اس معبود بزرگ و برتر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اگر ہجرت کا سلسلہ فضیلت نہ رکھتا تو میں بھی تمہیں میں سے ایک فرد ہوتا، اور واللہ، اگر ساری دنیا ایک طرف ہوجائے اور انصار ایک طرف ہوں تو میں انصار کے ساتھ ہوں گا اور انہی کو ترجیح دوں گا، اور ادھر ہی چلوں گا، جدھر کا رخ انصار کریں گے۔ تو اے انصار تم میرا اشعار ہو اور دوسرے دثار ہیں، تم میرے بعد، دوسروں کی ترجیح کو دیکھو گے تو صبر کرنا، یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آن ملو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک لفظ پر انصار ہزار ہزار آنسو بہاتے چلے گئے، لگتا ہے، سارا مجمع آنسوؤں میں ڈوب جائے گا، ہر طرف سے آواز بلند ہورہی ہے، لیکن آنسوؤں سے بوجھل ہے۔

"یا رسول اللہ، ہمیں کچھ نہیں چاہئے، اللہ کے رسول کے سوا، ہمیں کچھ نہیں چاہئے، مال و دولت، جاہ و منصب، رشتے ناتے، کچھ نہیں، صرف اور صرف آپؐ ہمیں درکار ہیں، آپؐ کی چاہ ہمارے لئے سب کچھ ہے۔" اس وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام دست مبارک بلند فرماتے ہیں اور انصار کے لئے دعا گو ہوتے ہیں۔

"اے اللہ! انصار، فرزندان انصار، اور انصار کے فرزندوں کے فرزندوں پر رحمتوں کی بارش فرما۔"

"آمین!" حیان ہلکے سے بولا۔ آواز بمشکل حلق سے نکل سکی، وہ اس لائق کہاں کہ کچھ کہہ سکے۔ پورے خطبہ کے دوران اس کی آنکھیں آنسو بہاتی رہی ہیں۔

"دیکھو بیٹا، نبی علیہ السلام نے انصار سے اپنی وابستگی کے لئے کس قدر معنی خیز اور جامع الفاظ ادا کئے ہیں۔" فرمایا۔

"تم میرا اشعار ہو، یعنی کپڑے میں لگے ہوئے اس استر کی طرح ہو جو براہ راست بدن سے مس ہوتا اور چھوتا ہے اور دوسروں کو دثار قرار دیا، یعنی جو لباس کا اوپری یا بیرونی حصہ ہوتا ہے۔"

"سبحان اللہ، کیا معنی خیز مثال فرمائی ہے آپ نے، انصار کو واقعی اس تعلق کی بنیاد پر اپنی عزت و وقعت پر ناز کرنا چاہئے۔" حیان نے رشک آمیز انداز میں کہا اور استاد صاحب پھر تصور میں کھونے لگے۔

"اب اس تقسیم مال غنیمت کا ہم ایک دوسرا رخ بھی دیکھتے ہیں۔" وہ ایک بار پھر سنبھل کر بیٹھ گئے اور حیان بھی سننے کے لئے مستعد ہوگیا۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی داد و دہش کو دیکھ کر لوگ حیران ہیں، یہ سخاوت کہاں کسی نے عرب و عجم کے کسی صاحب تخت و تاج کے ہاں بھی دیکھی ہے، تمہیں جیسا کہ علم ہے لشکر میں افراد کی تعداد بارہ ہزار ہے اور غنیمت کی تقسیم میں ہر فرد کے حصہ میں چار اونٹ آئے ہیں اور چالیس بکریاں، اس طرح کل اونٹوں کی تعداد اڑتالیس ہزار بنتی ہے جبکہ مولفۃ القلوب کو سو کے حساب سے دو ہزار اونٹ دیئے گئے ہیں، تو ان کو ملا کر یہ پچاس ہزار اونٹ ہوگئے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ

خود نبی علیہ السلام نے اپنے لئے کیا رکھا ہے؟ بالکل ایک فرد جتنا، تو کیا کسی سربراہ یا بڑے سے بڑے مخیر کے لئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ دوسروں کو اتنا کچھ دے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھے؟ یہی وجہ ہے کہ صفوان بن امیہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے میں ہم نے بڑی غلطی کی، بلاشبہ آپ برحق نبی ہیں اور اس اقرار کے ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اب مزید تاخیر کی گنجائش نہیں، لہٰذا فوراً کلمۂ شہادت پڑھا اور ایمان لے آیا۔'' استاد صاحب کئی لمحے خاموش رہے اور ٹھہری ہوئی آنکھوں سے جانے کیا سوچتے اور کیا دیکھتے رہے، پھر آپ ہی آپ کہنے لگے۔

''جعرانہ میں مال غنیمت اور اسیران جنگ کی تقسیم عمل میں آچکی ہے اور آپ مکہ مشرفہ کی طرف کا قصد فرمانے والے ہیں کہ ہوازن کا ایک وفد جو نو افراد پر مشتمل ہے، بنو سعد کے ایک شخص زہیر بن صرد کی سربراہی میں آتا ہے اور خدمت اقدس میں حاضر ہوکر آپ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کرتا ہے۔ وفد میں شامل آپ کا رضاعی چچا ابوزقان بھی ہے، عرض گزار ہوتا ہے۔ ''ہم پر جو مصیبت آئی ہوئی ہے وہ آپ پر روز روشن کی طرح عیاں ہے تو ہماری استدعا ہے کہ آپ ہم پر احسان فرمائیں، اللہ آپ پر احسان فرمائے گا۔'' اسی وقت امیر وفد زہیر بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ ''یارسول اللہ! قیدیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے آپ کو گود میں کھلایا۔ اور آپ کی خدمت اور پرورش کی، اس رشتے سے ان قیدیوں میں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور بہنیں بھی شامل ہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اگر ہم نے حارث بن ابی شمر یا نعمان بن منذر شاہان غسان کو دودھ پلایا ہوتا اور اس طرح مصیبت میں مبتلا ہوتے تو ضرور ان سے احسان اور مہربانی کی توقع ہوتی، لیکن اس مصیبت میں ہم آپ کے حوالے سے گرفتار ہوئے ہیں اور آپ تو بہترین صلہ دینے والے ہیں۔'' اس درخواست کے ساتھ ہی اس نے کچھ اشعار بھی آپ کی نذر کئے۔ ان کا مفہوم یہ ہے کہ ''یارسول اللہ، ہم سخت مشکل اور آفت میں گرفتار ہیں، تاہم ہماری سب امیدیں آپ سے وابستہ ہیں، آپ کے کرم اور احسان سے ہمیں آزادی مل سکتی ہے۔''

وفد کے امیر کی درخواست بہت توجہ سے سننے کے بعد آپ فرماتے ہیں۔

''میں نے تمہارا کافی انتظار کیا، لیکن تم نے آنے میں بہت دیر کردی، اب سب کچھ تقسیم ہوچکا ہے۔''

وفد کے لوگ اس سے قبل کہ مایوس ہوں، آپ ان سے دریافت فرماتے ہیں۔ ''اچھا یہ بتاؤ تمہیں اہل و عیال محبوب ہیں یا مال ومنال؟ دونوں میں کوئی ایک اختیار کرلو!''

عرض کیا۔ ''بیوی بچے زیادہ عزیز ہیں۔''

اللہ اللہ کیا کرم فرمائی ہے۔ آپ کی خواہش ہے کہ درخواست گزار کسی طرح مایوس نہ لوٹیں، کچھ نہ کچھ ان کی دل بستگی کا سامان ہوجائے۔ لہٰذا آپ انہیں مشورہ دیتے ہیں۔

''تم ایسا کرو کہ جب میں نماز ظہر ادا کرا چکوں تو تم اٹھ کر کہنا، ہم مسلمانوں سے رسول اللہ کے طفیل، اور رسول اللہ سے مسلمانوں کی بدولت، شفاعت کے امیدوار ہیں۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہی مسلمانوں کو نماز ظہر پڑھا کر فارغ ہوئے، امیر وفد، زہیر نے آپ کی ہدایت کے مطابق وہی الفاظ دہرادیئے جو آپ نے فرمائے تھے۔ رحمت عالم ان کی درخواست کی سماعت کے بعد، مسلمانوں کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

''اے لوگو! تمہارے یہ بھائی، توبہ کرکے تمہارے پاس آگئے ہیں، میری رائے ہے کہ میں اپنے قیدی انہیں واپس کردوں، تو اور بھی جو شخص، اپنا قیدی خوشی سے چھوڑ دے وہ اپنے اس عمل کے سبب اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہوگا۔'' اس ارشاد کے بعد آپ نے اپنے اور بنی

عبدالمطلب کے حصے میں آئے ہوئے بنو ہوازن کے اسیر جنہیں غلام اور کنیز بنالیا گیا ہے، آزاد کرکے بنوسعد کے وفد کو لوٹا دیئے، یہ دیکھ کر مہاجرین نے اعلان کیا۔ ''جو ہمارے حصہ میں آئے ہیں، وہ ہم رسول اللہ کو دیتے ہیں۔'' تو انصار کب پیچھے رہ جانے والے ہیں، انہوں نے بھی اپنے قیدیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کرنے کا اعلان کردیا۔ لیکن دو غیر مسلم سردار بنی تمیم کے اقرع بن حابس اور بنوفزارہ کے عیینہ بن حصن نے اپنے حصے کے قیدیوں کو واپس کرنے سے انکار کردیا۔ بنوسلیم کے عباس ابن مرداس نے بھی ایسا ہی کہا کہ وہ اپنے حصہ سے دست بردار نہیں ہوگا۔ تاہم اس کے قبیلہ کے دیگر لوگوں نے اپنا حصہ رسول اللہ کی خدمت میں پیش کردیا، اس پر عباس اپنے لوگوں سے برہمی کا اظہار کرنے لگے، بولے۔ ''اس طرح تم نے میری تقلید نہ کرکے میری توہین کی۔'' استاد صاحب نے ایک لمحہ توقف کیا اور کہنے لگے۔ ''اسی طرح کچھ وہ لوگ جو اس ایثار میں حصہ نہیں لینا چاہتے، ان کے لئے رحمت عالم نے اعلان فرمایا کہ ''جس شخص کے پاس ہوازن کا کوئی قیدی ہے اور وہ اسے واپس نہیں کرنا چاہتا تو اسے چاہئے، وہ ہمارے ہاتھ چھ اونٹ کے عوض فروخت کردے، یہ معاوضہ اسے مال فئے یعنی خمس میں سے دیا جائے گا۔'' خمس یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو خمس کہلاتا ہے اور جو اللہ کے لئے ہے اور رسول اللہ کے تصرف میں آتا ہے کہ آپ اسے جس طرح چاہیں استعمال فرماتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے بھی جو اپنے حصے کے قیدیوں کو خیرسگالی کے بطور رہا نہیں کرنا چاہتے، اس پیشکش پر رضامندی کا اظہار کردیا۔ یوں غزوۂ حنین کے اکثر قیدیوں کو ہوازن کے حوالے کردیا گیا، بلکہ جب یہ لوگ خوشی خوشی واپس ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''مالک بن عوف بھی آکر اسلام قبول کرلے تو میں اس کے اہل وعیال کی واپسی کی بھی ضمانت دیتا ہوں، اور جو کچھ اس کا مال قبضہ میں آگیا ہے وہ بھی واپس کرادوں گا، بلکہ سو اونٹ اپنی طرف سے اسے عطا کروں گا۔''

چنانچہ یہ خبر ہوازن کے لوگوں نے آناً فاناً مالک بن عوف کو پہنچادی، جو ابھی تک طائف میں، بنوثقیف کے ہاں پناہ گزین ہے، یہ سن کر اس کا دل اسلام کی طرف راغب ہوگیا، لیکن اس نے اپنی بدلتی ہوئی کیفیت کو ظاہر نہیں ہونے دیا، بلکہ اپنے ان لوگوں کو بھی سختی سے ہدایت کردی جو اس کے پاس یہ مژدہ لے کر پہنچے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشکش کو بنوثقیف سے پوشیدہ رکھا جائے، ایسا نہ ہو کہ ثقیف کے لوگ مجھے نظر بند کردیں اور میں مکہ جانے سے رک جاؤں۔'' لیکن وہ زیادہ انتظار نہ کرسکا، اس نے اپنے مال واسباب میں سے بہترین عمدہ تیز رفتار گھوڑا منتخب کیا اور اپنے ایک معتمد خاص خادم کو بڑی رازداری کے ساتھ کہا کہ وہ اس جانور کو چرانے کے بہانے شہر سے باہر لے جائے اور فلاں جگہ میرا انتظار کرے۔'' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور نہایت خاموشی سے مقررہ جگہ پہنچ گیا اور اس سے پہلے کہ کسی کو خبر ہو وہ سوار ہوکر نہایت برق رفتاری سے نکل بھاگا۔

ادھر بنوثقیف کے کچھ لوگوں کو اس کے فرار کا علم ہوا تو اس کے تعاقب میں نکلے، لیکن مالک بن عوف صرف ان کے حصار سے ہی نہیں، کفر وشرک کی گرفت سے بھی نکل چکا ہے۔ وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا جعرانہ پہنچا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوگیا۔

''مرحبا!'' حیان نے خوشی کا اظہار کیا۔ استاد صاحب بدستور گویا ہے۔ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مالک بن عوف کے اہل وعیال اور مال ومنال جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے، اسے واپس کردیا جائے۔''

چنانچہ اس پر فوری عمل کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی آپ نے حسب وعدہ اپنی طرف سے سو اونٹ مزید اسے عنایت کئے، مالک بن عوف اس بار کرم فرمائی کے احسان سے آپ کے سامنے جھکتا چلا گیا اور اس کی زبان

آپ کی شان میں قصیدہ پڑھنے لگی، وہ اپنے اشعار میں حضور نبی کریم کی داد و دہش، عفو و درگزر اور احسان و کرم فرمائی کے بارے میں رطب السان نظر آتا ہے۔

ابن عوف جوان ہے اور بہت صلاحیتوں کا مالک بھی ہے، اس کے اندر کوئی اخلاقی عیب بھی نہیں، بلکہ اب اسلام لانے کے بعد، سرکشی بھی چھوڑ چکا ہے اور ایمان میں راسخ ہوگیا ہے، انہی صفات کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ صرف ہوازن بلکہ دوسرے گردوپیش کے چھوٹے چھوٹے دیگر قبائل کا بھی سردار بنادیا۔ ان اعزازات سے سرفراز ہوکر وہ جعرانہ سے روانہ ہوا اور مکہ اور طائف کے درمیانی راستہ پر، اپنے ساتھیوں کو لے کر خیمہ زن ہوگیا۔ بعد میں معلوم ہوا وہ ہر اس قافلے کو لوٹ لیتا جو بنو ثقیف سے تعلق رکھتا، یہ سلسلہ اس نے اس وقت جاری رکھا، تاوقتیکہ بنو ثقیف کے وہ لوگ جو اسلام کے ہمدرد تھے، طاقتور نہ بن گئے، اور غالب یہی وجہ ہے کہ چھ ماہ نہیں گزرے کہ متحرب بنو ثقیف کا وفد بھی اسلام لانے کے لئے آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔

مضبوط ترین قبیلہ ہوازن کا جواں ہمت بہادر، سرکش اور مغرور سردار، جلالتِ رسالت مآب کے آگے خاک فرش ہوا جارہا ہے۔

''یارسول اللہ، امان کا طلب گار ہوں، ایمان لانا چاہتا ہوں۔''

''رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم خون کے پیاسوں کو بھی امان دیتے آئے ہیں تو پھر اس ایمان و امان کے طالب کی طرف کیوں نہ دست مبارک بڑھائیں گے۔''

''سبحان اللہ! کیا اللہ کی شان ہے، کل کا دشمن آج اسلام کا دوست بن گیا۔'' حیان نے کلمۂ تحسین بلند کیا اور استاد صاحب اپنے خیال میں کھو گئے۔ ان کا انداز بتا رہا ہے کہ وہ ابھی مجلس کو سرگرم تذکرہ رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں اور یہ بات حیان کے لئے خوشی اور اطمینان کا باعث ہے۔ استاد صاحب کہنے لگے۔

''نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، غزوۂ حنین میں، ہوازن سے حاصل کردہ مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہوچکے ہیں اور اب مکہ مشرفہ کی طرف کوچ کا ارادہ فرما رہے ہیں کہ نو مسلموں کی ایک جماعت اور کافروں کا ایک گروہ جو اسلام نہ لانے کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ اس غزوہ میں شریک ہوئے ہیں، بارگاہ رسالت مآب میں آئے اور کہنے لگے۔

''آپ نے اہل ہوازن کے اموال واپس کردیئے، اب آپ ہمارا حصہ بھی دیجئے!'' یہ مطالبہ اس بے باکی اور نخوت سے کیا گیا کہ بدتمیزی کی حدوں کو چھوتا محسوس ہوا۔ فرط جذبات میں وہ آداب دربار رسالت کو بھی فراموش کرگئے اور انہیں یہ بالکل احساس ہی نہیں رہا کہ اس عمل سے رسول اللہ کو کیسی تکلیف پہنچے گی۔ واقعتاً حضور نبی کریم کو ان کے اس طرز عمل سے خاصی اذیت ہوئی۔ تاہم آپؐ تحمل کے ساتھ ان سے گفتگو کرتے ہوئے ایک درخت کے نیچے تشریف لے آئے، لیکن نو مسلم کم نصیبوں کا مطالبہ جاری رہا۔ اس دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک درخت کی شاخ میں الجھ کر سر سے اتر گئی۔ تب آپؐ کے مزاج میں تیزی آگئی اور آپؐ نے قدرے برہم لہجہ میں فرمایا۔ ''میری چادر تو واپس لاؤ!'' پھر حاضرین کو مخاطب کرکے متنبہ کیا۔ ''اے لوگو! کان کھول کر سن لو! اس معبود واحد و لاشریک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر وادی تہامہ کے درختوں کے برابر بھی میرے پاس اموال و نعمتیں آجائیں تو میں ان کو بھی تم میں تقسیم کردیتا، اور تم پر یہ عیاں ہوجاتا کہ بخل اور تنگ دلی میری عادت نہیں اور نہ ہی وعدہ خلافی میرا شیوہ ہے۔'' یہ فرما کر آپ نے قریب کھڑے ہوئے ایک اونٹ کی کوہان سے کچھ بال نوچے اور مٹھی میں لے کر فرمایا۔ غنیمت کے اموال میں سے میرا حصہ پانچواں ہے اور اگر وہ حصہ ان بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوا تو وہ میں تمہیں دیئے جانے کا وعدہ کرتا ہوں۔'' پھر یکایک آپ نے ان کی طرف دیکھا اور متنبہ

کرنے والے لہجہ میں فرمایا۔

''لیکن اب تمہارے لئے بھی مناسب ہے کہ تم نے اموال غنیمت میں سے جو کچھ چھپا رکھا ہے وہ سب واپس کردو، خواہ وہ ایک سوئی یا رسی کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ بددیانتی تمہارے اہل وعیال کے لئے دنیا میں باعث شرم اور آخرت میں عذاب النار کا سبب ہوگی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انکشاف کے بعد، کہیں سے بھی کوئی آواز نہ آئی، معلوم ہوا سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہے، سب مطالبین کے چہرے شرم سے جھک گئے، مخبر صادق کی گفتگو نے ان کی خیانت کو فاش کردیا اور وہ چپ چاپ واپس ہوگئے اور آناً فاناً معمولی سی معمولی چیز بھی جو انہوں نے چھپا رکھی تھی، لاکر پیش کردی۔''

''اللہ اکبر!'' حیان ان بے باکوں کی باتوں پر دل مسوس کر رہ گیا ہے، جذباتی انداز میں بولا۔ اسے لگا جیسے نبی رحمت کی شمشیر برداشت نے ان دریدہ دہنوں کی زبانیں قطع کردی ہوں۔ استاد صاحب کو وقفہ کرتے دیکھ کر اس نے پوچھا۔ ''استاد محترم، لوگوں کو کس طرح جرأت ہوئی کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح بے باکی سے پیش آجائے؟''

''بیٹا صحابہ کے بارے میں تو تم سن چکے ہو کہ جو ادب و احترام وہ اپنے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتے ہیں، اس کی مثال انسانوں کی تاریخ میں نہیں ملتی، بڑے بڑے جری بادشاہ اور صاحب جاہ و مرتبہ شہنشاہوں کے درباروں میں بھی یہ مناظر دیکھنے میں نہیں آئے جو ادب واحتیاط کا نقشہ دربار رسالت نے پیش کیا، صحابہ کرام اس طرح نبی محترم کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے، گویا چاند کو ہالے نے حصار میں لے رکھا ہے اور اس توجہ اور انہماک سے آپ کے ارشادات سماعت کرتے کہ سانس بھی لینا بھول جاتے، پہلو بدلنے سے بھی احتراز کرتے، انہیں دیکھ کر لگتا، جیسے یہ جیتے جاگتے انسان نہیں، بے جان مورتیاں ہیں، یہاں تک دیکھنے میں آیا کہ ان کو ساکت اور بے جان سمجھ کر کئی مرتبہ چڑیاں آتیں اور ان کے سروں پر بیٹھ جاتیں، نہ وہ انہیں اڑاتے، اور نہ وہ ان سے خوفزدہ ہوکر اڑتیں۔''

''مرحبا، کیا فدائین رسول تھے صحابہ!''

''ہاں اور ادب وعقیدت میں ایک سے بڑھ کر ایک ہے، یہی منظر دیکھ کر تمہیں یاد ہوگا، حدیبیہ کے موقع پر قریش کی طرف سے آنے والے سفارت کے ایک رکن نے حیرت کا اظہار کیا تھا اور واپس جاکر روٴسائے قریش کو بتایا تھا کہ ''میں نے قیصر وکسریٰ کے دربار بھی ملاحظہ کئے ہیں، لیکن جو ادب و احترام اور عقیدت کے مناظر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس میں دیکھنے میں آئے وہ ناقابل بیان اور ناقابل یقین ہیں۔'' استاد صاحب نے ایک لمحہ رک کر حیان کی طرف دیکھا جو اپنا سوال اب بھی آنکھوں میں لئے ان کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ''رہا تمہارا یہ سوال کہ کئی لوگ بے باک ہوکر کس طرح آپؐ کو مخاطب کرلیا کرتے تھے؟ تو یہ خود آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم خوئی، معتدل مزاجی، ملائمت طبع، انکسار و فروتنی کا سبب تھا کہ ہر حیثیت کا شخص بغیر کسی تکلف، آپؐ کے قریب ہوکر آپؐ سے ہر طرح کی گفتگو کرسکتا ہے، کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس کی جان امان میں ہے، اسے آپ کی طرف سے کوئی خوف اور کوئی خطر نہیں، اس کے باوجود کہ صحابہ اس طرح کے بدلحاظ اور کرخت لوگوں کو سزا دینے پر کمربستہ رہتے ہیں لیکن انہیں بھی علم ہے کہ رسول اللہ اس بات کو پسند نہیں فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات کے معاملے میں کسی کو سرزنش کی جائے۔ اس وقت بھی یہی ہوا کہ طلقاً اور کافر حلیفوں کا غیر مہذبانہ رویہ دیکھ کر نہ معلوم کتنے صحابہ کی تلواریں انہیں سزا دینے کے لئے بیتاب ہوگئی ہیں، لیکن مرضی رسولؐ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے مجبور ہیں۔'' استاد صاحب کی وضاحت نے حیان کو کسی قدر مطمئن کیا اور مزید بیان کرنے لگے۔ ''اب ہم آگے کے واقعات جاننے کے لئے ایک بار پھر

جعرانہ چلتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے کوچ کا اعلان فرمادیا ہے، لوگ اپنے اپنے خیمے اور سازو سامان سمیٹنے لگے ہیں کہ اسی اثنا میں ایک اور واقعہ پیش آتا ہے، کاروان کی نگہبانی پر تعینات کارندوں کی نظر ایک شہ سوار پر پڑتی ہے جو لشکر کی طرف آرہا ہے۔ قریب آنے پر نگہبہ داروں میں ایک سپاہی اسے للکارتا ہے۔

"خبردار! کہاں جاتا ہے، دور ہو یہاں سے!"

آنے والے پر غالباً اس تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوا، اونٹ سے اترے بغیر، بلا خوف لشکر کی طرف رخ کرتا ہے کہ نگہبہ دار آگے بڑھ کر اونٹ کی مہار پکڑ لیتے ہیں اور اس کو زجر و توبیخ کرنے لگتے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ "میں نے سنا ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں خیمہ زن ہیں، میں آپؐ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" نگہبان اپنے منصب کے لحاظ سے سخت طبیعت کے ہیں، فوری اس کی بات کا یقین نہیں کرتے اور کسی دشمن کا جاسوس سمجھ کر اس پر سختی کرتے رہتے ہیں کہ اجنبی شخص بہ آواز بلند پکارتا ہے۔

"یارسول اللہ میں سراقہ بن مالک ہوں۔"

آپ تک اطلاع پہنچتی ہے تو طلب فرماتے ہیں۔ یقیناً آپؐ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا ہے، واقعی یہ سراقہ ابن مالک ہے، سراقہ پر خوف و ہراس طاری ہے، جلدی جلدی اپنی کمر کے چرمی پٹکے میں سے چمڑے کا تہہ لگا ٹکڑا نکالتا ہے اور عرض کرتا ہے۔

"دیکھئے، یہ وہ امان نامہ ہے جو آپؐ نے مجھے اس وقت دیا تھا جب آپؐ مکہ سے ہجرت فرما کر جا رہے تھے۔"

حضرت صدیقؓ موجود ہیں، آنکھوں کے سامنے وہ تکلیف دہ منظر تازہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح سراقہ سو اونٹوں کے لالچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش و تعاقب میں نکلا تھا، لیکن اللہ نے اپنے رسول کو اس کے شر سے محفوظ رکھا، اس کے گھوڑے کے پاؤں دشت کی ریت میں دھنس گئے، سراقہ نے بہت کوشش کی اسے آگے بڑھانے کی، لیکن سواری نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، وہ خوفزدہ ہو گیا اور دور اندیش سراقہ نے رسول اللہ سے درخواست کر کے اپنے لئے امان نامہ تحریر کرالیا۔ جو اس نے سنبھال کے رکھ لیا تھا۔ اور آج وہی دستاویز لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہے۔ نگران دستے کے سپاہی ابھی تک اسے دونوں طرف سے پکڑے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "چھوڑ دو اسے! قریب آنے دو کہ آج ایفائے عہد اور نیکی کا دن ہے۔" نگراں نے اس کے بازو چھوڑ دیئے اور سراقہ آپ کے اور زیادہ قریب ہو گیا۔ "کیا چاہتے ہو؟" آپ نے اس سے دریافت فرمایا۔ عرض کی۔ "سب سے اول تو یہ اقرار کرتا ہوں کہ آپؐ بے شک اللہ کے سچے رسول ہیں۔" اس کے بعد، آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کرتا ہے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ عرض کرتا ہے۔

"یارسول اللہ، اب میں چاہتا ہوں کہ آپؐ سے کوئی نفع بخش بات دریافت کروں۔" یہ کہہ کر الجھ سا گیا، لگتا ہے فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ کیا کہوں، کیا دریافت کروں، آخر کچھ نہیں بن پڑا تو عرض کرنے لگا۔ "یارسول اللہ میرے پاس اونٹ بہت ہیں، میں جب انہیں پانی پلانے کے لئے حوض بھرتا ہوں تو دوسروں کے اونٹ میرے حوض پر پہنچ جاتے ہیں، اور پانی پینا شروع کر دیتے ہیں، تو یہ فرمائیے، اس صورت میں مجھے انہیں پانی پلانے کا ثواب ملے گا؟" سراقہ کے اس سوال پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "فی کل ذات کبد حری اجر" "جس ذی حس پیاسے کو پانی پلاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے گا۔"

اس پند سود مند کے بعد سراقہ نے آپؐ سے اجازت طلب کی اور دولت ایمان لئے واپس ہو گئے۔" استاد صاحب نے ایک لمحہ وقفہ کے بعد ہی دوبارہ کہا۔ "لیکن سراقہ ابن مالک کا ذکر اس وقت تک مکمل نہیں سمجھنا چاہئے، جب تک ان کے طلائی کنگنوں کا تذکرہ نہ کر دیا جائے۔"

"طلائی کنگن......؟"

ہاں، نبی کریم علیہ السلام نے امان نامہ لکھواتے وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ "اے سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔" لہٰذا حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں فتح ایران کے موقع پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوئی، سراقہؓ جہاد میں شامل ہوئے اور فتح ایران کے بعد ان کے حصے میں کسریٰ کے استعمال کئے کنگن آئے۔"

"سبحان اللہ۔" حیان ایسے فتح یاب واقعات اور مسرت انگیز باتیں سن کر خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ استاد مزید بتانے لگے۔

"نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پانچ ذی قعدہ کو تشریف لائے تھے، تیرہ روز قیام کرنے کے بعد، آج اٹھارویں ذی قعدہ بدھ کے روز عمرہ کی نیت سے آپؐ نے احرام زیب تن کیا اور حرم کے لئے روانہ ہو رہے ہیں، لشکر اسلام میں صحابہ کرام، عام مجاہدین اور اہل ایمان ساتھ ہیں، ان کے علاوہ کئی غیر مسلم قبائل بھی ہیں جو بطور حلیف آپ کی مہم میں شریک ہوئے ہیں، یقیناً ان کا مقصد آپ کے ساتھ شامل ہونے کا ایک ہی ہے اور وہ ہے مال غنیمت کا حصول جس کا ثبوت تقسیم غنیمت کے وقت ان کی طرف سے مل چکا ہے۔ ان میں دو قبائل نمایاں ہیں۔ ایک بنو تمیم اور دوسرا فہری، اور ان کے سرداران میں عینیہ بن حصن اور اقرع بن حابس ہیں۔"

"جی ہاں، آپ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی خواہش کے مطابق مال غنیمت سے خوب نوازا ہے، یعنی آپؐ نے تالیف قلب کے لئے انہیں مسلمانوں سے بھی زیادہ عطا فرمایا ہے۔" حیان نے دہرایا۔ "لیکن استاد گرامی کیا یہ لوگ مسلمان ہوئے؟"

"ہاں، زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یہ قبائل بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اس کا ذکر وقت آنے پر کروں گا۔"

"الحمدللہ!" استاد صاحب کے بتانے پر حیان نے اطمینان کا اظہار کیا، پھر فوراً ہی ان کی طرف متوجہ ہو گیا، کیونکہ استاد صاحب بعد کے واقعات بیان کرنے لگے۔

"قبائل جو غیر مسلم ہیں جعرانہ میں ہی ٹھہر گئے اور جیسا کہ تمہیں بتایا، رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا پڑھ کر جعرانہ سے کوچ کیا۔

اور اب فجر ہونے کو ہے کہ آپ کی سواری حدود حرم میں داخل ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا کی، طواف کیا، سعی کی اور حلق کروایا، اس طرح عمرہ ادا فرمانے کے بعد، پورا دن مکہ مشرفہ میں ہی گزارا۔ تمہیں یاد ہوگا، صفوان بن امیہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اسلحہ جنگ مستعار لیا تھا، واپسی کے وقت ان میں سے کچھ زرہیں کم نکلیں، آپؐ نے اسے معاوضہ دینا چاہا، لیکن صفوان نے عرض کی۔ "یارسول اللہ، اب تو مجھے ایمان کی دولت نصیب ہو چکی ہے، اسلام کے لئے، ان چیزوں کی کیا حیثیت ہے، اب تو میں جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔" نبی علیہ السلام ان کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔"

"سبحان اللہ" حیان نے اظہار مسرت کیا۔ استاد صاحب کہنے لگے۔

"آج جمعرات کا دن ہے کہ آپ آج ہی واپسی کا ارادہ فرما چکے ہیں، مکہ کے امور کی نگرانی کے لئے عتابؓ بن اسید کے تقرر کی توثیق فرماتے ہیں، یاد رہے یہ وہی بیس سالہ نوجوان ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے۔"

"جی ہاں، یہ حضرت ام ہانی کے رشتہ دار ہیں۔" حیان نے اثبات میں کہا۔

"بلکہ خود حضرت علیؓ کا بھی وہی رشتہ ہے جو جناب ام ہانی کا، لیکن تم نے دیکھا کہ جب سیدنا علیؓ نے انہیں ان کے ہاں چھپا دیکھ لیا تو ان کی گردن اڑانے پر تیار ہو گئے تھے کہ کفر و اسلام کے مقابلہ میں اپنا پرایا نہیں دیکھا جاتا۔"

"جی ہاں بجا فرمایا آپ نے۔"

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو بدستور اہل مکہ کی تعلیم و تربیت پر برقرار رکھا اور موذن حرم تو

وہی جناب ابو محذورہؓ ہیں کہ یہ بھی حُباب ابن اسید کی طرح نوعمر ہیں۔ اللہ اللہ کیا حسن انتخاب ہے کہ جناب ابو محذورہ کو حرم کے سب سے موذن اور نوجوان حباب بن اسید کو مکہ مشرفہ کے اولین والی ہونے کی سعادت ملی ہے اور امامت تو خود بخود امیر کے ہی فرائض میں شامل ہے۔ اس طرح مکہ میں اسلام کے اولین امیر کی حیثیت سے، ایک ماہ بعد ہی مسلمانوں نے ان ہی کی امامت میں حج کیا، تاہم مشرکین نے اپنے طریقہ پر ارکان حج ادا کئے اور دیکھو دربار رسالت سے والیٔ مکہ مشرفہ کا روزینہ ایک درہم مقرر کیا گیا ہے اور یہ خوش نصیب نوجوان اپنی قناعت اور طمانیت کا کن لفظوں میں اظہار کرتے ہیں، کہتے ہیں۔

''میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وظیفہ مقرر فرمایا ہے، اب مجھے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں۔''

''سبحان اللہ، مرحبا! واقعی کیسی قناعت وعقیدت کا ثبوت دیا ہے انہوں نے!''

''بیٹا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انتخاب کیسی سیرت شناس ہے، یہ خوبیاں اس نوجوان میں ہیں جب ہی تو آپؐ نے ان سے بڑی عمر اور تجربہ رکھنے والے حضرات کی موجودگی کے باوجود اس نوجوان کا انتخاب کیا ہے۔''

''بے شک آپ کی نگاہ حق شناس کی کیا تعریف کی جائے۔'' حیان پُرزور لہجے میں بولا اور استاد صاحب نے بیان کو آگے بڑھایا۔

''اس سے قبل کہ ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جعرانہ کی طرف سفر کرنے کی سعادت حاصل کریں، ایک اور واقعہ کا بیان بھی ضروری سمجھتے ہیں۔'' استاد صاحب جب ایسی کوئی بات کہتے ہیں تو حیان کی دلچسپی اور تجسس میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ ''تم پہلے سن چکے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس اور اسلام کے خلاف کئی مکی شاعر ہجویہ شعر کہتے رہے ہیں، اور ان کے اس مکروہ فعل نے نبی علیہ السلام کو بہت تکلیف پہنچائی اور لوگوں کو اسلام کے خلاف گمراہ اور رائے عامہ کو اسلام سے بدظن کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے تحریک اسلامی کی مشکلات میں خاصی دشواریاں پیدا ہوتی رہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شعراء کے جرم کو ناقابل معافی قرار دیا اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ نظر آتے ہی ان کو قتل کردیا جائے۔ یہ فتح مکہ کے بعد خوفزدہ ہوکر بھاگ گئے ہیں اور ادھر ادھر چھپے پھر رہے ہیں، ان میں ایک تو حضرت ام ہانی کا شوہر ہے، ہیرہ بن ابی وہب مخزومی، یہ نجران چلا گیا ہے اور اس خیال سے کہ ام ہانیؓ کیونکہ مسلمان ہوچکی ہیں، تو اختلاف مذہب کی بنیاد پر میاں بیوی کے تعلقات بہتر نہیں رہ سکیں گے، ادھر ایک مومنہ کے لئے اسلام میں اجازت ہی نہیں کہ وہ کافر کے نکاح میں رہے، لہٰذا یہ جان کر، ہیرہ بن ابی وہب نجران میں ہی چھپا رہا اور وہیں حالت کفر میں اس کی موت واقع ہوئی۔ دوسرے شاعر عبداللہ ابن زمعری کے متعلق پہلے بیان ہوچکا ہے کہ وہ فرار ہوکر یمن پہنچ گیا تھا، بعد میں حضرت حسان کے انگیخت کرنے اور یہ اطمینان دلانے پر کہ اگر وہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوجائے اور امان طلب کرلے تو رحمت عالم اسے معاف فرمادیں گے، چنانچہ وہ آیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرمادیا۔''

''جی ہاں، وہ مسلمان بھی ہوئے اور انہوں نے نبی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا، جس میں انہوں نے اپنی گزشتہ کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اس عزم کا ارادہ بیان کیا ہے کہ اب آئندہ وہ زندگی کے آخری سانس تک اسلام پر عمل پیرا رہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں شعر کہتے رہیں گے۔''

''ماشاء اللہ!'' استاد صاحب کے لئے یہ لمحات بہت خوشی اور اطمینان کے ہوتے ہیں جب ان کا کوئی شاگرد پوری سمجھ کے ساتھ اپنے اسباق کا صحیح صحیح آموختہ بیان کرتا ہے۔ ''اب ہم اس شاعر کا ذکر کرتے ہیں جو عرب کا ملک اشعراء کہلاتا ہے، یعنی کعب بن زہیر، جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سب سے زیادہ زہر اگلا ہے، یہ بھی بارگاہ رسالت کی طرف سے واجب القتل قرار دیا گیا ہے اور مفرور ہے۔ فتح مکہ کے بعد کعب کے بھائی بجیر بن زہیر نے اسے خط لکھا۔

''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نبی علیہ السلام نے مکہ کے ان شاعروں کو جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں دیں اور آپ کی شانِ اقدس میں ہجویہ قصائد لکھتے آرہے ہیں، ان میں سے کئی قتل کردیئے گئے ہیں۔ جبکہ ابن زمعری اور ہیرہ بن ابی وہب ابھی تک مفرور ہیں اور جگہ جگہ چھپتے پھر رہے ہیں، تو اگر تم اپنی رہائی اور آزادی کے طلبگار ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر معافی مانگ لو، رسول اللہ، اس شخص کو جس نے سنگین غلطیاں کیوں نہ کی ہوں، اگر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے، توبہ واستغفار کرتا ہے اور اسلام قبول کرلیتا ہے تو اسے امان مل جاتی ہے اور آپ اسے معاف فرمادیتے ہیں اور اگر تم ایسا نہ کرسکو تو جہاں روپوش ہو، وہاں سے بھاگ جاؤ اور دنیا میں جہاں پناہ مل سکے، حاصل کرلو۔'' لیکن کعب اپنے بھائی کے پُرخلوص مشورے سے پہلے ہی ان کے مسلمان ہونے پر نہایت طعن اور ملامت بھرا منظوم خط ارسال کرچکا ہے۔'' استاد صاحب نے ہلکا سا وقفہ کیا اور بتانے لگے۔

''کعب کی شخصیت سات ہجری میں واقعہ حدیبیہ کے بعد، پہلی بار منظر عام پر آتی ہے۔ یہ اپنے بھائی بجیر کے ساتھ، اپنے وطن سے نکل کر ان دنوں ابرق کے مقام پر منتقل ہوگیا تھا۔ ایک روز دونوں بھائیوں نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ کعب، ابرق میں رہ کر ہی بھیڑ بکریوں کے اپنے ریوڑ کو سنبھالے اور بجیر یثرب جاکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مشاہدہ کرے گا، بقول خود بجیر کہ ''دیکھوں تو سہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر ہیں کیا۔'' چنانچہ بجیر مدینہ آیا اور نبی علیہ السلام پر جیسے ہی اس کی نظر پڑی گویا مسخر ہوکر رہ گیا۔ دل نے گواہی دی۔ ''ہرگز ہرگز یہ صاحب جمال جھوٹ نہیں بول سکتے، بلاشبہ جو کچھ یہ کہتے ہیں، سچ ہی کہتے ہوں گے۔'' اسی وقت آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور اسلام لے آئے اور وہیں مدینہ میں ٹھہر گئے۔ کعب کو بھائی کا یہ عمل نہایت ناگوار گزرا اور اشعار کے ذریعہ اپنی ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے اور انہیں مطعون کیا۔

الا ابلغا عنی بجیراً رسالةً
علیٰ ای شیء ویب غیرک دلکاً
علیٰ خلُق کمُ تلف اُم ولا اباً
علیه ولم تُدرک علیه اخالکاً
سقاک بها المامون کاساً رویةً
فانهلک المامون منها وعلکا

کہتا ہے:

''بجیر کو میرا یہ پیغام پہنچادو کہ آخر کس لئے تم نے غیروں کی تباہی وہلاکت اپنے سر لے لی، افسوس تم نے وہ بات اختیار کرلی جو نہ تمہارے والدین نے اور نہ تمہارے بھائی نے اپنائی، اس نئی بات کو تمہیں مامون نے بار بار سکھایا، گویا وہ شراب کا پیالہ تھا جو تمہیں مکرر پلایا گیا۔''

یہ مکتوب بجیر بن زہیر کو ملا اور اس کا متن پڑھا تو مناسب نہیں سمجھا کہ اسے کسی پر ظاہر کیا جائے، لیکن یہ ارادہ بھی وہ ایسا نہ کرسکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار سماعت کئے تو فرمایا۔

''اس نے یہ بات درست کہی کہ میں امین ہوں، باقی باتیں غلط کہی ہیں۔'' دراصل، کعب نے حضور نبی کریم کی بطور طنز مامون لکھا تھا، کیونکہ آپ کو دور جاہلیت میں بھی لوگ امین وصادق کے رتکاب سے پکارتے تھے۔ پھر جب جناب بجیر بن زہیر نے یہ شعر پڑھا، جس میں اس نے اپنے اس بھائی کو ملامت کی ہے

کہ ”تم نے جو دین اسلام کو اختیار کیا ہے تو ہم نے اپنے والدین کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے اس دین کو اپنایا تھا، پھر تم نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر کے اس دین اسلام کو اختیار کیا، آخر کیوں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برجستہ اس شعر پر تبصرہ فرمایا۔

”یہ کیا ضروری ہے کہ جس کے والدین کافر ہوں، اس کی اولاد بھی کافر ہو اور اسلام قبول نہ کرے؟!“

استاد صاحب ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوئے۔ پھر کہنے لگے۔

”حالانکہ اس نامی گرامی اور صاحب فصاحت و بلاغت کعب کا باپ زہیر بن ابی سلمٰی جس کا شمار عرب کے ان شاعروں میں ہوتا ہے۔ جس کا قصیدہ اعتراف کمال کے طور پر خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کیا گیا تھا، اس کی مجلس اور صحبت اکثر اہل کتاب کے ساتھ رہتی تھی اور ان کے علماء سے اس نے سن رکھا تھا کہ عن قریب نبی آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس طرح اس کی دلچسپی بعثت رسول میں بڑھتی جا رہی تھی کہ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا، ایک لمبی رسی آسمان کی بلندیوں سے نیچے آ رہی ہے، زہیر ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ اس نے اس خواب کی یہی تعبیر لی کہ اس کی قسمت میں یہ سعادت نہیں کہ وہ رسول موعود کا زمانہ پا سکے گا۔ تاہم اس نے مرنے سے قبل اپنے دونوں بیٹوں کو وصیت کی کہ اگر تم ان کو پاؤ تو ایمان لانے میں دیر نہ کرنا۔“ لیکن افسوس کعب کو اپنے باپ کی یہ وصیت تو بھول گئی لیکن اس کے مذہب کو گلے سے لگائے ہوئے ہے، حالانکہ خود بھی کوئی معمولی ذہن و فکر کا آدمی نہیں، بھرپور قوت مشاہدہ کا حامل ہے، فن شاعری پر پوری قدرت رکھتا ہے، زور خطابت بھی مثالی ہے، اتنی سوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود، حق سے گریزاں ہے، گمراہ ہے، کفر کی پٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے، عصبیت کا شکار اور آبا پرستی میں مبتلا ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں اس کے اشعار سے ہو گیا ہو گا۔“

”جی ہاں استاد گرامی، یہی تو اکثر میں سوچتا ہوں کہ جو عقل، حق نمائی نہ کر سکے، سچائی کا راستہ نہ دکھا سکے، وہ کس کام کی۔“

”بیٹا اسی کو جہل کہتے ہیں اور اس جہل میں کوئی ایک دو نہیں عرب کے قبیلے کے قبیلے گرفتار تھے، اہل مکہ میں بھی اس جہل کا راج تھا، اسی جاہلیت کے سبب نبی علیہ السلام کو اپنی ہی قوم کے ہاتھوں مخالفت اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور آخر بہ اذن رب تعالیٰ آپ نے ان کے درمیان سے نکل جانا ہی مناسب خیال کیا۔ تاہم ہزار جاہلیت کے باوجود ان لوگوں کا اسلام کی حقانیت کے اثرات سے بچنا بھی آسان نہ تھا، جس شخص نے بھی ذرا دل کی آنکھیں کھول کر نبی علیہ السلام کی سیرت پر غور کر لیا اور اسلام کے پیغام حق کو دل کے کانوں سے سن لیا وہ اثر لئے بغیر نہ رہ سکا، جیسا کہ جناب بجیر بن زہیر ہیں جو کعب بن زہیر کے حقیقی برادر ہو کر الحمدللہ اسلام کو دل سے لگا چکے ہیں۔ چنانچہ دیکھو وہ اپنے کافر بھائی کے جاہلانہ اعتراضات پر کیا عاقلانہ جواب تحریر کرتے ہیں، کعب کو اسی کی زبان میں جواب دیتے ہیں، ان کے اشعار کا مفہوم ہے:

”اے برادر! دین حق کا اتباع اور اسلام کو قبول کئے بغیر نجات ممکن نہیں، اور وہ دین جس کی اتباع ہمارے والدین کرتے تھے، باطل عقیدہ ہے، جس کی پیروی کرنا درست نہیں، اس لئے میں نے اپنے والد اور ان کے قبیلہ بنو سلمٰی کے مذہب کو باطل سمجھ کر خود پر حرام کر لیا اور اس سے بیزار ہو کر اسلام کو اپنا لیا ہے۔“

استاد صاحب نے یکا یک حیان کو مخاطب کیا۔

”لیکن حیان! نبی کریمؐ نے کعب کا خون مباح کر دیا اور فرمایا کہ اسے جہاں بھی پاؤ قتل کر دو، تو اس کی وجہ صرف یہی نہیں کہ کعب اس کے بعد مسلسل آپ اور اسلام کے خلاف زہر آلود شعر کہتا رہا، بلکہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ دونوں بھائیوں کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے درمیان خفیہ طور پر یہ سازش ہوئی کہ کسی طرح موقعہ پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع حیات کو خاکم بدہن بجھا دیا جائے۔ بلکہ جب بجیر، مدینہ روانہ ہوئے تو کعب ان کے ساتھ مقام حنیف تک آیا، اور خود وہیں ٹھہر گیا اور بجیر کو رخصت کرتے وقت یہ ناپاک منصوبہ انہیں یاد دلایا، جیسا کہ خود کعب نے اپنے ایک اور منظوم خط میں کہا ہے۔

الا ابلغا عنی بجیراً رسالۃ
فھل لک فیما قلت بالخیف ھل لکا
فان انت لم تفعل فلست باسف
ولا قائل اما عثرت لعا لکا

اے میرے ساتھیو بجیر تک میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ کیا تجھے وہ بات یاد نہیں جو میں نے تجھ سے مقام حنیف میں کہی تھی؟ اگر تو نے اس پر عمل نہیں کیا تو مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہے، اور منہ ہی میں تجھے پھسلتا دیکھ کر دعائے خیر کروں گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جہاں ایک اور شاعر ابن خطل کا خون بدر کیا اس کا بھی صرف یہی جرم نہیں تھا کہ وہ ہجو گوئی کرتا تھا، بلکہ اس نے ارتداد بھی کیا تھا اور وہ ایک مسلمان کا قاتل بھی تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ فتح مکہ سے قبل مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قبیلہ میں زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ہمراہ ایک انصاری اور ایک خادم بھی تھا جو مسلمان تھا۔ اثنائے سفر اس نے خادم کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور خود سو گیا۔ پھر جب آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر کہ کھانا تیار نہیں، غصہ میں بھڑک اٹھا اور اسی غضب کے عالم میں اس نے مسلمان خادم کو قتل کر ڈالا۔ پھر وہیں سے بھاگ کر مکہ چلا گیا اور اسلام سے پھر گیا۔ اس کی ان دو کنیزوں کا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے جو مغنیہ تھیں، جو ابن خطل کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گانے گایا کرتی تھیں۔ وہیں کعب کو بھی واجب القتل ٹھہرایا اور اس کا جرم دہرا تھا، ایک ہجویہ شاعری اور دوسرا آپؐ کے قتل کی سازش، جس کی وہ اپنے اشعار میں خواہش کرتا نظر آتا ہے۔

یہ کہہ کر استاد صاحب ایک لمحہ کے لئے پھر خاموش ہو گئے اور کچھ سوچنے اور پہلو بدلنے کے بعد بولے۔

”کعب نے اس کے بعد بھی اعتراض و مخالفت میں اشعار لکھ کر انہیں بھیجے اور جواب در جواب کا منظوم تبادلہ کافی دنوں تک ہوتا رہا، تاہم جناب جبیر کو محسوس ہونے لگا کہ کعب کے دلائل کمزور پڑتے جاتے ہیں اور اعتراضات میں بھی اب وہ پہلا ایسا زور دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن کعب نے کب مکمل طور پر سپر ڈالی اور کس طرح اس نے مدینہ پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خود کو پیش کیا۔ یہ ہم وقت آنے پر بیان کریں گے، فی الحال یہ دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریفہ کے تمام انتظامی امور نگران مقرر فرمانے کے بعد، بیت اللہ شریف کو الوداع کہتے ہیں اور جعرانہ کی طرف مراجعت فرماتے ہیں۔ جہاں لشکر اسلامی خیمہ زن ہے اور آپ کا منتظر بھی۔ یہاں پہنچ کر آپ نے مزید قیام کئے بغیر مدینہ واپسی کا اعلان فرمایا اور اس طرح فتح مکہ کی یہ کامیاب مہم اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔“

فتح مکہ کے واقعات کی تکمیل کے بعد، استاد عبدالرحمٰن نے ایک لمبا وقفہ کیا، ان کے انداز سے لگتا ہے جیسے وہ ساری مہم میں ساتھ ساتھ رہے ہوں اور اب ایک طویل مسافت کے بعد ستانے بیٹھے ہیں۔ حیان نے بھی خیال کر کے استاد محترم کو پانی پیش کیا، استاد صاحب مسکرانے لگے، پھر خود حیان نے بھی ان کے مسکراہٹ آمیز بچے ہوئے پانی کے گھونٹ حلق سے اتارے اور اس امید پر انتظار کرنے لگا کہ یقیناً استاد صاحب مزید بیان کے لئے مستعد و تازہ دم نظر آ رہے ہیں۔

”غزوہ حنین اور طائف کے محاصرے کے نتائج پر اگر ہم غور کریں تو معلوم ہو گا کہ اس مہم سے ہوازن اور ثقیف دونوں خود سر قبائل کا زور ٹوٹ چکا ہے۔ خصوصاً ہوازن کا تو بالکل ہی استیصال ہو گیا، رہے اہل طائف جو سخت جان نکلے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مشیت ایزدی کے تحت مکمل فتح کے بغیر طائف کا محاصرہ اٹھالیا اور واپس ہوگئے، تاہم ثقیف کی بھی کمر ٹوٹ چکی ہے اور اب وہ مسلمانوں کو آنکھیں اٹھانے کے قابل نہیں رہے اور اس طرح مدینہ کی ریاست ان مخالفین سے کسی حد تک محفوظ ہوگئی ہے۔ اس مہم میں مسلمانوں کو بھی ایک سبق ملا ہے کہ مومن مادی طاقت اور عددی قوت پر فخر اور بھروسا نہیں کرتے، ان کو تو اپنے اللہ پر توکل اور اس کی مدد و نصرت پر بھروسا ہونا چاہئے، جیسا کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرمایا۔ جس کا مفہوم ہے کہ:

"اور جس روز جبکہ تم کو اپنی کثرت پر غرور تھا تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور باوجود فراخی کے زمین تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پشت پھیر کر، پلٹ گئے، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اتارے اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کفر کرنے والوں کی۔"

حیان نے جھرجھری لی اور استاد صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"اس جگہ ایک اور نصیحت مسلمانوں کو ملی، اس کا انہوں نے عملاً مظاہرہ بھی کیا، جب تقسیم کے وقت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر اہل ایمان نے مالِ دنیا پر اللہ کی رضا اور رسول اللہ کی خوشی اور فرمان کو فوقیت دی۔" انہوں نے پھر ایک وقفہ کیا اور بولے۔

"بیٹا، ابھی آٹھویں ہجری ختم ہونے میں سال کا آخری مہینہ ہے، ہم اس مقام پر ٹھہر کر اگر اس رواں ہجری کا سرسری جائزہ لیں تو جو منظر نامہ ہمارے سامنے آتا ہے، یہ ہے کہ ایک طرف جنگ موتہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی مقرب خاص جاں نثاروں کی جدائی نے آپؐ کے قلب کو صدمہ پہنچایا ہے۔ یعنی برادرِ علی المرتضیٰؓ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث اور شاعر رسول حضرت عبداللہ ابن رواحہ اس معرکہ میں شہید ہوئے، تو دوسری طرف اسی رواں ہجری میں مکہ مشرفہ کی فتح نے آپ کو دل شاد کیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس فتح کو فوراً عظیم قرار دیا ہے، مزید یہ کہ اسی سال ہجری میں دو واقعات اور پیش آئے جو براہ راست حضور نبی کریم کی ذات مبارکہ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آپؐ کے ہاں فرزند کی ولادت اور دوسری طرف آپؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کی رحلت۔"

"اناللہ وانا الیہ راجعون۔" حیان نے زیر لب کہا اور استاد صاحب نے بیان کا تسلسل جاری رکھا۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ حضرت قبطیہ بنت شمعون کو شاہ مصر مقوقس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ روانہ کیا تھا۔"

"جی ہاں، بلکہ ان کی ایک اور بہن بھی تھیں اور وہ سفید خچر بھی ساتھ کیا تھا جس کا نام دُلدُل ہے جس کا تذکرہ غزوۂ اوطاس میں گزرا ہے۔"

"مرحبا، درست کہا تم نے۔" استاد صاحب خوش ہوکر بولے، پھر کہنے لگے۔

"لیکن حضرت ماریہؓ کو حضور نبی کریمؐ نے کنیز کی حیثیت میں رکھنے کی بجائے یہ شرف بخشا کہ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیا، اور اب اللہ نے انہیں اُم الولد بنایا ہے، دایہ کے فرائض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز اُم سلمیٰؓ نے انجام دیئے ہیں، انہوں نے اپنے شوہر ابو رافعؓ کو خانۂ رسول میں فرزند کی ولادت کی خبر دی، تو وہ فوراً عجلت سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ خوشخبری آپؐ کے گوش گزار کی تو آپؐ نے اسی وقت بطور انعام انہیں آزاد فرمادیا بلکہ خود انہیں ایک غلام بھی عطا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹے کا نام حضرت خلیل اللہ کے اسم گرامی پر ابراہیم رکھا۔ روایت ہے کہ اسی دوران ایک بار حضرت جبرئیلؑ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو "السلام علیکم یا ابا ابراہیم" کہہ کر تحیہ پیش کیا۔ پیدائش کے ساتویں روز عقیقہ کیا گیا۔ اس موقع پر دو مینڈھے ذبح

کیئے اور سر کے بال اتارے جن کے ہم وزن چاندی مساکین میں صدقہ کی اور بالوں کو دفنا دیا گیا۔ لیکن دیکھو ادھر آپ کو یہ خوشی ملی ہے کہ ادھر اسی سال سیدہ زینبؓ کی وفات کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ حضرت زینبؓ سابقون الاوّلون میں سے ہیں، یعنی بعثت کے شروع میں ہی آپ ایمان لے آئی تھیں اور اسی ایمان اور اسلام کی خاطر، حکم ربانی کی تعمیل میں کہ مومن عوت کو کسی کافر کے نکاح میں رہنے سے روک دیا گیا ہے، آپ نے نہایت محبت کرنے والے شوہر ابوالعاص سے مفارقت اختیار کرلی۔ تمہیں یاد ہوگا، جب سیدہؓ نے قریش سے چھپ کر مکہ چھوڑنے کا ارادہ کیا اور مدینہ کے لئے رخت سفر باندھا کہ ایک کافر کو خبر ہوگئی اور اس نے جارحانہ انداز میں آپ کا راستہ روکا اور آپ کے محمل کی رسی کاٹ دی اور آپ کجاوے سمیت اونٹ سے نیچے گر گئیں، اس ضرب کے سبب آپ کا حمل ضائع ہوگیا، بلکہ اب آپ کی رحلت کا سبب یہی بتایا جارہا ہے۔ کیونکہ شکم پر آنے والی ضرب کی تکلیف، اس وقت سے مسلسل چلی آتی تھی۔ گویا اس طرح آپ کو شہید کی حیثیت حاصل ہے اور اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس شہادت نے آپ کو ایک منفرد مقام کا حامل بنا دیا ہے۔ آپؐ کے گھرانے کی قدیم خادمہ حضرت ایمنؓ نے حضرت ام سلمیٰؓ اور ام عطیہؓ کی معاونت سے سیدہ کو غسل دیا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم کے شوہر حضرت ابوالعاص کے ساتھ مل کر ان کا جسد پاک لحد میں اتارا۔ اس وقت بحیثیت والد، چہرۂ مبارک پر حزن وملال کے آثار نمایاں ہیں۔ تدفین کے بعد آپؐ نے دعا فرمائی۔ "یا اللہ زینب کی مشکلات کو آسان فرمایئے اور قبر کی تنگی کو کشادگی سے بدل دیجئے۔"

"استاد محترم، سیدہ زینب کی اولاد کے بارے میں بھی کچھ فرمایئے؟" حیان نے سوال کیا اور استاد عبدالرحمٰن کی قوت یادداشت کا یہی تو وصف ہے کہ متعلقہ واقعات فوراً زبان پر لے آتے ہیں۔ کہنے لگے۔

"حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی امامہ ہیں، امامہ کو سیدہؓ فاطمۃ الزہرہ کی وفات کے بعد، ان کی وصیت کے مطابق حضرت علیؓ کے نکاح میں دے دیا گیا۔" استاد صاحب نے اپنا جملہ مکمل کرکے حیان کی طرف دیکھا اور بولے۔

"بیٹا ان باتوں کا تذکرہ بھی ضروری ہے تاکہ تم سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندانی اور معاشرتی ماحول سے بھی آگاہ ہوسکو۔"

"جی ہاں استاد محترم، آپ میرے لئے جو سوچتے ہیں اور جو فرماتے ہیں میں اس کو آپ کی عنایت اور شفقت سمجھ کر اپنے دل میں جگہ دیتا ہوں۔"

"مرحبا!" شاگرد کے اظہار تشکر پر استاد صاحب خوش ہوکر بولے، اور اب مزید واقعات بیان کرنے کے لئے ذہن کو استوار کرنے لگے۔ "اس جگہ مناسب ہے کہ کعب بن زہیر کے قبول اسلام کا واقعہ بیان کردیا جائے، کیونکہ بہرحال یہ اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ انسان اگر عصبیت، بے جا ضد اور خالص دل و دماغ کے ساتھ پیغام حق پر غور کرے تو اسے شرح صدر ضرور حاصل ہوتا ہے۔" انہوں نے تمہید کے طور پر کہا اور بیان کرنے لگے۔ "تم یہ سن چکے ہو کہ کعب نے اپنے بھائی کو اسلام لانے پر ملامت کی تھی، اور جناب بجیر بھی شعر کی صورت میں ہی جواب در جواب اسے ناصحانہ خطوط لکھتے رہے، کہ اسلام ہی دین حق ہے، یہ سب نظریات باطل ہیں جن میں ہم گرفتار رہے ہیں، اور یہ کہ اس دین حق اسلام کی اتباع کیئے بغیر نجات ممکن نہیں اور پیغمبر اسلام سراپا رحمت ہیں، آپؐ انتقام پر یقین نہیں رکھتے، امان طلب کرنے والوں کو معاف کردیتے ہیں اور ایمان لانے والوں کو ان کی گزشتہ غلطیوں سے صرف نظر کرکے، اسے گلے سے لگالیتے ہیں۔ ان باتوں نے کعب کا ضمیر جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ آرام وسکون کھو بیٹھے، ایک عجیب سی بے چینی

نے گھیر لیا۔ روز و شب اضطراب میں گزرنے لگے، سمجھ نہیں آرہا کہ یہ کیا ہے؟ ذہن و دل کسی ایک فیصلہ پر نہیں پہنچ پارہے۔ کبھی خیال آتا کہ بھائی کا مشورہ مان کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سر جھکا دیا جائے، پھر حاسدین کا خیال آتا ہے کہ طعنے دے دے کر شرمندہ کیا جائے گا، بلکہ مدینہ جانے سے پہلے ضرور اس خدشہ کا اظہار کرنے لگیں گے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے دیکھتے ہی قتل کرادیں گے۔" اسی کشمکش اور تردد میں کئی روز و شب گزر گئے اور آخر فیصلہ کیا کہ بارگاہ رسالت کی حاضری میں ہی عافیت ہے۔ لیکن روانگی سے قبل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایک طویل قصیدہ موزوں کیا، جس میں حضور رحمت عالم سے عفو و درگزر کی درخواست کی گئی۔ چنانچہ قصیدہ مکمل ہوتے ہی ایک رات گزارنا بھی دشوار ہوگیا، گویا پر لگ گئے اور کل کا اسلام مخالف اور گستاخ شاعر تیز رفتاری اور نہایت ذوق و شوق اور وارفتگی کے ساتھ اس جانب روانہ ہورہا ہے، جس طرف کبھی اس کے ترکش فکر سے نکلے ہوئے نفرت کے تیر سر ہوا کرتے تھے۔ اب دیکھو، رات کا وقت ہے، مدینے پر خاموشی اور تاریکی نے اپنی چادر پھیلا رکھی ہے۔ امان و عافیت کا یہ متلاشی مسافر چھپتے چھپاتے اپنے ایک دوست کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ میزبان نے دل اور دروازہ دونوں کھول دیئے۔ قیام طعام کا بندوبست کردیا گیا، لیکن آرام دہ بستر بھی بے آرام کررہا ہے۔ تمام رات کروٹیں بدلتے گزرتی ہے، جیسے تیسے کرکے صبح نمودار ہوئی، دوست ساتھ لے کر مسجد نبوی لے جاتا ہے۔ رسول اللہ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہیں کہ دوست مبہوت کھڑے ہوئے کعب سے کہتا ہے۔

"یہی ہیں اللہ کے رسول، جلدی سے آگے بڑھ کر امان طلب کرو۔" لیکن دوست کے بتانے سے پہلے ہی کعب کی نظریں جمال مصطفیٰ پر پڑتے ہی اسے اپنا عاشق بنا چکی ہیں، دل نے آواز دی، یہی محمد ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ نغز گو شاعر کے لئے خود پر قابو پانا مشکل ہورہا ہے۔ پاؤں بمشکل ساتھ دے رہے ہیں، لیکن دل خود بخود اس طرف کھنچتا جاتا ہے اور اب بے اختیار قریب پہنچ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور نہایت خود سپردگی کے ساتھ اپنا ہاتھ آپ کی طرف بڑھا دیا۔

"یارسول اللہ اسلام لانا چاہتا ہوں۔" خود رسول اکرم کعب سے شکل کی نا آشنا ہیں، مصافحہ کے بعد آپؐ نے اسے نہیں پہچانا، کعب نے عرض کی۔

"یارسول اللہ، کعب بن زہیر کو اگر آپ کی خدمت میں لے آؤں اور وہ اپنی غلطی پر نادم اور تائب ہوکر اسلام قبول کرلے اور آپ سے امان طلب کرے تو کیا آپ اسے امان عطا فرمادیں گے؟" رحمت عالم فرماتے ہیں۔ "ہاں اسے امان مل جائے گی۔" اس مژدہ جاں فزا کے بعد کعب کے منہ سے بیساختہ نکلا۔

"یارسول اللہ میں ہی کعب بن زہیر ہوں اور آپ پر ایمان لاتا ہوں۔" یہ سنتے ہی قریب میں موجود ایک انصاری پُرجوش انداز میں بولے۔

"یارسول اللہ، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اللہ اور رسول کے اس دشمن کا سر قلم کردوں؟" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت کریمانہ لہجے میں فرمایا۔ "یہ اپنی غلطیوں پر نادم ہوکر قبول اسلام کے لئے حاضر ہوا ہے تو پھر اس کی گردن مارنے کا کیا جواز ہے؟"

کعب آپ کے دست مبارک پر بیعت اور کلمہ شہادت پڑھ کر، اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرچکے تو حضور نبی علیہ السلام کی اجازت سے اپنے ساتھ لایا ہوا قصیدہ خدمت اقدس میں پیش کرنے لگے۔ قصیدہ کافی طویل ہے، تاہم میں چاہوں گا کہ تمہارے سامنے اس کا خلاصہ دہرادوں تاکہ کعب کے ان تاثرات و جذبات کا کچھ اندازہ ہوسکے جو اس کے اندر کی تبدیلی کے وقت اشعار میں ڈھلے ہیں۔"

"جی استاد محترم! براہ کرم ضرور ارشاد فرمایئے!" حیان

نے اپنے شوق کا اظہار کیا اور استاد اپنی عادت کے مطابق انگوٹھا اور انگلیوں کے ساتھ اپنی پیشانی کو پکڑ کر کعب بن زہیر کے اس مشہور قصیدے کی تلخیص بیان کرنے لگے جو قصیدہ بانت سعاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔"

"بیٹا کعب کا یہ قصیدہ تین اجزاء پر مشتمل ہے، یہ تینوں اجزا بظاہر ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن دراصل ان کے درمیان ایک ایسا حسین ربط ہے جس نے انہیں ایک وحدت میں یک جا کردیا ہے۔ پہلا جزو جسے تشبیب کہتے ہیں، تغزل لئے ہوئے ہے، دوسرے جزو میں ایک ناقہ اور اس کے لوازمات کے اوصاف کا ذکر ہے اور تیسرے اور آخری جزو میں رسول کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت بیان کی گئی ہے اور یہی قصیدہ کی اصل روح ہے۔ قصیدے کا آغاز کعب نے سعاد نامی اپنی محبوب کے فراق کے ذکر سے کیا ہے۔ اس میں اس کی وعدہ خلافیوں کی شکایت کی ہے۔ یعنی اس کے کبھی وفا نہ ہونے والے وعدوں کا مختلف مثالیں دے کر تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ سعاد کا سراپا بیان کرتا ہے جس میں اس نے روایتی طور پر مختلف تشبیہات کے ذریعے اس کے خدوخال کی تصویر کھینچی ہے۔ گویا انداز تغزل کے وہ تمام لوازمات استعمال کئے ہیں جو اس وقت عرب کی شاعری کا خاصہ تھے۔ محبوب کی عہد شکنی، تلون مزاجی یعنی اس کی سیمابی فطرت اور ذرا ذرا میں بدل جانے والی طبیعت کا ایسی ایسی مثال اور تشبیہات کے ساتھ ذکر کرتا ہے جس سے اس کے شاعرانہ زور کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ کہتا ہے۔ "جس طرح چھلنی میں پانی نہیں ٹھہر سکتا، اسی طرح سعاد اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکتی۔" وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ محبوب کی وعدہ شکنی اسے محرومی سے دوچار کرتی ہے لیکن وہ اسے قنوطیت کی طرف لے جانے کی بجائے اس پر عقلیت کی راہ کھول دیتی ہے اور وہ مایوس ہونے کی بجائے ناصح مشفق کی طرح کہتا ہے۔

"ایسی آرزوئیں اور سہانے خواب جو ایسے وعدوں کا پاس نہ کرنے والوں سے وابستہ کئے جائیں، عام طور پر جھوٹے اور باطل ہوتے ہیں۔" قصیدے کا دوسرا جزو اونٹنی کے اوصاف پر مشتمل ہے، کعب اس کی تعریف کرتے وقت اپنے قادر الکلام ہونے کا واضح ثبوت دیتا نظر آتا ہے۔ ناقہ کی ساخت اور اس کے تمام خدوخال کی تعریف میں ایسے ایسے مضامین لاتا ہے کہ اونٹنی سراپا عروس بن کر تصور میں ابھرتی محسوس ہونے لگتی ہے۔ گردن کی موٹائی اور لمبائی، اس کے بڑے بڑے رخساروں کا ذکر، اس کی جلد کی نرمی اور سختی کے بیان میں مبالغہ کی حد تک تشبیہات پیش کرتا ہے۔ مثلاً اس کی صلابت اور سختی کو تیشہ یا مستطیل پتھر سے تشبیہ دیتا اور دُم کو کھجور کی شاخ کے مشابہ قرار دیتا ہے، اونٹنی کے کھروں کے بارے میں کہتا ہے کہ سخت نیزوں کی مانند اور ایسے سخت ہیں کہ انہیں محفوظ رکھنے کے لئے نعل بندی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اونٹنی کے بازوؤں کی تیز حرکتیں اور جلد جلد بدلنے کے ذکر میں ایسی نادر مثالوں اور لفظوں سے تصویریں بناتا ہے کہ سچ مچ محسوس ہونے لگتی ہیں۔ اس کے بازوؤں کی حرکات کو ایسی عورت کے بازوؤں کے مشابہ کہتا ہے کہ جس کو اس کے پہلوٹھی کے بیٹے کی موت کی اطلاع دی گئی ہو اور وہ نوحہ گر عورتوں کے ہجوم میں شدت غم سے ہوش کھو بیٹھی ہو۔ اور اب اضطراری طور پر اس کے دونوں بازو نہایت سرعت کے ساتھ سینہ کوبی کے لئے اٹھ رہے ہیں۔" اونٹنی کے انہی اوصاف کو بیان کرتے ہوئے وہ گرمی کی شدت کی بھی نہایت نادر تصور کشی کرتا ہے۔ جسے سننے والا خود کو عرب کے تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحرا میں محسوس کرنے لگتا ہے۔"

استاد صاحب نے مختصر سا وقفہ کیا اور پُرشوق آواز میں بولے۔

"اب اس قصیدے کا تیسرا اور اصل اصیل جزو شروع ہوتا ہے جو سرور کائنات کی شان اقدس کی مدحت پر مبنی ہے۔

کعب، نعت کے ان اشعار میں بھی وہی تصویر کشی کرتا ہے کہ سامع ان مناظر کو اپنی آنکھوں کے سامنے موجود پاتا ہے۔ وہ بارگاہ رسالت کی ہیبت وجلالت کو شیر اور ہاتھی سے بھی زیادہ پُرجلال ثابت کرتا ہے، بلکہ اس مجلس محترم میں ہاتھی جیسا عظیم الجثہ جانور بھی لرزہ بہ اندام نظر آتا ہے۔ بارگاہ رسالت کا ذکر کرنے کے بعد، کعب، صحابہ کرام کی توصیف میں رطب السان ہوتا ہے، ان حضرات کے چہرے مہرے اوران کی شجاعت وبسالت کی مدح سرائی کرتا ہے، اورانہی پر قصیدہ کا اختتام ہوجاتا ہے۔ یہاں میں یہاں سادہ مزاج اور سلیم الطبع افراد کے دلوں میں اٹھنے والے اس سوال کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ تم بھی کسی بے اطمینانی سے دو چار نہ ہوسکو۔" استاد صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے۔" وہ یہ کہ قصیدہ میں کعب نے ایک نامحرم عورت کا ذکر کیا ہے اوراسے نبی علیہ السلام کے روبرو پڑھا اور آپؐ نے کوئی تعرض نہیں فرمایا، تواس کا جواب یہ ہے کہ عہد جاہلیت کے شعراء کا دستور ہی یہ تھا کہ وہ کسی بھی قصیدے کا آغاز تشبیب کے طور پر کسی عورت کے ذکر سے ہی کرتے ہیں، چنانچہ کعب نے بھی اسی اسلوب کواپنایا، گویا سعادا ایک روایتی عورت یا محبوب ہے، جس کو تشبیب کے بطور پیش کرنا کعب کی مجبوری ہے، کیونکہ وہ ابھی اسلامی روایات، پاکیزہ فکری سے واقف نہیں اور نہ ہی مزاج شناس رسولؐ ہوئے ہیں، لہٰذا اپنے قصیدے میں یہ احتیاط نہ برت سکے کہ بارگاہ رسالت کے آداب کو ملحوظ رکھتے بلکہ انہی قدیم جاہلانہ روایت کو قصیدہ میں برقرار رکھا ہے اور یہی سبب ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں نہیں ٹوکا، کیونکہ آپؐ جانتے ہیں کہ کعب کو جب اسلام کی روح سے شناسائی ہوگی تو خود بخود ان فرسودہ باتوں سے احتراز کرنے لگیں گے۔ چنانچہ میں اس جگہ قصیدے کے ابتدائی حصہ سے صرف نظر کرتے ہوئے، صرف مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی اشعار کا مفہوم تمہارے ذہن نشین کراتا ہوں۔"

"جی شکریہ استاد محترم۔" حیان نے سعادت مند طالب علم کے انداز میں کہا اور استاد صاحب جو ایک بہترین معلم کی طرح اپنے زور خطابت سے حجرے میں مکتب کا ماحول پیدا کئے ہوئے ہیں، مزید کہتے ہیں۔

"دراصل، یہاں کعب کے شاعرانہ محاسن اور شاعری میں ان کے مقام کا جائزہ لینا مقصود نہیں اور نہ ہی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع میں اس کی ضرورت اور گنجائش ہے، بلکہ ان کے قبول اسلام کے واقعہ کو اصولی طور پر سیرت کے بیان کا حصہ بنانا ہے، لہٰذا قصیدہ بانت سعاد کی تشبیب اور دوسرے جزو اونٹنی کی تعریف دونوں کو اس موقع پر غیر ضروری خیال کرتے ہوئے نظر انداز کرکے آخری حصہ مدحت رسول پر مبنی اشعار کا مفہوم بیان کرتا ہوں، کعب کہتے ہیں۔

"مجھے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ نے مجھے دھمکی دی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔" ان کا اشارہ ان کے اعلان قتل کی طرف ہے، کہتے ہیں۔" حالانکہ رسول اللہ عفو و درگزر کی امید ہیں۔" دوسرے شعر میں نبی علیہ السلام کے لئے حاضر کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے درخواست گزارتے ہیں۔

"یارسول اللہ، آپ مجھے مہلت دیجئے، مجھ پر رحم فرمائیے، آپ کو وہ اللہ عفو وتقصیر کی راہ دکھائے جس نے آپ کو قرآن عطا فرمایا ہے، جس میں نصائح اور دینی اور دنیاوی تفصیلات ہیں۔" تیسرے شعر میں کہتے ہیں۔

"آپ چغل خوروں کی باتوں پر میرا مواخذہ نہ کیجئے، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے، اگرچہ میرے بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔" اس سے اگلے شعر میں خدمت اقدس میں اپنی حاضری دکھاتے ہوئے بارگاہ رسالت کی جلالت کا نقشہ کھینچتے ہیں۔

"میں اس مجلس میں حاضر ہوں کہ اگر ہاتھی بھی یہاں موجود ہو اور سنے، یعنی یہاں ہونے والی گفتگو سماعت کرے تو کانپنے لگ جائے۔ لیکن اس صورت میں کہ اسے اللہ کے حکم سے، اللہ کے رسول کی جانب سے امان دی گئی ہو۔" ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارکہ میں ہیبت وجلال کا یہ

عالم ہے کہ انسان تو انسان اگر ہاتھی جیسی دنیا کی طاقتور ترین مخلوق بھی وہاں حاضر ہو تو اس پر فرط خوف سے لرزہ طاری ہوجائے۔ اس کے بعد تسلسل کے ساتھ کہتے ہیں۔

"اس وقت بھی جب کہ رات کو اندھیرے کی چادر اوڑھا دی گئی تھی، میں زرہ پہنے تاریکیوں میں صحراؤں کو عبور کرتا رہا اور آپؐ کی مجلس میں حاضر ہوکر میں نے بلا کسی اختلاف ونزاع کے اپنا دایاں ہاتھ ایک ایسی ذات کے ہاتھ میں دے دیا جو کفار سے انتقام لینے والے ہیں اوران ہی کی بات قابل اعتبار ہے۔"

ان اشعار کے بعد، کعب اپنے اصل مقصد پر آتے ہیں اور تصور کو حقیقت میں ڈھالتے ہوئے کہتے ہیں:

"میں جب آں جناب سے مخاطب ہوتا ہوں تو مجھ سے بازپرس کی جاتی ہے کہ تیری جانب کچھ باتیں منسوب کی گئی ہیں۔" تو اس وقت آپؐ میرے نزدیک ایسی زمین کے شیر سے بھی زیادہ بارعب اور پُرہیبت ہوتے ہیں، جہاں بکثرت درخت ہوں اور جس کی کچھار مقام عثر کے وسط میں واقع ہو، اور جہاں جھاڑیاں جھاڑیوں سے ملی ہوں، یعنی وہ شیر جو گھنے جنگل کی کچھار میں رہتا ہے اور جو پُرہیبت ہے، میں اس سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارعب وپُرجلال اس وقت پاتا ہوں جب میں آپ سے محو گفتگو ہوتا ہوں، یعنی جب آپؐ مجھ سے میرے قصور اور الزامات کے بارے میں بازپرس فرماتے ہیں۔

اس کے بعد کئی اشعار میں کعب شیر کی ہیبت کو مختلف مثالوں سے بیان کرتے ہیں اوراس کے اظہار سے ان کا مطلب یہ ہے کہ شیر کی ہیبت سے کہیں زیادہ مجھ پر رسول اللہ کے جلال کا اثر ہورہا ہے جب آپؐ مجھ سے فرمارہے ہیں کہ "اے کعب یہ یہ باتیں تجھ سے منسوب ہیں۔"

اس کے بعد کعب، نبی کریمؐ کی مدحت میں مسلسل اشعار کہتے چلے جاتے ہیں۔

"یارسول اللہ بے شک آپ ایک ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، آپؐ اللہ کی تلواروں میں سے ایک عمدہ ہندی شمشیر براں ہیں۔"

کعب نے جیسے ہی یہ شعر پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شانہ مبارک سے چادر اتار کر ان پر ڈال دی۔ اللہ اللہ۔ اس طرح کعب کو اپنے قصید کا وہ انعام عظیم مل گیا جو بے بہا ہے اور جس چادر کو حاصل کرنے اور خریدنے کے لئے بعد میں برسہا برس تک کوششیں ہوتی رہیں اور ان خریداروں میں حضرت معاویہؓ سے لے کر بعد کے کئی مسلم خلفاء پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد ہی کعب نے قریش کی تعریف میں شعر کہے۔ اور جی بھر کے تعریف کی ہے، کہتے ہیں۔

"آپؐ جماعت قریش سے ہیں کہ جب وہ وادی مکہ میں اسلام لائے تو اس میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہاں سے نقل مکانی کر جاؤ یعنی قریش کی ایک جماعت نے اسلام قبول کرلیا تو اسے تکالیف پہنچا کر ہجرت پر مجبور کردیا گیا۔ اور یہ کہ جس وقت قریش کے ان افراد نے مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کی تو وہ کمزور تھے، اور جنگ کے لئے، ان کے پاس نہ تلواریں تھیں، نہ سپر تھیں اور نہ ہی وہ فن شہ سواری سے واقف تھے، گویا نہتے اور بے سروسامان انہیں ہجرت کرنی پڑی، حالانکہ وہ بہت حسین، خوش شکل اور بہادر ہیں کہ ان سے خون کا انتقام نہیں لیا جاسکتا۔ جنگ میں ان کا لباس حضرت داؤدؑ کے ہاتھ سے بنی ہوئی زرہیں ہوتی ہیں۔ یعنی وہ اتنی مضبوط ہوتی ہیں کہ ان پر دشمن کی تلوار وتیر کا اثر نہیں ہوتا۔"

کعب قریش کی تعریف میں انہی زرہوں کی لمبائی کا تذکرہ کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بلند قامت جوان اور بہادر ہیں۔" مختصر یہ کہ قصیدہ کا اختتام قریش کی تعریف پر ہوجاتا ہے۔ اس وقت رسول کریم نے فرمایا۔

"کاش تم انصار کا ذکر خیر بھی کرتے کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں۔" بعد میں، کہا جاتا ہے، کعب نے انصار کے لئے بھی تعریفی اشعار کہے تھے۔"

............(جاری ہے)............

قسط نمبر: 1

اسلام کی خاطر آزمائشیں اور قربانیاں

مولانا طارق جمیل



کائنات کی ابتداء:.....ایک زمانہ ایسا تھا جب کچھ نہ تھا۔"وکان عرشہ علی الماء" اللہ کی ذات جو ابتدا اور انتہا سے پاک ہے، وہ بھی اکیلا اپنی ذات کے ساتھ اور اس کا عرش، پانی پر تھا، نہ اس کی ابتدا ہے، نہ اس کی انتہا ہے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات بنائی اور سجائی اور دوسرا زمانہ ہم پر وجود کا آیا۔"لا اقسم بیوم القیامۃ" اے انسانو! تمہیں وہ دن یاد ہے، جب تم کچھ بھی نہ تھے، نہ زمین میں، نہ آسمان میں، کہیں بھی وجود نہیں تھا، پھر اگلا دور آیا۔"ان ربکم اللہ" اللہ تمہارا رب ہے"الذی خلق السموت والارض فی ستۃ ایام" چھ دن میں زمین آسمان بنائے۔"ثم استوی علی العرش" پھر عرش پر تخت بچھایا۔"یغشی اللیل النھار یطلبہ حثیثا" دن اور رات کا نظام چلایا۔"الشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ" سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کو اپنے طابع فرمایا، یہ دوسرا مرحلہ اور پھر تیسرا مرحلہ آیا، اس میں اللہ نے ملائکہ کو پیدا فرمایا۔"جاعلوا الملائکۃ رسلا اولی اجنحۃ" ملائکہ اور فرشتوں کو پیدا فرمایا۔نور سے ان کے پر بنائے، کسی کے دو، کسی کے چار، کسی کے ہزار، کسی کے چھ سو، کسی کے کتنے۔ پھر تیسرا مرحلہ تخلیق کا آیا کہ میں زمین میں اپنا نائب بھیجنے والا ہوں، ابھی اگلہ مرحلہ ہے۔"انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنہ سمیعا بصیرا" ہم نے پھر تمہیں مرد عورت کو جوڑ کر تمہارے لئے پیدائش کا سلسلہ قائم فرمایا، کس لئے، ہم خود دنیا میں نہیں آئے، اس بات پر آپ سارے بہن بھائی غور فرمائیں، خود نہیں آئے، ہم مرد ہیں، اندر مستورات ہیں، ہمارا مرد ہونا ذاتی انتخاب نہیں، مستورات کا عورت ہونا کوئی ذاتی انتخاب نہیں، ایک آیت بتارہی ہے۔

"یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی" اے لوگو! ہم نے تمہیں، کسی کو مرد بنا دیا، پھر آگے ہم مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے والے ہیں، کوئی راجپوت ہے، کوئی پٹھان ہے، کوئی شیخ ہے، کوئی افغان ہے، کوئی ایرانی، کوئی تورانی اور کوئی کچھ ہے۔"وجعلنکم شعوبا وقبائل" یہ قبیلے بھی میں نے تمہارے لئے بنائے، یہ قبیلے ہماری ذاتی انتخابی سے تو نہیں بنے، ہم نے کوئی درخواست دی تھی کہ بھائی ہمیں فلاں قبیلے میں پیدا کیا جائے، نہیں۔"وجعلنکم شعوبا وقبائل" میں نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے۔

بھائیو! پھر آگے شکل وصورت ہے، کیسی شکل ہو، سفید رنگ ہو، کالا رنگ ہو، خوبصورت ہو، بدصورت ہو، اس کو پھر الگ بیان فرمایا۔"ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء" تمہارا رب ہی ہے جو تمہیں جیسا چاہتا ہے شکل عطا فرماتا ہے، یہ ایک ایسی ہمارے سامنے حقیقت ہے کہ جس کا کوئی بھی نہیں انکار کرسکتا کہ آنے کے بعد اب جانا بھی ضروری ہے، ہم دو مرحلوں میں بالکل مجبور ہیں، اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے، اپنی مرضی سے مرد اور عورت نہیں بنے، اپنی مرضی سے ہماری شکل نہیں بنی، ایسے ہی اپنی مرضی سے ہماری موت نہیں آئے گی۔"قل لکم میعاد یوم" ایک دن ہمارے علم میں طے ہے۔"لاتستاخرون عنہ ساعۃ ولاتستقدمون" جب وہ آئے گا تو کائنات کی کوئی طاقت کوئی سبب تمہیں اس سے بچا نہیں سکتی۔"واذا المنیہ انشبت اظفار" جب موت پنجے گاڑتی ہے۔"القیست کل تیمۃ لاتفع" تو دیکھتا ہے کہ ساری تدبیریں ٹوٹ جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے دو جگہ پر مجبور کردیا، پیدائش میں، موت میں، درمیان میں تھوڑا سا عرصہ ہے، اس میں بھی اللہ باندھ کے رکھ دیتا، کوئی بھی نافرمان نہ ہوتا، نہ کوئی مرد نافرمان ہوتا، نہ کوئی عورت نافرمان ہوتی، دنیا میں کوئی کافر نہ ہوتا۔

"ولوشئنا لاتینا کل نفس ھداھا" ہم چاہیں تو تم سب کو ہدایت دے دیں۔زمین آسمان کو اللہ تعالیٰ مضبوطی کے ساتھ چلا رہا ہے، کہاں ہمارا تو وجود ہی چار پانچ فٹ کا ہے، ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طاقت کیسے نہیں چل سکتی۔

اللہ کو دنیا میں ہر طرح قدرت حاصل ہے:.....

"ءانتم اشد خلقا ام السماء" تمہارا اپنا نا مشکل یا آسمان کا۔"بناھا رفع سمکھا فسواھا واغطش

لیلها و اخرج ضحاهاو الارض بعدذالک دحاها اخرج منهاماء هاومر عاها و الجبال ارساها متاعالکم و لانعامکم "مجھے بتاؤ تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا بنانا مشکل، تمہارا انتظام کرنا مشکل ہے یا زمین وآسمان کا انتظام کرنا مشکل، میں نے آسمان کو بنایا، اس کی چھت کو موٹا کیا، اس کو اونچا کیا، زمین کو پست کیا، پھر اس کو بچھایا اور اس میں پہاڑوں کو لگایا، درخت اگائے، سبزہ اگایا، نہروں کے جال بچھائے، میٹھا پانی نکالا تمہارے لئے، تمہارے جانوروں کے لئے، جب یہ نظام میرا پورے قابو میں ہے تو ہم سب کو ٹھیک چلانا اللہ کے لئے کیا مشکل ہے، سو ایک حکم دے سب کو، ہدایت مل جائے اور ساری کائنات "یمسک السموات والارض ان تزولا" زمین وآسمان اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ "ائتیا طوعا او کرھا" اے زمین آسمان میرے تابع ہو جاؤ، سو زمین آسمان نے کہا۔ "اتینا طاء ئعین" "اے اللہ! ہم آپ کے طابع ہیں تو اس ساری کائنات کو جس نظام سے اللہ تعالیٰ چلا رہا ہے، اسی میں ہمیں بھی باندھ دیتا، بارہ لاکھ گنا بڑا ہے سورج زمین سے، وہ کرتا نافرمانی، ہم تو پانچ فٹ کے ہیں، وہ کہتا، آج میں نکلا ہوں کل نہیں نکلوں گا، اللہ تعالیٰ لوگوں سے کہہ دیں، اپنا انتظام کرلیں، مجھے کل نہیں نکلنا، مجھے چھٹی کرنی ہے، چاند کہہ دیتا کہ میرے ذمہ رات کو نکلنا ہے، میں دن کو نکلوں گا، سورج کو کہہ، وہ رات کو نکلے، اتنی بڑی کائنات مہیب کائنات ہے، کہتے ہیں کہ اس کائنات کے 97 فیصد میں روشنی کوئی نہیں، اندھیرا ہے، اس کو بلیک ہول کہتے ہیں اور وہاں مادے کا اتنا وزن ہے کہ اگر ہمارے سارے نظام شمسی کو جس میں سورج چاند و نو سیارے اور کئی ارب چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں اور وہ ساڑھے سات ارب میل میں پھیلا ہوا ہے، ساڑھے سات ارب میل کا نظام شمسی ایک پلڑے میں رکھا جائے اور بلیک ہول میں سے ایک چمچ وہاں سے مادہ نکال کر دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یہ ایک چمچ جو مادہ ہے یہ پورے ہمارے نظام شمسی سے زیادہ وزنی ہے، ایک چمچ سارا نظام شمسی اور اس میں جو تین فیصد ہے، تین فیصد اس تین فیصد میں کوئی دس کھرب Glaxiex ہیں، کہکشائیں اور کہکشاں میں کھرب ہا کھرب سیارے ہیں، ابھی تک دور ترین جو سیارہ دیکھا گیا ہے، اس کی روشنی کو زمین پر آنے میں چودہ ارب سال لگتے ہیں، ایک سیکنڈ میں روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا سفر کرتی ہے، ایک سیکنڈ میں پھر وہ ایک منٹ، پھر وہ ایک گھنٹہ، پھر وہ ایک دن، پھر وہ ایک ہفتہ، ایک سال، سو سال، ہزار سال، پھر لاکھ سال، پھر کروڑ سال، پھر ارب سال، پھر چودہ ارب سال روشنی اپنی رفتار سے سفر کرے تو تب جا کر اس کی شعاع اس زمین پر پڑتی ہے، اس کی پہلی شعاع اس کا پہلا فوٹو زمین والوں نے لیا ہے، وہ چودہ ارب سال پرانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ ساری کائنات مچھر کا پر ہے، کہا یہ مچھر کا پر ہے، اب اتنی کائنات کو وہ سہار کے سنبھال کے چل رہا ہے، اس میں ذرہ برابر بھی انحراف نہیں، کہاں ایک حکم دیتا ہو جاؤ سیدھے، کون نافرمان ہوتا، ہمارے ساتھ یہ نہیں کیوں۔ "لیبلوکم ایکم احسن عملا" "ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میری مان کے کون چلتا ہے اور اپنی مان کے کون چلتا ہے، اللہ کو کون راضی کرتا ہے اور اپنے من کو اور اپنے نفس کو راضی کون کرتا ہے، اس امتحان میں "خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملا" ہم نے زندگی اور موت کا نظام چلایا ہے، یہ دیکھنے کے لئے کہ تم میں کون ہے جو ہماری مان کے چلتا ہے، یہاں ہم آزاد نہیں، میرے بھائیو اور بہنو!

انسانی تخلیق کا مقصد:...... "افحسبتم انما خلقنا کم عبثا" "میرے بندو! تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسے زندگی گزار رہے ہو کہ جیسے تمہیں آزاد پیدا کیا گیا ہے، تم پر کوئی نگہبان نہیں ہے، تمہیں خبر نہیں کہ "مایلفظ

من قول الالدیه رقیب عتید "تمہاری زبان کا ہر بول میں لکھ رہا ہوں۔ "بلی ورسلنا لدیهم یکتبون" "میرے فرشتے تمہارے ہر بول کو لکھ رہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی کھلی کتاب ہمیں بتا رہی ہے، تمہارا ہر بول لکھا جاتا ہے۔ "یعلم خائنته الاعین" "تمہاری آنکھ غلط دیکھتی ہے، وہ بھی لکھا جاتا ہے۔ "وماتخفی الصدور" "تمہارے اندر میں غلط جذبات پیدا ہوتے ہیں، وہ بھی لکھا جاتا ہے۔ "وما خلقنا السماء والارض ومابینهمالاعبین" "زمین آسمان اور جو کچھ اس میں ہے، میں نے کوئی کھیل کود کے لئے تو نہیں پیدا کیا۔ "لواردنا ان نتخذلهو الاتخذناه من لدنا" اگر مجھے کھیل کا کوئی تماشہ بنانا ہی ہوتا، اپنے پاس بناتا، تمہیں پیدا میں نے اس لئے تھوڑا کیا ہے؟ تو جب ہم خود نہیں بنے اور خود جانا بھی نہیں ہے اور پھر مر کے مر جاتے تو بڑا مسئلہ آسان تھا، اگر مر کے مر جاتے تو پھر چاہے ایسا خوبصورت گھر ہو یا وہ ادھر جھونپڑے ہوں، کوئی بات نہیں، مر کے مٹی ہو جانا ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مر کے مرنا نہیں ہے مر کے نئی زندگی میں داخل ہونا ہے، حضرت علیؓ کا ارشاد ہے، "الناس نیام" "لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ "اذاماتو انتبهوا" "جب موت آئے گی تو آنکھ کھل جائے گی اور یہ دنیا ایک خواب ہے، ایک آدمی خواب دیکھ رہا ہے، میں بڑے خوبصورت گھر میں بیٹھا ہوں، ایک آدمی خواب دیکھ رہا ہے، میں جھونپڑے میں بیٹھا ہوں، ایک آدمی خواب دیکھ رہا ہے، میں ہل چلا رہا ہوں، ایک آدمی خواب دیکھ رہا ہے، میں ریڑھی چلا رہا ہوں، موت دونوں کو قبر کے گھڑے میں پہنچا کے قبر کی مٹی سب کے لئے برابر کر دیتی ہے، ایسے گھر میں رہنے والے کے لئے ٹائلیں نہیں لگائی جاتیں اور جھونپڑے میں رہنے والے کے لئے وہی سادہ مٹی نہیں ہوتی، یہ بھی اسی مٹی میں وہ بھی اسی مٹی میں۔

قطر کے امیر ترین تاجر کا انجام:...... قطر ہماری جماعت گئی تھی، واپس آ رہے تھے، ایئر پورٹ پر تو راستے میں ایک محل دیکھا، بہت لمبا چوڑا، میں نے سمجھا شاید شاہی خاندان میں سے کسی کا ہے، قصر محل تو وہ ہمارے ساتھی بتانے لگے کہ یہ شاہی خاندان کا تو نہیں، لیکن یہ قطر کا سب سے بڑا تاجر تھا، قطر میں سب سے زیادہ مالدار اور سب سے بڑا تاجر اور یہ اس کا محل ہے بنا لیا، پھر پانچ سال رہنے کی نوبت آئی، پھر مر گیا اور جہاں اس کی قبر ہے، وہاں قطر کا سب سے بڑا فقیر بدو دفن ہے، ایک طرف قطر کا امیر ترین ہے اور اس کے پہلو میں قطر کا غریب ترین بدو جو سارا دن بھیک مانگ کے چلتا تھا، ان دونوں کی قبر ساتھ ساتھ ہے کہ قبر میں دونوں کو برابر کر دیا گیا، مر کے مر جاتے تو مزے ہو جاتے ہیں، مر کے مرنا نہیں۔ "یاایها الناس ان وعدالله حق" "اے لوگو! خوب سن لو کہ میرا وعدہ سچا ہے، وہ کیا وعدہ ہے۔ "منها خلقنا کم" "اس مٹی سے بنایا۔ "فیها نعید کم" اسی مٹی میں واپس پہنچا دوں گا۔ "ومنها نخرجکم تارة اخری" "اسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کر دوں گا، تو "قل بلی وربی لتبعثن" "اللہ نے قیامت کے بارے میں قسم کھائی، تین دفعہ قرآن میں اللہ نے قیامت کے وجود پر قسم کھائی ہے کہ تیرے رب کی قسم تمہیں اٹھایا جائے گا۔ "قل ای و ربی انه لحق" "تیرے رب کی قسم قیامت کا اٹھنا حق ہے اور موت حق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اشهدان وعدک حق والجنة حق والنار حق والساعة اتیه لاریب فیها وانک تبعث من فی القبور" "اللہ کے حبیب کا ارشاد ہے، اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا وعدہ سچا ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے اور موت حق ہے اور قیامت حق ہے اور تو ہمیں مار کے دوبارہ زندہ کرے گا یہ حق ہے۔ "وانک تبعث من فی القبور" اور تو ہر قبر میں جانے والے کو فضا میں، ہندو جلا کے فضا میں بکھیر دیتے ہیں، ہم مٹی میں دبا دیتے ہیں، کوئی آگ سے راکھ بنا دیتے ہیں، لیکن اس کا

علم کامل۔''قل ان الاولین والاخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم ''تمہارے پہلے تمہارے بعد والے سب کے سب کو میں ایک دن میں جمع کروں گا۔'' ان یوم الفصل کان میقاتا ''جو متعین ہے، عورت ہے، مرد ہے، غریب ہے، فقیر ہے، بادشاہ ہے سب کو میرے بھائیوں اور بہنوں اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہونا ہے، یہ اس سے بڑا مسئلہ ہے، دنیا میں آنا ایک بڑا حادثہ ہے، مرجانا اس سے بھی بڑا حادثہ ہے، اس گھر کو اس گھر میں رہنے والے کو دل میں ہوگا کہ میں مرجاؤں۔

فاتحین دنیا اور ان کا انجام:...... چنگیز خاں نے ساری دنیا فتح کی، دنیا کا سب سے بڑا فاتح ہے چنگیز خاں، دوسرے نمبر پر ہے، محمود غزنوی، تیسرے نمبر پر ہے، تیمور لنگ اور چوتھے نمبر پر ہے سکندر یونانی، ساری دنیا فتح کرلی اور ستر برس خبیث کو گزر گئے، لڑائیاں لڑتے لڑتے تو اب اس کو خیال آیا کہ عمر تو گزار دی لڑائی لڑتے لڑتے، جب حکومت کا دور آیا تو زندگی کی ڈور لپٹ چکی ہے، تو سارے حکیموں کو بلالیا، ساری دنیا کے طبیب اکٹھے کئے، مجھے بتاؤ میری زندگ کیسے بڑھ جائے، حکومت تو میں نے اب کرنی ہے، پہلے تو لڑتے ہی گزر گئی، حکومت تو اب کرنی ہے، مجھے بتاؤ میری زندگی بڑھ جائے، انہوں نے کہا، خاقان اعظم زندگی تو ہم ایک پل بھی نہیں بڑھا سکتے، جو ہے وہ صحت سے گزر جائے، اس کے اسباب بتا سکتے ہیں، 47 سال کی عمر میں مرگیا، صرف چار برس اس لعنتی کو اللہ نے مہلت دی، کھوپڑیوں کے ڈھیر لگادیئے، لاکھوں انسانوں کو تہہ تیغ کردیا اور خود چار برس بھی حکومت نصیب نہ ہوئی تو کوئی چاہتا ہے، ایسے گھر میں میں مرجاؤں، جھونپڑے والا بھی نہیں چاہتا، میں مرجاؤں، تو یہاں رہنے والا کیسے چاہے گا میں مر جاؤں، لیکن ''کل نفس ذائقة الموت، اینما تکونوا یدرکم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة ''بھاگو، کہاں تک بھاگو گے، یقیناً تمہیں موت کا سامنا کرنا ہے، یہ کتنا بڑا حادثہ ہے کہ ایک ہنستی کھیلتی زندگی ایک دم مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہوجاتی ہے اور پھر تہہ خاک ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے، ہڈیاں منتشر ہوجاتی ہیں، ایسے خوبصورت چہرے جنہیں کیڑے کھا جاتے ہیں، وہ جسم جو ہاتھ لگانے سے میلا ہوتا تھا، وہ کیڑوں کی غذا بن چکا ہوتا ہے اور وہ جسم جو ہزاروں لاکھوں قیمتی کپڑوں سے سجایا جاتا تھا، آج اسی سے ایسی بدبو پھیل رہی ہے کہ قبر کا تھوڑا سا سوراخ کردیا جائے تو سارے قبرستان میں بدبو پھیل جاتی ہے۔

ایک بارعب دبدبے والے بڑے افسر کا انجام:...... مصطفیٰ زیدی ایک ڈپٹی کمشنر مرگیا تھا تو اس کا پوسٹ مارٹم کیا گیا، میں اس وقت لاہور میں پڑھتا تھا، اس وقت کی بات ہے تو اخبار والے نے لکھا، وہ مصطفیٰ زیدی جو جہاں سے گزرتا تھا خوشبوؤں کے ہلے ساتھ لے کر گزرتا تھا، آج جب اس کی قبر کو کھولا گیا تو سارے قبرستان میں اس کے جسم کی بدبو سے کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا، جس انسان کا انجام ایسا ہونے والا ہو، کچھ تو سوچنا چاہیے ناں، ہمارے دن رات کے کیا مسائل ہیں، بچوں کی پڑھائی، گھر کا روٹی، سالن، کپڑے اور زیور اور موت تک کی ضروریات ساری طاقت اس پر لگ رہی ہے، ہاں یہ تو بڑے آسان مسئلے ہیں، ماں باپ ساتھی ہیں، میاں بیوی ساتھی ہیں، اولاد ماں باپ کے ساتھی ہیں، ماں باپ اولاد کی ساتھی ہیں، بیوی خاوند کا ساتھ دے رہی ہے، خاوند بیوی کا ساتھ دے رہا ہے، لیکن وہ وقت جب میری اولاد میرے سامنے مجھے بچا نہیں سکتی، ڈاکٹر کھڑے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اب تو اللہ ہی کرے گا اور سانس اکھڑ رہا ہے اور جان نکل رہی ہے اور جو نظر آتا تھا وہ غائب ہوگیا اور جو غائب تھا نظر آ گیا، فرشتے نظر آنے لگے اور گھر بار غائب ہونے لگے، یہ وہ وقت ہے، جب مجھے ضرورت ہے کہ میری کوئی مدد کرے، یہاں جو چیز کام دے گی، وہ اصل وفا کی چیز ہے۔

دنیاوی زندگی کی ایک بہترین مثال:...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی کے تین بھائی ہیں اور وہ مرنے لگے تو ایک کو بلایا، کہا، بھائی میرا کیا کرو گے، میں مر رہا ہوں، وہ کہے گا تو مرجائیگا، میں پرایا ہوجاؤں گا، تو دوسرے سے پوچھا، بھائی تو کیا کرے گا، کہا، موت تک تیرا علاج کروں گا، مرجائے گا تو قبر میں دفن کر کے واپس آجاؤں گا، تیسرے سے پوچھا، تو کیا کرے گا، انہوں نے کہا، میں تیرا ساتھ دوں گا، تیری قبر میں تیرے حشر میں، تیرے ترازو میں، جنت تک تیرا ساتھ دوں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بتاؤ ان تینوں میں سے کون سا بھائی بہتر ہے، تو صحابہؓ نے کہا کہ وہ جو آگے تک ساتھ دے، وہ سب سے بہتر ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پہلا بھائی مال ہے، جو موت پر پرایا ہوگیا، دوسرا بھائی اولاد، رشتے دار ہیں جو قبر پر جا کے پرائے ہوگئے، جب میت کو قبر میں ڈالا جاتا ہے تو ایک فرشتہ قبر کی مٹی کو اٹھا کر مجمع کے اوپر پھینکتا ہے اور کہتا ہے، جاؤ اسے تم نے بھلادیا، یہ تمہیں بھلادے گا، تین دن کے بعد سارے ماتم خوشیوں میں بدل جاتے ہیں، ہر کوئی بھول بھلیاں کرجاتا ہے، کوئی آیا تھا، چلا بھی گیا، نام بھی مٹ گیا اور تیسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ تمہارا عمل ہے جو تمہارے ساتھ جائے گا، ایک صحابیؓ بیٹھے تھے عبداللہ بن قرض، کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت ہو تو میں کوئی شعر کہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سارے صحابہ کو جمع کیا، کہا بھئی سنو، عبداللہ کیا کہتا ہے، تو کھڑے ہو کر کہا۔

انی واھلی والذی قدمت یدی
کداع الیہ صحبہ ثم قائل
لاخوتہ اذھم ثلثة اخوة

میں، میرے ماں باپ، میرے بیوی بچے، میرے رشتے دار، میرا پیسہ اور میرا عمل، اس کی مثال اس آدمی کی ہے جو مر رہا ہے اور وہ تینوں کو بلاتا ہے، بھائی اللہ کے واسطے میری مدد کرو۔''اعینو علی امر بی الیوم نازلی ''یہ آگیا، موت کا پیغام میری مدد کرو۔

فراق، طویل غیر متفق بی
فماذا لدیکم فی الذی ھو غائل

جدائی کی طویل گھڑیاں شروع ہونے والی ہیں، تنہائی کا لمبا سفر شروع ہونے والا ہے، اللہ کے واسطے میری کچھ مدد کرو، تو پہلا بھائی بولا۔

فقال المراء منھم انا الصاحب الذی
اطیعک فیماشئت قبل التزایل
اما اذا جد الفراق فاننی
لما بیننا من خلة غیر واصل
فخذما اردت الان منی فاننی
سیصلق بی فی محیا المحاجل
فان تبکنی لاتبکنی قصدا فدائنی
واجل صلاح قبل فتح معاجل

یہ پیسہ بولا کیا بولا کہ بھائی میں تیرا بڑا گہرا دوست ہوں۔''ٹھٹھا یار'' جسے ہمارا سرائیکی میں کہتے ہیں، میں تیرا بڑا گہرا دوست ہوں، لیکن صرف موت تک ہوں، جب موت آئے گی تو پھر تیرے کفن دفن سے پہلے ہی میرے اوپر لڑائی شروع ہوجائے گی۔''سیصلک بی فی محیا المحاجل ''ابھی تیرے کفن کے لئے بعد میں تدبیریں سوچی جائیں گی، پر میرے اوپر لوگ پہلے ٹوٹ پڑیں گے، لہٰذا اگر مجھ سے نفع اٹھانا ہے۔''فان تبکنی لاتبکنی ''اگر تجھے مجھ سے نفع اٹھانا ہے تو میرے اوپر رحم نہ کھا۔''فصدقنی'' مجھے خرچ کردے۔''واجل صلاح قبل فتح معاجلی'' اور اس موت سے پہلے کچھ نیکی آگے بھیج دے، میں موت کے بعد تیرا نہیں ہوں، تیرے قبر میں تیرے کفن سے پہلے ہی میرے اوپر لڑائیاں شروع ہوجائیں گی اور یہ تو آنکھوں دیکھے واقعات ہیں، چاروں طرف آپ بھی

دیکھتے ہیں، ہم بھی دیکھتے ہیں کہ کس بے رحمی سے۔

واثخ بلا کا واقعہ:.......واثخ بلا ایسا زبردست خلیفہ تھا، جابر ظالم اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا، ایسی اس کی آنکھوں میں کوئی مقناطیسیت تھی کہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں کوئی نہ ڈال سکتا تھا اور اپنے ہاتھ سے اس نے ہزار ہا لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا، تو مرنے لگا، مرض الموت آیا تو اس کا وزیر تھا، انہوں نے وہ شاہی خلافت کو جو عبا تھی، وہ اس کے اوپر ڈالی ہوئی تھی، تو اس کے وزیر نے ذرا چادر اٹھائی دیکھنے کے لئے کہ زندہ ہے یا مر گیا تو اس نے جیسے یوں آنکھیں اٹھا کے دیکھا تو اس حال میں بھی وزیر لڑکھڑا کے پیچھے جا گرا، اتنی اس وقت بھی اس کی آنکھوں میں طاقت تھی، تھوڑی دیر بعد حرکت ہوئی، چادر کے نیچے حرکت ہوئی، تو بھاگ کے گیا کہ یہ کیا حرکت ہے، دیکھا چادر اٹھا کے تو وہ مر چکا تھا اور ایک چوہا اس کی دونوں آنکھیں کھا چکا تھا، یہ چوہا کہاں سے آ گیا عباسی محل میں، یہ ۳۵ ہزار زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے ۳۵ ہزار، جس میں سے ساڑھے بارہ ہزار میں سونا ہی سونا بھرا ہوا تھا، چوہا کہاں سے آ گیا، غیب کا نظام چلا کہ ان ظالم آنکھوں سے کیا کیا ہوا ہے، موت سے پہلے ایک چوہے کو کھلا کے دکھا دیا، اچھا جونہی وہ مرا تو اس نے فوراً وہ خلافت کی چادر اتار کر اس نے صندوق میں ڈال لی، اب اگلا آنے والا خلیفہ میری ٹھکائی نہ کر دے کہ یہ چادر اس پر کیوں ڈالی ہوئی ہے، یہ دنیا اتنی ناپائیدار ہے، اب دوسرا بھائی بولا، اچھا بھائی تو تو کسی کام ہی نہیں۔

فقال المرء هم قد کنت جدا احبه
و اوثره من بینهم فی تقابلی

پھر میرا وہ بھائی بولا، جس کے لئے میں نے بڑے پاپڑ بیلے، جس کے لئے میں نے بڑے دکھ جھیلے، وہ کہنے لگا اور جسے میں سب پر ترجیح دیتا تھا، جس کے لئے میں نے کتنے کتنے مشقت کے راستے طے کئے، وہ کیا بولا، جو اپنے رشتے دار ہیں کہ میں موت تک آپ کا ساتھی نہیں ہوں اور آپ کی قبر تک کے بھی ساتھی ہوں، کیا ہوں میں "غناء ی انی جاهدلک ناصح" جی میں آپ کا علاج کروں گا۔ "اذاجد جدالکرب غیر مقاتلی" لیکن موت کے درد سے میں نہیں لڑ سکتا، موت سے میں نہیں لڑ سکتا۔ "ولکننی باک علیک و معول" جب آپ مر جائیں گے تو میں گریبان چاک کر دوں گا اور بال کھول دوں گا اور زور زور سے شور مچاؤں گا، واویلہ کروں گا اور نوحہ کروں گا، ومسلن بخیر عند من هو ساء لی، جو لوگ تعزیت کرنے کے لئے آئیں گے، میں کہوں گا، ایسا تھا میرا باپ، ایسی تھی میری ماں، ایسا تھا میرا خاوند، ایسی تھی میری بیوی، ایسا تھا میرا بچہ، میں صرف تیری تعریفیں کر سکتا ہوں اور کیا کروں گا۔

جنازے کے ساتھ بھی چلوں گا، کندھا بھی دوں گا، اب تو بڑے شہروں میں وہ رواج بھی ہے، موٹر میں ڈالا، چل سیدھا قبرستان میں، کہا، میں تجھے کندھا دوں گا اور تیرے ساتھ چلوں گا، کہاں۔

پھر کیا ہوگا، قبر میں لے جاؤں گا، جو آپ کا ٹھکانہ ہے، جہاں آپ نے رہنا ہے اور وہاں پر آپ پر مٹی ڈال کے میں واپس آ جاؤں گا، کیوں کہ مجھے اور بھی بڑے کام ہیں، صرف آپ کا دفن کرنا ہی نہیں، آپ کی زندگی کا تار تو کٹ گیا، مجھے تو اور بہت کام ہیں، لہٰذا پھر میں واپس آ جاؤں گا، مجھے اور کافی ڈیوٹیاں دینی ہیں، پھر ایک دن ایسا آئے گا، تو ایک بھولی بسری داستان بن جائے گا، حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا، تیری قبر کا نشان بھی مٹ جائے گا، پھر ایسا وقت آئے گا کہ کبھی لگا ہی نہیں کہ ہم کبھی مل بیٹھے تھے، حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر کا انتقال ہوا، تو حضرت عائشہؓ نے دو شعر پڑھے۔

جزیمہ میں ایک بادشاہ گزرا ہے، اس کے دو وزیر تھے، بڑا لمبا عرصہ ان کی وزارت چلی، تیس چالیس برس تو ایسا ہو گیا تھا کہ جیسے جدا ہی نہیں ہوں گے، پھر ان میں سے ایک مر گیا تو اس پر اس کے دوسرے وزیر نے شعر

کہے تھے، تو انہوں نے بھی ان دو شعروں کو پڑھا۔

کنا کندمان جزیمته حقبته
من الدهر حتی قیل کان یتصدعا
فلما تفرقنا کانی حمالک
لتولجت ما علم بت لیلته معا

میں اور عبدالرحمٰن میرا بھائی ایسے تھے، جیسے جزیمہ بادشاہ کے دو وزیر کہ جنہیں کہا جاتا تھا کہ کبھی جدا ہی نہ ہوں گے، لیکن جب میں اور وہ جدا ہوئے تو ایسا لگا، جیسے کبھی مل بیٹھے ہی نہ تھے۔ ایسا ہوگا جیسے کبھی آیا ہی نہیں تھا، جس نے راتوں کو جاگ کے اپنی اولادوں کے لئے کیا کچھ نہیں کیا اور اپنی خواہشات کو تج کر دیا، سب کچھ اپنی خواہشات کے جنازے نکال کر اولاد کے لئے کیا جمع کر کے گیا، انہیں یہ بھی پتہ نہیں ہوگا کہ ہمارے باپ کی قبر کہاں ہے تو تیسرا بھائی بولا، اے میرے بھائی میں ان دو جیسا نہیں ہوں کہ پیسہ تو موت پر ساتھ چھوڑ جائے اور رشتہ دار قبر تک جائیں اور واپس آ جائیں، نہیں میں ایسا نہیں ہوں، میں جب تیرے موت کے زلزلے شروع ہوں گے تو میں ان زلزلوں کو کم کرنے میں تیری مدد کروں گا۔

حضرت عیسیٰ تشریف لے جا رہے تھے تو ایک قبر دیکھی تو فرمایا، یہ نوحؑ کے بیٹے سام کی قبر، جب طوفان آیا، سارے مر گئے، تین بیٹوں سے پھر نسل چلی سام، حام اور یافث، ہم سارے سام کی اولاد ہیں، سارے یورپ والے یافث کی اولاد ہیں، سارے افریقہ حام کی اولاد ہیں، تو انہوں نے کہا، یہ سام کی قبر ہے تو انہوں نے کہا، یا نبی اللہ اس کو زندہ تو کریں تو ان کے کہنے سے اللہ زندہ فرما دیتے تھے، انہیں حکم دیا، وہ زندہ ہو کے قبر سے باہر آ گئے، کوئی بات چیت فرمائی، کہا واپس چلا جا، کہا اس شرط پر دوبارہ واپس جاتا ہوں کہ مجھے دوبارہ موت کی تکلیف نہ ہو، کہ موت کا درد آج بھی میری ہڈیوں میں موجود ہے، اس کے لئے کوئی پین کلر نہیں ہے، سوائے تقویٰ اور توکل کے، سوائے اللہ پاک کی بندگی کے، کتنا بڑا حادثہ ہے، جو ہر مرد عورت پر آنے والا ہے اور کتنی بڑی غفلت ہے کہ سب سے بڑے حادثے کا ہم نے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ موت کے لئے کیا کیا جائے، قبر کے لئے کیا کیا جائے، اس چھوٹے سے گھر کو سجانے کے لئے سارا دن منصوبے ہیں، جہاں رہنا ہے اور وہیں سے اٹھنا ہے، اس کو بھی تو سجانے کے لئے کچھ سوچا جاتا کہ وہ گھر بھی تو آنے والا ہے، جو خود کہتی ہے قبر، میں کیڑوں کا گھر، میں وحشت کا گھر، میں تنہائی کا گھر، میں ظلمت کا گھر، ارے بھئی کچھ کر کے آ جا، تو تیسرا بھائی بولا، میں نہیں ایسا کہ جیسے یہ کہ موت تک چلے جائیں تو تو کیسا ہے؟

لذا لقبر تلقانی هنالک فاعد
اجادل عنک القول رجعت تجادل

جب تو قبر میں آئے گا تو میں تیرا استقبال کروں گا، ہاں اور جب منکر نکیر سوال کو آئیں گے تو میں درمیان میں آڑے آ جاؤں گا اور تیری طرف سے میں تیرا دفع کروں گا، منکر نکیر کو تیرے قریب نہیں آنے دوں گا، جو زمین کو چیرتے ہوئے آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے شرارے نکلتے ہیں، ہاتھوں میں ایک گرز ہوتا ہے، جسے ساری دنیا مل کے اٹھا نہیں سکتی، تب میں تیرا ساتھی بنوں گا۔ "اجادل عنک القول رجعت تجادل" میں جھگڑا کر کے تیری طرف سے جواب دوں گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب حافظ قرآن کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ جو عمل والا ہو، حافظ قرآن، تو جب منکر نکیر آتے ہیں تو ایک دم ایک خوبصورت نوجوان قبر میں نمودار ہوتا ہے اور منکر نکیر اور ان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور ان کو آگے نہیں بڑھنے دیتا، تو یہ حیران ہوتا ہے کہ بھئی یہ کون ہے، تو کہتا ہے گھبرا مت، میں تیرا قرآن ہوں، جو تیرے سینے میں تھا، وہاں ڈاکٹری کی ڈگری ختم، انجینئر ختم، تاجر ختم، زمیندار ختم، حافظ جی یہاں بھی کام دے رہے ہیں، اب میں تیرا ساتھی ہوں، وہ منکر نکیر کہتے ہیں۔ تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ ہمیں اس سے سوال کرنے دو، وہ کہتا ہے، جس

نے تمہیں بھیجا ہے، اسی نے مجھے بھیجا ہے، میں وہ قرآن ہوں، جسے کبھی یہ رات کو پڑھتا تھا، کبھی دن کو پڑھتا تھا، میں اس کی طرف سے جواب دوں گا اور کیا کروں گا۔

واقعد یوم الوزن فی الکفة التی
تکون علیها جاهدا فی التغافل
فلا تنسینی واعلم مکانی فاننی
الیک شفیق الناصح غیر حازلی
فذالک ماقدمت من کل صالح
تلافیه اذا حسنت یوم التواسل

جب صحابیؓ نے یہ شعر ختم کئے تو آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی اور سارے صحابہؓ کی چیخیں نکل رہی تھیں اور سب رو رو کے برے حال میں تھے، ہمارے تو دل پتھر ہیں، جنہیں نہ اللہ کی ذات سے تعلق رہا، نہ اللہ کے حبیب سے تعلق رہا، اپنے آپ سے ہی محبت ہے، اپنے نفس سے ہی محبت ہے، اپنی ہی پوجا ہے، نہ اللہ محبوب رہا، نہ معبود رہا، نہ مسجود رہا، کچھ بھی نہ رہا، مردہ دل ہے جو دنیا ہی کی خواہشات سے بھرا ہوا ہے، جو دل دنیا کی محبت میں دیوانہ ہو اور خواہشات کا وہ غلام ہو، وہ اللہ کی نظر میں ایک کوڑے کے برابر نہیں، ایک ڈھیلے کے برابر نہیں، میرے بھائیو اور بہنو! مرنے سے پہلے پہلے اپنے دل کو اللہ کے لئے خالص کر لو، اس حال میں مرو کہ اللہ دل کو دیکھے تو کہے، ہاں ہاں مرحبا مرحبا، مرا بندہ آ گیا، میری بندی آ گئی، مرحبا۔

حضرت شبانہ عابدہ کا واقعہ:...... حضرت شبانہ عابدہ کی بہن نے خواب دیکھا کہ جنت سجائی جا رہی ہے اور دروازے پر بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں تو انہوں نے پوچھا، کیا بات ہے، جنت سجائی جا رہی ہے اور ساری حوریں باہر کھڑی ہوئی ہیں، یہ کیا بات ہے تو جواب آتا ہے کہ شبانہ عابدہ کا انتقال ہوا ہے، اس کے استقبال میں اس کی روح کے استقبال میں جنت کو سجایا جا رہا ہے اور جنت کی حوروں کو استقبال کے لئے لایا جا رہا ہے، یہ ان کی بہن خود خواب میں دیکھ رہی ہے کہ ان کی بہن کو اللہ جنت میں کتنا بڑا پروٹوکول دے رہا ہے، کتنا بڑا اعزاز ہے، اللہ جس کا اعزاز کرے، تو بھائیو میری بہنو! یہ جذبے بھی رکھو، یہ دنیا چھوٹ جائے گی، یہ دھوکے کا گھر ہے، یہ مچھر کا پر ہے، یہ مکڑی کا جالا ہے، اس کے مسائل بھی اللہ سے مانگتے ہیں کہ عافیت سے حل ہوں، ہاں ہمارے اصل مسائل وہ ہیں، جو قبر سے شروع ہوں، پھر اس سے اگلے مرحلہ کہ:

واقعد یوم الوزن فی اثلة التی
تکون علیها جاهدا فی التغافلی

پھر وہ دن جب ترازو کو تولا جائے گا اور ساری دنیا کے انسان مرد و عورت چھوٹے بڑے سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔ ''اذا زلزلت الارض زلزالها'' جب زمین میں زلزلہ آئے۔ ''واخرجت الارض اثقالها'' اور اپنے اندر کے خزانوں کو باہر لے آئے گی۔ ''وقال الانسان مالها'' انسان کہیں گے، اسے کیا ہو گیا ہے۔ ''یومئذ تحدث اخبارها'' آج وہ اپنی ساری خبریں سنائے گی۔ اے اللہ اس دھرتی پر میرے اوپر یہ گناہ ہوا، یہاں سجدہ ہوا، یہاں زنا ہوا، یہاں شراب پی گئی اور یہاں تیرے نام پر روزے رکھے گئے، ایک ایک انچ زمین کا اس وقت گواہی دے گا۔

زمین قیامت کے روز بول پڑے گی:...... ''یومئذ تحدث اخبارها'' جب زمین خود بتائے گی کہ میرے اوپر کیا ہوا ہے تو وہ کہیں گے یہ کیا ہوا، یہ زمین کیسے بول رہی ہے۔ ''بان ربک اوحی لها'' زمین اس لئے بول رہی ہے کہ زمین کا مالک اسے کہہ رہا ہے کہ بول بتا، ان کو کہ یہاں کیا ہوا، یہاں ظلم ہوا، یہاں عدل ہوا، یہاں قتل ہوا، یہاں یہ ہوا، یہاں وہ ہوا تو زمین اس دن بولے گی۔ ''یوم تشقق السماء'' آسمان پھٹا۔ ''بالغمام ونزل الملئکة تنزیلا'' آسمان پھٹا فرشتے آئے۔ ''ویحمل عرش ربک فوقهم یومئذ ثمانیة'' آٹھ فرشتوں نے

اللہ کے عرش کو اٹھایا ہو گا اور ہمارے سروں پر آ رہا ہو گا اور عرش کے فرشتوں کی تسبیح ہو گی، جس میں بجلی کی کڑک دار آواز ہو گی۔ ''سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزة والجبروت، سبحان الحی الذی لایموت، سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت سبوح قدوس یمیت الخلائق ولایموت'' یہ عرش کے فرشتوں کی تسبیح ہو گی اور اللہ کا عرش سروں پر ''الحاقة، ماالحاقه وماادراک ماالحاقة'' وہ حق دن کچھ خبر بھی ہے، وہ کیا ہے، کبھی سوچا بھی ہے، وہ کیا ہے۔ ''القارعة ماالقارعة، وماادراک ما القارعة'' وہ کانوں کے پردوں کو پھاڑ دینے والی آواز تمہیں پتہ ہے، وہ کیا ہے، کبھی سوچا ہے، وہ کیا ہے۔ ''هل اتاک حدیث الغاشیة'' وہ دن جو تم پر چھا جائے گا، اس کی کوئی تمہیں خبر ہے۔ ''وجوه یومئذ عاملته ناصبة'' کچھ چہرے کالے ہوں گے، ویران ہوں گے، پریشان ہوں گے، حیران ہوں گے۔ ''تصلی نارا حامیة'' جو دھکتی ہوئی آگ کا شکار ہو جائیں گے۔ ''تسقی من عین آنیة'' جنہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا۔ ''لیس لهم طعام الامن ضریع'' جہاں کانٹے دار جھاڑی کے علاوہ کھانا نہیں ہو گا۔ ''لایسمن ولایغنی من جوع'' جو نہ بھوک دور کرے گا، نہ وہ جسم کے کام آئے گا۔ وہ دن اس کی تمہیں کوئی خبر ہے، کبھی تم نے اس کے بارے میں سوچا ہے، کبھی سنا ہے۔ ''فانذرتکم نارا تلظی'' تمہیں نہیں ڈر تو میں تمہیں ڈراتا ہوں، میرے بندو، اس آگ سے ڈر جاؤ۔ ''وقوده الناس والحجارة'' جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جو چیختی ہے چنگھارتی ہے اور اللہ کی بارگاہ میں پکارتی ہے۔ ''اللهم اشتدحری وبعد قهری وعزم جهری فعجل الی باهلی'' اے اللہ میرے انگارے بڑے دہک گئے، میری گہرائیاں بڑی گہری ہو گئیں اور میری چٹانیں بڑی سرخ ہو گئیں یا اللہ اپنے مجرموں کو میرے اندر ڈال دے کہ میں انہیں جلاؤں، روزانہ یہ جہنم کی پکار ہے۔

کچھ جنت کی نعمتوں کا تذکرہ:...... ''وجوه یومئذ ناعمة لسعیها راضیة'' اور کچھ تمہیں خبر ہے، کچھ چہرے بڑے تروتازہ ہوں گے، کیوں اپنی محنت کی وجہ سے، بڑے راضی ہوں گے۔ ''راضیة'' بڑے راضی، بڑے خوش باش کہاں ہوں گے۔ ''فی جنة عالیة'' بڑی اونچی جنت میں۔ ''لاتسمع فیها لاغیة'' جہاں چشمے ہوں گے، بہتے ہوں گے۔ ''فیها عین جاریة فیها سرر مرفوعة واکواب موضوعة ونمارق مصفوفة وزرابی مبثوثة'' جہاں چشمے ہوں گے اٹھتے ہوئے، قالین ہوں گے بچھے ہوئے، گدے ہوں گے لگے ہوئے تکیے ہوں گے قطار میں اور جام ہوں گے غلاموں کے ہاتھوں میں جو تمہارے چاروں طرف ''یطوف علیهم ولدان مخلدون'' تمہارے خوبصورت خدام تمہارے لئے ہاتھوں میں ''جام لے کر باکواب وکاس من معین'' جو معین کی شراب ہو گی، تسنیم کا چشمہ ہو گا، تسنیم کی شراب ہو گی۔ معین ہو گا، سلسبیل ہو گا۔ ''ویسقون فیها کاسا کان مزاجها زنجبیلا عینا فیها تسمی سلسبیلا'' سلسبیل کا چشمہ ہو گا، معین کے چشمے ہیں، تسنیم کے چشمے ہیں اور چہرے ان کے ''وجوه یومئذ ناعمة'' بڑے تروتازہ ''مصفرة'' روشن ''ضاحکة'' ہنستے ہوئے ''مستبشرة'' بارونق، پررونق چہرے، خوبصورت چہرے، ہنستے مسکراتے چہرے ''یحلون فیها من اساور من ذهب'' سونے کے کنگن پہنائے ہوئے کون سا سونا جنت کا کس نے بنایا؟ اللہ نے، کس کو حکم دیا، ایک فرشتہ ہے جنت میں وہ بیٹھا ہوا ہے جنت والوں کیلئے زیور تیار کر رہا ہے۔ اس کا اور کوئی کام نہیں سوائے زیور بنانے کے جو اللہ تعالیٰ جنتی مردوں کو اور جنتی عورتوں کو زیور پہنائے گا۔ دنیا کا ہر زیور کھوٹ میں ہے اور وہ زیور کھوٹ سے پاک ہے، دنیا کا ہر کپڑا پرانا ہوتا ہے۔ ''لاتبلی ثیابهم یلبسون ثیابا خضرا'' اللہ تعالیٰ ان کو سبز ریشم کے کپڑے پہنائے گا

جو پرانے نہیں ہوں گے، جو میلے نہیں ہوں گے، جنہیں بدلنے کے لئے اتارنا نہیں پڑے گا، ارادہ کرے گا کہ میں کپڑے بدل لوں تو وہ اگلے کپڑے جسم سے غائب ہوجائیں گے اور جس چیز کا ارادہ کرے گا وہ کپڑے جسم پر سجادیئے جائیں گے، اتارنے نہیں پڑیں گے، جنت میں لانڈری نہیں ہے، ارادہ کیا، کپڑے بدلوں، کون سے بدلوں، کیسے بدلوں، دل میں خیال آیا، ایسے ہوں، ایسے ہوں، یہی خیال آیا تو اگلے غائب اور وہ زیب تن، وہ کہاں گئے، اللہ کے علم میں غیب میں یہ کہاں سے آئے، اللہ کے غیبی خزانے سے، وہاں بدلیں اور سو سو جوڑے اللہ پہنائے گا اور وہ ایسے مہین اور ایسے باریک ہوں گے کہ دو انگلیوں میں سو جوڑے اٹھائے جاسکتے ہیں، ہر جوڑے کا رنگ الگ الگ نظر آئے گا، سر پر اللہ تاج رکھے گا، جس کا ادنیٰ موتی، میرے رب ذوالجلال کی قسم مشرق اور مغرب کو روشن کردے گا، سورج بھی آدھی دنیا کو روشن کرتا ہے، آدھی تو اس کے سامنے آتی نہیں، وہ موتی مشرق، مغرب کو چمکا دے گا، یہ جو خلا پھیلا ہوا ہے، جہاں بلیک ہول ہیں، وہ بھی چمک جائیں گے، اس جنتی کے تاج کے ادنیٰ موتی سے اور اللہ تعالیٰ دنیا کی مومن عورت کو ایسا جمال بخشے گا، ایسی خوبصورتی بخشے گا کہ جنت کی وہ حور کہ جس کے بارے میں اللہ کے حبیب کا ارشاد ہے کہ سمندر میں تھوک ڈالے تو سمندر میٹھے ہوجائیں، سورج کو انگلی دکھائے تو سورج نظر نہ آئے، ایسی خوبصورت جمال والی سے بھی اللہ تعالیٰ دنیا کی ایمان والی عورت کو ستر ہزار گنا زیادہ خوبصورتی عطا فرمائے گا اور ان کے سر کے بال سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کی ایڑھی تک جائیں گے اور ان بالوں کو اٹھانے کیلئے جنت کی حوریں ہوں گی، جو ان کے بال اٹھائیں گی اور ان کے سر کی مانگ سے ایسی روشنی نکلے گی، جو ساری دنیا کو چمکا دے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے سر پر جو دوپٹہ اوڑھائے گا۔ "ولنسیفھا علی رؤسا" آپ نے فرمایا، اگر وہ آسمان میں بیٹھ کر یوں دوپٹے کو لہرا دے تو ساری کائنات میں خوشبو پھیل جائے۔

............جاری ہے

ملائکہ کی تسبیح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عسرت کی شکایت کی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ملائکہ کی تسبیح پڑھا کرو۔" چند روز بعد وہ شخص دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اتنا عطا کیا کہ رکھنے کی جگہ نہیں۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم O

☆......☆......☆

قبولیت کے لئے کلمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص یہ کہہ کر دُعا شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے سن لیا تو حاجت بیان کر۔"

یا ارحم الرحمین! یا ارحم الرحمین! یا ارحم الرحمین

☆......☆......☆

حضرت حسنؓ سے ایک مہمان کی ملاقات

حضرت حسنؓ کے یہاں ایک مہمان آیا، اس نے کھانے کے بعد شربت طلب کیا، حضرت حسنؓ نے دریافت کیا، آپ کو کون سا شربت درکار ہے؟ مہمان نے جواب دیا کہ "وہ شربت جو نہ ملنے کے وقت جان سے زیادہ قیمتی اور مل جانے کے وقت نہایت کم قیمت ہوتا ہے۔ حضرت حسنؓ نے نوکر سے فرمایا کہ مہمان پانی مانگتا ہے۔" حاضرین کو آپ کی ذہانت پر حیرانی ہوئی۔

(انتخاب:......میمونہ بنت عبدالحق، میرپور خاص)

اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناقابلِ معافی جرم

مفتی محمد ساجد میمن



مغربی قومیں جو بظاہر روادار، انسان دوست اور تہذیب کی علم بردار سمجھی جاتی ہیں اور دوسروں کے گھروں میں حقوق کی حفاظت کا تو گویا انہوں نے ٹھیکا لے رکھا ہے لیکن یہ حقیقی تصویر نہیں بل کہ تصویر کا ایک رخ ہے جس پر خوبصورت اور دبیز غلاف چڑھا ہوا ہے۔ مغربی اقوام کا باطن، ظاہر سے متصادم ہے، ان کا باطن، اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف بغض وعناد اور کدورت سے بھرا ہوا ہے، اگرچہ انہیں اپنی اس اندرونی کیفیت کو چھپانے کا بڑا ملکہ حاصل ہے لیکن جیسے برتن لبریز ہونے کے بعد چھلک ہی پڑتا ہے، اسی طرح ان کے حقیقی ارادے وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی شکل میں سامنے آہی جاتے ہیں، دشمنانِ اسلام کی اس نفسیات اور کیفیت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون﴾ (آل عمران، ۱۱۸)

یعنی "بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ ان کے سینوں نے چھپایا ہوا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، ہم نے احکام کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے بشرطیکہ تم لوگ دانائی سے کام لو۔"

قرآنِ کریم میں بیان کردہ یہ حقیقت اس وقت واضح ہوگئی جب 11/9 کی گیارہویں برسی کے موقع پر "Innocenec of muslims" نامی اشتعال انگیز فلم جاری کی گئی، جس میں العیاذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو نشانہ بنا کر سوا ارب مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا گیا ہے۔

رپورٹ کے مطابق مذکورہ گستاخانہ فلم ایک امریکی شہری "سیم بیسائل" نامی یہودی نے عطیہ دہندگان کی جانب سے دی گئی رقم سے بنائی ہے، اس مقصد کے لئے اسے 50 لاکھ امریکی ڈالر ملے تھے۔ "سیم" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اسرائیلی نژاد ہے اور اس فلم کے بنانے میں اسے بعض مصری تارکین کی مدد حاصل تھی۔ جون کے آخری ہفتے میں یہ فلم ہالی وڈ کے ایک چھوٹے سے سینما میں دکھائی گئی تھی، جسے بہت کم لوگوں نے دیکھا۔ پہلے اس فلم کا نام "Innocence of Osama" رکھا گیا، مگر عربی میں اس کی ڈبنگ کے بعد اس کا نام تبدیل کردیا گیا۔

B.B.C کے مطابق یہ فلم نہایت بھونڈے طریقے

سے بنائی گئی ہے، اداکاری بہت خراب اور کہانی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس فلم میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اشتعال انگیز کلمات اداکاروں نے ادا نہیں کیے، بلکہ یہ ڈائیلاگز ڈبنگ کے ذریعے فلم میں شامل کیے گئے ہیں۔

امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا یہ پہلا واقعہ نہیں، بلکہ اس سے پہلے بھی کئی واقعات رونما ہو چکے ہیں، اور اب آئے دن ان واقعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ملعون سلمان رشدی کی ''شیطانی آیات'' سے لیکر ٹیری جونز کی "Innocence of muslims" تک ایک عشرے کے مختصر عرصے میں توہین اور گستاخی کے بے شمار واقعات رونما ہوئے، جن میں سے کچھ تو لوگوں کے علم میں آئے لیکن ایک بڑی تعداد ایسے واقعات کی بھی ہے جو کسی بھی وجہ سے یا تو علم میں نہیں آئے یا اگر آئے بھی تو ان پر بوجوہ کوئی بڑا ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ مغربی اخبارات میں وقتاً فوقتاً ایسے مضامین اور کارٹونز شائع ہونا معمول بن گیا ہے جن سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔

گستاخانہ فلم پر مسلمانوں کی جانب سے جو ردِعلم سامنے آیا ہے وہ فطری ہے، ایک مسلمان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت ومحبت جذباتی نظریہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ اس کے ایمان کا جز اور اس کے دین کا حصہ ہے۔ کوئی بھی مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتا اور اگر اس گستاخی کو برداشت کر لے تو وہ مومن اور مسلمان نہیں رہتا۔

امریکہ اور یورپ نے مادی ترقی کی معراج کو پالیا ہے، انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ جانوروں کے تحفظ کیلئے بھی قوانین مرتب کیے گئے ہیں جن کی رو سے جانوروں کو اذیت دینے والے قابل سزا ہیں، ''ہولو کاسٹ'' کے خلاف لکھنا قانوناً جرم ہے، مگر اس کے برعکس ان ممالک میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی توہین، جس سے دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات مشتعل اور انہیں اذیت ہوتی ہے، کے خلاف کوئی قانون موجود نہیں اور مجرم بھی ناقابلِ سزا ہیں۔ اور جب بھی ایسے مواقع پر مسلمانوں کی جانب سے صدائے احتجاج بلند کی جاتی ہے اور مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو مغربی ممالک کی جانب سے اظہار آزادی رائے کا شوشہ چھوڑ کر بات کو دبا دیا جاتا ہے، حالاں کہ اگر دیکھا جائے تو دنیا کے کسی بھی قانون اور دستور میں ''آزادی مطلق'' کا حق نہیں دیا گیا، بل کہ ''آزادیٔ اظہار رائے'' کو مشروط کیا گیا کہ اس کی اسی وقت اجازت ہے جب وہ کسی کے حق اور جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ نہ بنے۔ فرانس کے آرٹیکل نمبر ۱۱ میں مذکور ہے:

''انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے، لیکن سماجی حیثیت کا تعلق مفادِ عامہ کے پیش نظر کیا جائے گا۔''

اور آرٹیکل نمبر ۴ میں لکھا ہے: ''آزادی کا حق اس حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک کہ اس سے کسی دوسرے شخص کا حق متاثر یا مجروح نہ ہو اور ان حقوق کا تعین بھی قانون کے ذریعہ کیا جائے گا۔''

جرمنی کے آئین کے آرٹیکل نمبر ۵ میں کہا گیا ہے:

''ہر شخص کو تحریر، تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے۔'' مگر اس کے ذیلی آرٹیکل نمبر ۲ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ''یہ حقوق شخصی عزت وتکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کیے جا سکیں گے۔''

امریکی دستور میں بھی مطلق آزادی کا کوئی تصور نہیں، امریکن سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق دستور میں ایسی تحریر اور تقریر کی اجازت نہیں جو عوام میں اشتعال انگیز یا امن عامہ میں خلل اندازی کا سبب بنے یا اس سے اخلاقی بگاڑ پیدا ہو، ریاست کو ایسی آزادی سلب کرنے کا اختیار دیا گیا، اسی طرح آزادیٔ مذہب کے نام پر توہین مسیح کے ارتکاب کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

ایسے میں قانونی حوالے سے اس کا جواز کیونکر ہو سکتا ہے کہ کائنات کی سب سے بزرگ ہستی کی توہین کی جائے، جو دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے اربوں مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ بنتی ہے!!

حقیقت یہ ہے کہ ناموس رسالت پر حملوں کے اس طرح کے افسوس ناک واقعات، عیسائی دنیا کی اس پرانی اسلام دشمنی کا نتیجہ ہیں جو صدیوں سے قائم ہے اور قرب قیامت تک قائم رہے گی، پیغمبر اسلام اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ، اس کے متعصبانہ خمیر میں شامل ہے اور اس کے لئے انہوں نے بڑے بڑے ادارے قائم کیے ہیں جن کے تحت ہزاروں افراد کام کر رہے ہیں، یہ لوگ صدیوں سے اسلام کے قلعے پر علمی، عملی اور سائنسی محاذوں سے حملہ آور ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اس قلعے میں شگاف پڑے، انہیں معلوم ہے کہ دین اسلام ہی ان کی ظاہری چمک دمک والی لیکن اندر سے کھوکھلی اور فرسودہ تہذیب کو کارزار حیات میں شکست وریخت سے دوچار کر کے مٹا سکتا ہے کہ وہی ایک زندہ جاوید اور قیامت تک رہنے والا دین برحق ہے......

دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے پیغمبر اسلام کی شان میں اس بھیانک گستاخی سے بڑھ کر کوئی اور بڑا سانحہ نہیں ہو سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ مسلم امہ گستاخانہ فلم کے خلاف مشترکہ حکمتِ عملی تیار کرے اور او آئی سی کے پلیٹ فارم سے اس مسئلے کو اٹھائے۔ امریکہ اور یورپی ممالک کو چاہیے کہ وہ اپنے رویوں پر غور کریں اور اگر وہ مسلم دنیا میں خیر سگالی کی فضا کے خواہشمند ہیں تو ایسی قانون سازی کریں جس کی رو سے کسی مذہب یا پیغمبر کی توہین کو قابلِ سزا جرم قرار دیا جائے، اگر ایسا نہ کیا گیا اور ان ممالک کے شدت پسند عناصر مسلمانوں کے جذبات مشتعل کرتے رہے تو ان ممالک کو مزید ہلاکت خیز کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مسلم امہ کو بھی چاہیے کہ وہ سماجی رابطے کی ویب سائٹ یوٹیوب کا بائیکاٹ کریں کیونکہ توہین آمیز فلم کے خلاف مسلمانوں کے شدید احتجاج کے باوجود یوٹیوب انتظامیہ اس فلم کو اپنی سائٹ سے ہٹانے کو تیار نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ امریکی ومغربی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں، ستاون اسلامی ممالک متحد ہو کر امریکی کمپنیوں کے ٹھیکے منسوخ کر دیں تو ان یہود ونصاریٰ کے شودہ طبق روشن ہو جائیں گے، اور آئندہ کے لیے اس قسم کی غلطی کا ارتکاب کا سوچیں گے بھی نہیں۔

آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ کے مضمون ''جرم توہین رسالت'' سے ایک اقتباس، جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ انبیاء کرام کی شان میں گستاخی، یہ صرف پہلی بار نہیں، بل کہ اس سے پہلے بھی اقوام عالم میں ایسی قومیں گذری ہیں جنہوں نے انبیائے کرام کی شان میں گستاخی کی اور انجام کار ذلت اور رسوائی سے دوچار ہوئے۔ حضرت لکھتے ہیں:

''جہاں تک مغرب اور کفریہ طاقتوں سے دلائل کی روشنی میں مکالمے کا تعلق ہے، تو یہ بات اپنی جگہ بے غبار ہے کہ ان کا رویہ عناد اور دشمنی پر مبنی ہے اور ایک عناد اور کینہ رکھنے والا دشمن، دلائل سے کبھی متاثر نہیں ہوتا، اس کے پاس اگر طاقت ہوتی ہے تو دلائل کا ٹکسال بھی اس کا اپنا ہوتا ہے اور خیر وشر کے پیمانے بھی وہ خود بناتا اور بگاڑتا ہے...... ہاں اہل اسلام کا یہ فریضہ ضرور ہے کہ وہ انسانیت کی ابدی صداقتوں کی روشنی میں حق اور حقیقت کو اجاگر کریں، خیر وشر اور نیکی اور بدی کے صحیح پیمانوں کا تعارف کرائیں اور داعیانہ اسلوب میں واضح کریں کہ کائنات کی مقدس ترین ہستی کی شان میں گستاخی صرف مسلمانوں کے جذبات مجروح ہونے کا سبب نہیں بلکہ یہ اہانت آمیز رویہ اختیار کرنے والی ان قوموں کے لئے دنیا اور آخرت کی بربادی اور تباہی کا ذریعہ بھی ہے، قرآن کریم نے اپنے بلیغ اسلوب بیان میں جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ولقد استھزیٔ برسل من قبلک فحاق بالذین سخروا منھم ما کانوا بہ یستھزءون﴾ (الانعام: ۱۰)

”اور بلاشبہ آپ سے پہلے رسولوں سے بھی ہنسی کرتے رہے، پھر گھیر لیا، ان ہنسی کرنے والوں کو اس چیز نے جس پر ہنسا کرتے تھے۔“

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ استہزاء کرتے تو انبیاء ان کو عذاب سے ڈراتے لیکن وہ اس عذاب کا بھی تمسخر اڑاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی عذاب میں مبتلا کیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اس آیت مبارکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو طرح سے تسلی دی گئی ہے، ایک تو انبیاء سابقین کے ساتھ بھی کفار کے استہزاء کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کو ان حالات سے دو چار ہونا پڑا ہے لہٰذا آپ کفار کی تمسخر آمیز فرمائشوں سے دارو گیر نہ ہوں، برابر اپنے دعوتی پروگرام کو آگے بڑھاتے رہئے اور آیت کے دوسرے حصے میں بتایا کہ ایسے بد بخت اور موذی لوگوں سے متعلق سنت اللہ بھی یہ رہی ہے کہ ان کو کچھ مہلت دینے کے بعد بالآخر دنیا ہی میں عذاب الٰہی سے دو چار ہونا پڑا ہے اور اپنے انجام بد کو وہ پہنچے ہیں، مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار میں سے جو لوگ آپ کا زیادہ مذاق اڑایا کرتے تھے ان میں ولید بن مغیرہ، عاصم بن وائل، اسود بن عبدالمطلب، اسود بن عبدالیغوث اور حارث بن قیس پیش پیش تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تشریف فرما تھے کہ جبرئیل امین تشریف لائے اور ان پانچوں میں سے ہر ایک کے مختلف اعضاء کی طرف اشارہ کیا جو ان کی ہلاکت کا سبب بنا۔

ایک دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ہے:

﴿ولقد استھزیٔ برسل من قبلک فاملیت للذین کفروا ثم اخذتھم فکیف کان عقاب﴾ (الرعد: ۳۲)

سنہری باتیں

☆......عقل مند اور بیوقوف دونوں میں کچھ نہ کچھ عیب ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ عقل مند اپنے عیب خود دیکھتا ہے اور بیوقوف کے عیب دنیا دیکھتی ہے۔

☆......جو لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، وہ شکوہ نہیں کرتے۔

☆......اگر آج کا رزق تم پر تنگ ہے تو کل تک صبر کر، شاید کہ زمانے کے مصائب تجھ سے دور ہو جائیں۔

☆......زندگی کے آدھے غم انسان دوسروں سے غلط توقعات وابستہ کر کے خریدتا ہے۔

☆......پوشیدہ طور پر دیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھاتا ہے۔

☆......اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، وہ انسان کو اس وقت ملتا ہے جب وہ اکیلا ہوتا ہے۔

(انتخاب:......قاری محمد رؤف بھٹی)

”اور بہت سے پیغمبر آپ سے پہلے گزر چکے ہیں بلاشبہ ان کا مذاق اڑایا گیا، میں نے ان کو مہلت دی، پھر ان کو پکڑ لیا، سو ان کا عذاب کس قدر دردناک تھا!“

اس لئے فخر موجودات حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے، انسانیت کے مجرموں پر اس حقیقت کو بار بار واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی اہانت و بے احترامی، ان کی دنیوی اور اخروی تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے، اللہ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں، اس کی پکڑ آئے گی اور ضرور آئے گی پس اقوام و مال کی تباہی کی تاریخ سے ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا!!

☆......☆......☆

خلیفۂ مظلوم

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا مفتی محمد نعیم صاحب

صحابہ ان مقدس ہستیوں کو کہا جاتا ہے، جنہوں نے حالت ایمان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت (اگرچہ ایک لمحہ کے لئے ہو) پائی اور ان کی وفات بھی حالت ایمان پر ہوئی ہو۔

(مقدمہ ابن الصلاح، نخبۃ الفکر، اسد الغابہ)

صحابہ کرامؓ کا مقام:......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس مقدس گروہ کا نام ہے، وہ امت کے عام افراد کی طرح نہیں، بلکہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان ایک مقدس واسطہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص مقام اور عام امت سے امتیاز رکھتے ہیں۔ یہ مقام اور امتیاز ان کو قرآن و سنت کی نصوص و تصریحات کا عطا کیا ہوا ہے اور اسی لئے اس پر امت کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ سچے، عادل اور نمونہ ہدایت ہیں۔ اس اجماعی عقیدے کو تاریخ کی روایات کے انبار میں گم نہیں کیا جا سکتا۔ محققین کا قول ہے کہ اگر کوئی روایت ذخیرہ حدیث میں بھی ان کے اس مقام اور شان کے خلاف نظر آتی ہو تو اسے بھی قرآن و سنت کی نصوص واضحہ اور اجماع کے مقابلہ میں متروک تصور کیا جائے گا۔ ویسے بھی صحابہ کرامؓ کے مقام کو تاریخ کی روشنی میں جانچنا ایسا ہے، جیسے ہیرے کا وزن لکڑی کے ٹال والے سے کروایا جائے۔ اس بات میں کوئی دورائے نہیں کہ صحابہؓ تاریخی نہیں، قرآنی شخصیات ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ بنی آدم میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت میں صحابہ کرامؓ ہی کا درجہ ہے۔

حضرت صحابہ کرامؓ اگرچہ معصوم نہیں ہیں، مگر ان سے جو بھی کام ان کے اپنے شایان شان نہیں تھے اور ان سے صادر ہو گئے تھے، وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما کر انہیں اپنی رضا کا پروانہ عطا فرما دیا ہے۔ قرآن و سنت میں موجود صحابہ کرامؓ کے فضائل کا تقاضا یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو تنقید کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ بلکہ حضرات صحابہؓ کا ذکر صرف خیر ہی کے ساتھ کیا جائے۔ اس لئے کہ ان پر تنقید نبی علیہ السلام کے تزکیۂ نفوس پر اعتراض ہے۔ صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے والے مصنفین کے بارے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

”دور حاضر کے بہت سے محقق تو اہل سنت والجماعت کے مسلک سے خارج ہونے کو کوئی بری بات ہی نہیں سمجھتے اور بعض لوگ اہل سنت والجماعت سے اپنی

نسبت کاٹنے کو پسند نہیں کرتے، لیکن پھر بھی حضرات صحابہ کرام اجمعینؓ کے خلاف کتابیں لکھتے ہیں، ان دونوں قسم کے محققین میں کوئی حضرت عثمانؓ پر کیچڑ اچھال رہا ہے اور کوئی حضرت معاویہؓ کو ہدف ملامت بنا رہا ہے۔" مزید لکھتے ہیں:

"آج کل کے جو مصنفین اپنی تحقیق کے جوہر اس میں دکھاتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کو مطعون کریں اور ان کی لغزشوں کو جمع کریں، یہ لوگ اگرچہ یوں نہیں کہتے کہ ہم دشمنان اسلام ہیں، لیکن دشمنوں کے ہاتھ میں موجود تاریخ کی کتابوں (جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا) سے مواد تلاش کرکے ہتھیار دے رہے ہیں اور دین کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں مددگار ثابت ہورہے ہیں، چونکہ ان لوگوں نے دین اور علم دین اسلامی ذہن رکھنے والے اساتذہ سے حاصل نہیں کیا، صرف مطالعہ کا علم رکھتے ہیں اور قرآن وحدیث کی نصوص سے بے خبر ہیں یا قصداً قرآن وحدیث کی تصریحات کو دیکھنے سے گریز کرتے ہیں، تاکہ ان کے "محقق اور ناقد" ہونے پر اثر نہ پڑے، اس لئے آزادی کے ساتھ جو چاہتے ہیں، لکھ دیتے ہیں، جب ان کو احساس دلایا جاتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تاریخ کی کتابوں میں دیکھ کر لکھا ہے، حالانکہ تاریخ کی کتابیں ہر قسم کی رطب ویابس سچی، جھوٹی باتوں اور روافض وخوارج کی روایتوں سے بھرپور ہیں، ان پر اعتماد کرنا کس طرح بھی درست نہیں۔"

(فضائل صحابہ صفحہ ۶ تا ۱۰، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

صحابہؓ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے:......صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے:

(۱)......رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میں اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

ولی لغت میں "محبت کرنے والا دوست، مددگار، پڑوسی، حلیف، تابع، ہر وہ شخص جو کسی کام کے منتظم ہو، موسم بہار کی بارش کے بعد دوسری بارش" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (مصباللغات ص 967) یہاں ولی سے دوست مراد ہے۔

(۲)......فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے صحابہؓ کو برامت کہو، کیونکہ قسم اس ذات پاک کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو ثواب کے اعتبار سے ان میں سے کسی کے ایک مد (68 تولے تقریباً کا ایک مد ہوتا تھا) اور اس کے آدھے کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ (بخاری ومسلم)

(۳)......رسول اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ان کو میرے بعد (برا کہنے اور طعن وتشنیع کا) نشانہ مت بنالینا، جس نے ان سے محبت کی تو میری وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھا اور جس نے ان کو تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی، اس نے اللہ کو تکلیف دی (یعنی تکلیف دینے والا کام کیا) اور جس نے اللہ کو تکلیف دی، عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی گرفت فرمائے گا۔ (ترمذی)

امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب الکبائر میں اس نوع کی متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ "لہٰذا جو شخص صحابہؓ پر طعن کرے یا ان کو برا کہے، وہ دین سے نکل گیا اور مسلمانوں کی ملت سے خارج ہوگیا۔ کیونکہ ان حضرات پر طعن کرنا صرف اسی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ ان کے بارے میں برائیوں کا اعتقاد رکھا جائے اور ان کی طرف سے دلوں میں کینہ پوشیدہ ہو اور اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب میں جو ان کی تعریف فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کے فضائل ومناقب بیان کئے ہیں، ان سب کا انکار کیا جائے۔"

(کتاب الکبائر للذہبیؒ، بحوالہ فضائل صحابہ صفحہ ۱۶ تا ۲۰)

ایسی مقدس جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو بھی عطا نہیں ہوئی، ہر ہر صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، اس پاکیزہ جماعت کے ایک مہتمم بالشان فرد تیسرے خلیفۂ راشد سیدنا عثمان غنی ذی النورینؓ بھی ہیں، انہیں ۱۸ ذی الحجہ کو شہید کردیا گیا، ان کی زندگی کا ایک مختصر جائزہ اس عجالۂ نافعہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ولادت:......حضرت عثمانؓ کی پیدائش عرب کے مشہور شہر مکہ معظمہ میں ہوئی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت (عام الفیل) کے چھ سال کے بعد 76ء میں پیدا ہوئے۔

نام ونسب:......عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس اموی قریشی۔ (ابن عساکر بحوالہ حضرت عثمان ذی النورین صفحہ ۲۵)

القاب:......(۱) آپ کا ایک لقب ذی النورین ہے، ذی النورین کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نکاح میں نبی علیہ السلام کی یکے بعد دیگرے دو شہزادیاں آئیں، پہلے آپ کے نکاح میں حضرت رقیہؓ تھیں، جب ان کا انتقال ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثومؓ کا نکاح آپ کے ساتھ کردیا۔ حضرت ام کلثومؓ بھی چھ سال بعد وفات پاگئیں۔ حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میری چالیس (اور ایک روایت کے مطابق سو) بیٹیاں بھی ہوتیں اور وہ یکے بعد دیگرے انتقال کرتی رہتیں تو بھی میں اپنی بیٹیوں کو یکے بعد دیگر عثمان کے نکاح میں دیتا رہتا۔

آپ رضی اللہ عنہ اس شرف کی وجہ سے ذی النورین کہلاتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ بھی کہی جاتی ہے کہ آپ نے دو دفعہ ہجرت کی، ایک حبشہ کی طرف، دوسری مدینہ کی طرف، اس لئے آپ ذی النورینؓ کہلائے۔ اصل وجہ یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شادی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں سے یکے بعد دیگرے ہوئی اور اولاد آدم میں کسی شخص کو بھی یہ اعزاز میسر نہیں کہ دو بیٹیاں کسی نبی کی اس کے عقد میں آئی ہوں۔

(۲)......ایک لقب آپ کا غنی بھی ہے، وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے فیاض طبع بھی بنایا تھا، چنانچہ آپ نے اپنی فیاضی اور اپنے مال ودولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا، جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔ (حضرت عثمان ذی النورین)

حلیہ مبارک:......آپ کا قد درمیانہ تھا، چہرے پر چیچک کے ہلکے داغ تھے، رنگ گندمی ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ حسن وجمال کا پیکر تھے، داڑھی گھنی اور لمبی تھی، اس کو زرد خضاب سے رنگین رکھتے تھے، جوڑ بڑے بڑے اور مضبوط تھے، ہڈی چوڑی تھی، سر پر بال گھنے اور گھونگریالے تھے، دونوں شانوں میں زیادہ فاصلہ تھا، جلد مبارک نرم تھی، دانت بہت خوبصورت تھے۔ (ابن عساکر)

فضائل قرآن مجید کی روشنی میں:......(۱) اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ:......"بالتحقیق اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے تک جہاد کرنے کی) بیعت کررہے تھے، سو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا، اللہ کو معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل فرمادیا اور ان کو لگے ہاتھ ایک فتح دے دی۔" (پارہ ۲۶ سورۃ فتح آیت ۱۸)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی، جب یہ افواہ اڑی کہ قاصد رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ نے شہید کردیا ہے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 1400 صحابہ کرامؓ سے بیعت لی کہ جب تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہیں لیں گے، واپس نہیں جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ

قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے اس بیعت پر تمام صحابہؓ کو رضا کا پروانہ عطا فرمایا۔

ترجمہ:......''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔'' (سورۃ فتح آیت ۱۰)

اس کے علاوہ خلفائے راشدین، سابقون الاولون، کاتبین وحی، مہاجرین صحابہؓ مجاہدین صحابہؓ اہل بدر صحابہؓ اور عام صحابہؓ کے حوالے سے جنتی آیات ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سب کا بھی مصداق ہیں، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ راشد ثالث اور سابقون الاولون صحابہ کرامؓ میں سے تھے، دوبار دین کی خاطر ہجرت فرمائی اور ہر جہاد میں پیش پیش رہے۔ (تفصیلات کیلئے اس موضوع پر بڑی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے)

فضائل احادیث طیبہ کی روشنی میں:......(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عثمان رضی اللہ عنہ میری امت میں سب سے زیادہ حیادار اور سخی ہے۔'' (ابونعیم) اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا اور سخاوت کی تعریف فرمائی ہے۔

(۲)......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن عفان دنیا و آخرت میں میرے دوست ہیں۔ (ابویعلی)

(۳)......ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین صحابہ کرامؓ کے درمیان میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اپنے برابر اور دوست و ساتھی کی طرف اٹھ کر چلے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے، ان سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا: تم دنیا و آخرت میں میرے دوست ہو۔ (ابن ماجہ)

(۴)......حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق جنت میں عثمانؓ ہے۔ (ترمذی شریف)

(۵)......حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اول شب سے طلوع فجر تک حضرت عثمانؓ کے لئے ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرتے رہے اور فرماتے تھے۔ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی عثمانؓ سے راضی ہو۔ (البدایہ والنھایہ جلد ۷ صفحہ ۲۱۲)

اس کے علاوہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔

فضائل صحابہ کرام کی نظر میں:......(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: امت میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ ڈرنے والے سیدنا حضرت عثمانؓ ہیں۔

(۲)......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ملاء اعلیٰ (یعنی فرشتوں کے مجمع) میں ذوالنورین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

(۳)......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس امت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں، پھر عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۴)......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہم سب سے افضل تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر بڑے افسوس سے فرمایا: اے لوگو! اب تم پر ہمیشہ تباہی رہے گی۔

(۵)......حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے اولیٰ اور افضل سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ (حضرت عثمان ذی النورین صفحہ ۲۷۸،۲۷۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت:......اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خوب مال عطا فرمایا تھا اور وہ اس مال میں سے بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے، اس

لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو غنی کا لقب عطا فرمایا، ان کی سخاوت کے بے شمار واقعات ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱)......جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہاں کا پانی انہیں موافق نہیں آیا اور لوگوں کو پیٹ کی تکلیف رہنے لگی، شہر کے باہر میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جس کو بیر رومہ کہتے تھے، اس کا مالک ایک یہودی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کنواں خرید لیا جائے تاکہ سب مسلمان اس کا پانی استعمال کریں، لیکن سوال یہ تھا، اس کی قیمت کہاں سے آئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ جو شخص بیر رومہ کو خریدے گا، اس کے لئے جنت ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور کنواں خریدنے کے لئے یہودی سے بات چیت کرنے گئے، یہودی نے کہا، میں کنواں الگ نہیں کرسکتا، کیونکہ میری کھیتی باڑی اور کھانے پینے کا سب دارو مدار اس پر ہے، تمہاری خاطر اس کا آدھا پانی قیمت سے دے سکتا ہوں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بارہ (۱۲) ہزار درہم میں آدھا پانی خرید کر وقف عام کردیا، ایک دن یہودی پانی لیتا اور ایک دن مسلمان لیتے، مسلمانوں کی باری آتی تو وہ دو دن کا پانی نکال لے جاتے، اگلے روز یہودی کے پاس کوئی نہ جاتا اور وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہتا، اس سے یہودی مجبور ہوگیا اور اس نے آٹھ (۸) ہزار درہم مزید لے کر سارا کنواں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کردیا۔

(۲)......مسجد نبوی کی توسیع کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: وہ کون ہے، جو فلاں مویشی خانہ کو خرید لے اور ہماری مسجد کے لئے وقف کردے، تاکہ اللہ اس کو بخش دے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس (۲۰) یا پچیس (۲۵) ہزار درہم میں یہ زمین کا ٹکڑا خرید کر مسجد نبوی کے لئے وقف کردیا۔

(۳)......شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں سالم بن عبداللہ بن عمر کی ایک روایت نقل کی ہے کہ تبوک کے سفر میں جتنی بھوک پیاس اور سواری کی تکلیف در پیش آئی، اتنی کسی دوسرے غزوے میں نہیں آئی، دوران سفر ایک مرتبہ کھانے پینے کا سامان ختم ہوگیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مناسب سامان اونٹوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا، اونٹوں کی تعداد اتنی کثیر تھی کہ ان کی وجہ سے دور سے تاریکی نظر آرہی تھی، جس کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تمہارے واسطے بہتری آگئی ہے، اونٹ بٹھائے گئے اور جو کچھ ان پر لدا تھا، اتارا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: ''میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوں، اے اللہ! تو بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوجا۔'' یہ فقرہ حضور نے تین مرتبہ فرمایا: پھر صحابہ کرامؓ سے کہا تم بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرو۔ (ازالۃ الخفاء)

(۴)......حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں دوبار مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مزید توسیع کی، اپنی خلافت کے دوسرے سال ۲۶ھ میں اور پھر ۲۹ھ میں دوسری مرتبہ تراشیدہ پتھروں سے اس کی تعمیر کی، ستون پتھر کے بنوالئے اور چھت میں ساگوان لگوایا، اسی طرح آپؓ نے مسجد الحرام کی بھی توسیع و مرمت کروائی۔

(۵)......حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو ایک اونٹ ذبح کرا کر اس کا گوشت راہ خدا میں غربا کو تقسیم کرتے تھے۔

(۶)......آپ حج کے موقع پر ۸ ذیقعدہ کو منیٰ میں اپنی طرف سے تمام حجاج کے کھانے کی دعوت فرماتے تھے۔

(۷)......آپ رمضان شریف میں اپنی طرف سے متعدد مقامات مثلاً حرم کعبہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بغداد وغیرہ میں کھانے کا انتظام فرماتے تھے۔

(بحوالہ حضرت عثمان ذی النور صفحہ ۲۴)

یہ تو چند ایک واقعات تھے، تفصیلات کے لئے بڑی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

خلافت:.....لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے آپ سے درخواست کی کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کردیں، پہلے تو آپ تیار نہ ہوئے، مگر لوگوں کے زور دینے پر آپ نے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنادی، وہ یہ تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے) فرمایا کہ ان میں کسی ایک شخص کو منتخب کرکے امیر بنالو۔

مقدادؓ بن اسود کو حکم دیا کہ جب مجھے دفن کرکے فارغ ہوجائیں تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا، تاکہ یہ اپنے آپ میں سے کسی کو امیر منتخب کرلیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو رائے دینے کے لئے بلالینا، لیکن امارت سے ان کو کوئی سروکار نہ ہوگا۔ فیصلہ کثرت رائے سے ہو، چنانچہ ان حضرات نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دیا کہ وہ جسے چاہیں خلیفہ مقرر کردیں، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء سے ہوئی۔ جس آزاد طریقہ سے بلا جبر و اکراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب خلافت ہوا، اس کی مثال دنیائے اسلام میں نہ اس سے قبل اور نہ بعد میں ملتی ہے، آپ کو عوام نے کھلے طور پر بھی منتخب کیا اور نامزد کمیٹی کے فیصلہ کی تائید کی، بیعت خلافت سے کسی شخص نے بھی انکار نہیں کیا بلکہ بیعت کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم نے اپنے میں سے افضل ترین شخص کی بیعت کی اور ہم نے (افضل کے انتخاب میں) کوتاہی نہیں کی۔''

دور عثمانی رضی اللہ عنہ کے نمایاں کارنامے

(۱).....اسلام میں اول وقف عام مسلمانوں کے لئے بیر رومہ خرید کر کیا۔

(۲).....بیت المال سے مؤذنین کیلئے وظائف کا تقرر فرمایا۔

(۳).....پولیس کا محکمہ قائم فرمایا۔

(۴).....تمام مسلمانوں کو ایک قرأت پر متفق کیا، اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ ''جامع القرآن'' بھی کہلاتے ہیں۔

(۵).....جگہ جگہ ضرورت کے تحت سڑکیں اور پل تعمیر کرائے۔

(۶).....مفتوحہ علاقوں اور ملکوں میں مساجد اور دینی مدارس قائم کئے۔

(۷).....ملک شام میں سمندری جہازوں کے بنانے کا کارخانہ قائم کیا، جہاں لبنان کے جنگلات سے لکڑی لائی جاتی تھی۔

(۸).....مدینہ کو سیلاب سے بچانے کیلئے ایک بند تعمیر کرایا۔

(۹).....جگہ جگہ پانی کی نہریں نکلوائیں، مدینہ اور دوسرے شہروں میں نئے کنوئیں کھدوائے، غرض تعمیرات عامہ کے پیش نظر دوسرے شہروں میں بھی سرکاری عمارتیں، سڑکیں وغیرہ تعمیر کرائیں، آپ رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے بہت کام کرائے۔

(۱۰).....عرب میں اسلام سے پہلے سونے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکے رائج تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت میں یہی سکے چلتے تھے، جب ایران فتح ہوگیا تو ۱۸ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ایرانی سکوں کے نمونوں پر مختلف وزن کے درہم ڈھالے گئے اور نقش میں تبدیلی کردی گئی، کسی پر لا الہ الا اللہ اور کسی پر محمد

رسول اللہ اور کسی پر صرف عمر رضی اللہ عنہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو درہم و دینار ڈھالے گئے، ان کا نقش ''اللہ اکبر'' تھا۔

شہادت کے اسباب:.....کوفہ کی ایک جماعت، جس میں اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جندب، صعصعہ ابن الکواء، کمیل اور عمیر بن ضابی وغیرہ خاص طور پر شامل تھے، ان کا خیال تھا کہ ملک کی امارت اور سیاست پر صرف قریش کا حق نہیں، دوسرے مسلمانوں نے بھی ملک فتح کئے ہیں، اس لئے وہ بھی اس کے مستحق ہیں، اسی طرح بصرہ میں بھی ایک سازشی جماعت تھی، مفسدین کا سب سے بڑا مرکز مصر تھا، جہاں ایک یہودی النسل نو مسلم عبداللہ بن سبا نے الگ فرقہ بنایا ہوا تھا، یہ سب گروہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے اور بنوامیہ کے خاتمے پر متفق تھے، عبداللہ بن سبا نے ان سب جماعتوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر متحد کردیا، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا کہ انہوں نے تمام گورنروں کو مدینہ منورہ میں طلب کیا اور مجلس شوریٰ بلائی گئی، جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختصر تقریر کے بعد سب کی رائے طلب کی، ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لئے وفود روانہ کئے، تمام ملک میں ہنگامی اعلان جاری کیا کہ جس کسی کو گورنر سے شکایت ہو، وہ حج کے موقع پر خلیفہ سے بیان کرے، حج سے چند دن پہلے بصرہ، کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے آپس میں طے کرکے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کے روپ میں مدینہ منورہ کا رخ کیا، شہر سے باہر قیام کرکے اپنے چند سر کردہ افراد کو باری باری حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ (تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مفسدین کے اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو راضی کرکے واپس بھیج دیں، میں ان کے جائز مطالبات تسلیم کرلوں گا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر وہ واپس چلے گئے، لیکن پھر بعد میں مسلح ہوکر مدینہ میں داخل ہوگئے، ان کی تعداد ۵۰۰ کے قریب تھی، اکثر صحابہؓ اور ازواج مطہرات حج پر گئے ہوئے تھے۔ جو صحابہؓ موجود تھے، انہیں بھی خلیفۂ وقت کی طرف سے مقابلے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ سخت ممانعت تھی۔

باغی انتقام انتقام کے نعرے لگا رہے تھے، انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے خلافت سے دست برداری کا بھی مطالبہ کردیا۔

آپؓ نے مفسدین سے فرمایا: ''جب تک مجھ میں جان باقی ہے، میں اس خلعت (خلافت) کو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے، خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا۔'' حضرت عثمانؓ نے خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ مسترد کردیا، تاکہ دستور اسلامی کی حفاظت ہوسکے، مفسدین نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا، جو چالیس روز سے زائد تک جاری رہا، اس عرصہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کا کھانا پینا بند کردیا اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ، حضرت علیؓ وغیرہ کو بھی یہ چیزیں نہ لے جانے دیں، باغیوں نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زید بن حارثہؓ کے علاوہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ جیسے اکابر صحابہ کی بھی ایک نہ سنی اور ساتھیوں نے جو اس وقت قصر خلافت میں ایک بڑی تعداد میں موجود تھے، جب مفسدین سے جنگ کرنے کا کہا تو فرمایا: ''میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے۔'' پھر فرمایا: ''اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لئے اپنا خون نہ بہائے۔'' گورنر شام حضرت معاویہ رضی

اللہ عنہ کی شام چلے آنے کی درخواست بھی مسترد کردی کہ میں دربارِ رسول کو نہیں چھوڑنا چاہتا، جمعرات کو آپ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہم تشریف فرما ہیں اور ان سے فرما رہے ہیں: عثمان! جلدی کرو، ہم تمہارے منتظر ہیں۔ (البدایہ والنہایہ)

شہادت:...... باغیوں کو خطرہ تھا کہ حج کے ایام ختم ہونے والے ہیں، حجاج کی واپسی کے بعد ان کے لئے اپنے مقصد کی تکمیل ممکن نہ رہے گی، چنانچہ بالآخر انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے گھر پر حملہ کردیا، حضرت زیاد، حضرت مغیرہ اور حضرت نیاز اسلمیؓ شہید ہوگئے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، محمد بن حاطبؓ، مروانؓ اور حضرت سیدنا حسنؓ جو دروازے پر متعین تھے، مدافعت میں شدید زخمی ہوئے، چار باغی دیوار سے اندر کود گئے اور آپ رضی اللہ عنہ پر پے در پے وار شروع کردیئے، آپ کی بیوی نائلہ نے آگے ہاتھ کیا جس سے ان کی بھی تین انگلیاں کٹ گئیں، بالآخر بروز جمعہ بوقت عصر روزے کی حالت میں تلاوت قرآن کے دوران ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومانہ طریقے سے خلیفہ ثالث جامع القرآن کامل الحیاء والعرفان حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریباً ۸۴ سال کی عمر میں شہادت ہوگئی۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

شہادت کے وقت قرآن مجید کھلا ہوا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ سورۃ بقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر سے فواروں کی طرح نکلنے والے خون کے پہلے قطرے کو قرآن مجید نے اپنے اندر جذب کیا اور اس آیت پر آپ کا لہو مبارک گرا۔ "فسیکفیکھم اللہ" (اور اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے لئے کافی ہوجائے گا) اور شہادت سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ آخری کلمہ نکلا۔ "بسم اللہ توکلت علی اللہ۔"

حضرت زبیرؓ یا حضرت جبیرؓ بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کے باغ میں دفن کردیئے گئے۔

حج کی کیا اہمیت ہے

زندگی میں ایک بار جن لوگوں میں استطاعت ہو، انہیں مکہ معظمہ کے نزدیک میدان عرفات میں حج کرنا فرض ہے۔ اس موقع پر ساری دنیا سے مسلمان جمع ہوتے ہیں اور اسلامی اخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حج کے بعد مسلمان گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے ابھی پیدا ہوا ہو

(انتخاب:...... فاطمہ فیصل، کراچی)

☆......☆......☆

امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ

حضرت امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا: اے پروردگار! جو اعمال بندے کو آپ سے قریب کرنے والے ہیں، ان میں سب سے بہتر اور زیادہ مفید عمل کون سا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت میں۔ ۔نے عرض کیا: یہ تقرب کا عظیم الشان فائدہ صرف اس صورت میں ہے جبکہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جاتا ہے یا عام ہے؟ ارشاد ہوا کہ سمجھ کر پڑھیں یا بلا سمجھے، وہ میرے تقرب کا خاص ذریعہ ہے۔

☆......☆......☆

ہوا میں اڑنے والے شخص کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا، میں نے پوچھا کہ آپ کو یہ مرتبہ کس عمل سے حاصل ہوا تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے اپنی خواہش کو پامال کیا، تب مجھے یہ مرتبہ ملا، یعنی ہوئی کو ترک کرنے سے ہوا کی پرواز حاصل ہوئی۔

(انتخاب:...... نازش کنول ربال)

حیا کی فضیلت

مولانا سید زوار حسین شاہؒ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:...... "حیا ایمان سے ہے اور ایمان یعنی اہل ایمان جنت میں جائیں گے اور بے حیائی بداخلاقی ہے اور برے اخلاق والے کا مقام دوزخ ہے۔"

اس حدیث شریف میں حیا کو ایمان کا جز فرمایا اور بے حیائی کو بداخلاقی قرار دیا ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے انسان کے قول میں فحش کلامی اور اخلاق میں برائی پیدا ہوتی ہے، حیا انسان کے ظاہر کا زیور اور باطن کی زیب و زینت ہے، حیا کے باعث انسان کے اندر اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور برے اخلاق کا قلع قمع ہوجاتا ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:

ترجمہ:...... "حیا ایمان کا جز ہے۔"

حیا کی اہمیت کے بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ارشادات بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں سمجھا رہا تھا، یعنی اس کو ملامت کررہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ زیادہ حیا نہ کیا کر، اس لئے کہ اس سے تو نے ہمیشہ نقصان اٹھایا ہے اور معلوم نہیں آئندہ کب تک نقصان اٹھاتا رہے گا، حیا سے آدمی رزق اور علم سے رکا رہتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری سے فرمایا:

"اپنے بھائی کو چھوڑ دو، اس لئے کہ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

امام بخاریؒ نے الادب المفرد کے باب الحیا میں اس روایت کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس میں یعاتب کا لفظ ہے، یعنی وہ انصاری اپنے خیال میں اس بھائی کو از راہ ہمدردی ایک برے کام سے منع کررہا تھا کہ اس کے خیال میں حیا ایک بری عادت تھی، اس لئے کہ غلبہ حیا کی صورت میں انسان اپنے حقوق طلب کرنے میں بھی شرم محسوس کرتا ہے، اسی لئے نقصان اٹھاتا رہتا ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے نقصان اس کو ہوتے رہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری کے عتاب آمیز رویے کو دیکھ کر اس سے فرمایا کہ تم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور حیا کے معاملے میں اس کو سخت سست مت کہو، کیوں کہ حیا کوئی بری صفت نہیں ہے، بلکہ یہ تو اچھی صفت اور ایمان کا ایک جز ہے، جو شخص

اپنے مطالبات کے حاصل کرنے اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں حیا کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ سے کس درجے حیا کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:...... ”پہلے نبیوں کے کلام سے جو بات لوگوں تک وراثتاً پہنچی ہے، وہ یہ ہے کہ جب تجھے حیا نہیں تو جو چاہے کر۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیا برائیوں سے روکتی ہے اور جب کسی نے حیا نہ رکھی تو وہ جو کچھ چاہے گا، کرے گا، جب لوگوں سے عام طور پر حیا اٹھ جاتی ہے، بے حیائی و بے غیرتی عام ہو جاتی ہے، تو معاشرہ ہر قسم کی برائیوں کی آماج آگاہ بن جاتا ہے، جس شخص کے جی میں جو کچھ آتا ہے، کرتا ہے، نہ بڑوں کا ادب رہتا ہے، نہ برابر والوں سے مروت و لحاظ رہتا ہے اور نہ چھوٹوں سے شفقت رہتی ہے، کسی کی عزت محفوظ نہیں رہتی، جرائم کا ارتکاب عام ہو جاتا ہے، خوف خدا جاتا رہتا ہے، غنڈہ گردی پروان چڑھتی ہے، گناہ اور جرم کے ارتکاب میں بے باک ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کے مضمون کی مطابقت قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ:...... ”تم جو چاہو کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو دیکھ رہا ہے۔“

جب تم میں حیا نہیں ہے جو برائیوں سے روکتی ہے، تو پھر تم وہی راہ اختیار کرو گے، جس پر تمہاری خواہش نفس تم کو مجبور کرے گی اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے، فی الحال اس نے مہلت دے رکھی ہے اور آزادی دی ہوئی ہے کہ جو تمہاری سمجھ میں آئے، کئے جاؤ، مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں، ایک دن ان سب کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو ایک عربی شاعر نے نظم کیا، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”جب تو راتوں کے انجام سے نہیں ڈرتا اور شرم نہیں کرتا، تو جو چاہے کرتا رہ، خدا کی قسم دنیا اور دنیا کی زندگی میں کوئی خیر نہیں ہے، جب کہ حیا چلی گئی ہو، آدمی کی زندگی جب ہی تک ہے، جبکہ وہ خیر کے ساتھ زندہ ہو، کیوں کہ ٹہنی کی بقا اسی وقت تک ہے، جب تک اس کی چھال باقی ہے۔“

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:...... ”حیا بھلائی ہی کو لاتی ہے۔“

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:...... ”حیا کلی طور پر بھلائی ہے۔“

یہاں ایک اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ حیا کبھی بعض حقوق کی ادائیگی میں مخل ہوتی ہے، مثلاً امر معروف و نہی منکر وغیرہ ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو حیا حق کام میں مخل ہو، وہ شرعاً حیا نہیں ہے، بلکہ عجز اور بزدلی ہے، اس کو مجازاً حیا کہا جائے گا، ورنہ شرعاً حیا کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے باعث برائی کو ترک کیا جائے اور نفس میں برائی سے انقباض ہو، اس سے معلوم ہوا کہ حیا ایک اعلیٰ درجہ کی صفت حسنہ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اخلاق و اعمال حیا کا سراپا تھے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ترجمہ:...... ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ دار کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ناپسندیدہ امر کو دیکھتے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس سے پہچان جاتے۔“

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:...... ”ہر دین کی ایک صفت ہوتی ہے اور اسلام کی وصفت حیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حیا کی صفت سے متصف فرمائے۔ آمین ☆☆......☆☆

دربارِ نبوت کی حاضری

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ



جون ۱۹۲۷ء میں ٹھیک ان ہی دنوں میں جب بہ سلسلہ تعطیل موسم گرما فقیر اپنے وطن گیلانی (بہار) میں تھا، ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوا یا مبتلا کیا گیا جس کے خیال سے بھی دیکھنے والے شاید اب بھی کانپ جاتے ہیں، ایک مولوی اور لوگوں میں نیک نام مولوی، جامعہ عثمانیہ کا پروفیسر، دکن کا واعظ شہر، ایک پرلطف تماشا تھا کہ بجائے خون کے اس جسم میں ریم اور پیپ کا طوفان اُبلنے لگا۔ باہر سے جلد پر پھنسی کا اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا، لیکن اندر ہی اندر ایسے ایسے بڑے زخم اور پھوڑے پیدا ہو گئے، جن سے آپریشن کے بعد میں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن سنا کہ تین تین سیر تک پیپ نکلی، بخار چار پانچ ڈگری تک پہنچ جاتا تھا، اسی سے دماغ عموماً معطل رہتا تھا، حالانکہ دونوں ہاتھ، پاؤں، ران، پشت، الغرض ایک ایک عضو داغدار تھا اور ایسے داغوں سے داغدار تھا، جن کا علم دوسروں کو صرف آپریشن کے بعد ہوا، لیکن اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جوان پنہانی زخموں کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا، اس کا حال کیا ہوگا؟ مگر ”سبقت رحمتی علی غضبی“ کی شاید ایک شکل یہ بھی تھی کہ دماغی تعطل نے تکلیف کی شدت کے احساس کو ایک حد تک کند کر رکھا تھا، چالیس دن تک مختلف امراض کے شبہات و شکوک کے تحت اطباء و ڈاکٹروں کا تختۂ مشق اپنے گاؤں گیلانی ہی میں بنا رہا، مگر ایک ڈاکٹر جو بحمد اللہ! ابھی زندہ ہیں، انہوں نے ابتداء ہی میں مرض کی صحیح تشخیص کر لی تھی کہ تقیح الدم یا پامیا کی بیماری ہے۔ دوسرے اطباء اور ڈاکٹروں کو انہوں نے زبردستی الگ کر دیا اور اپنے اختیار تمیزی سے گویا یوں سمجھئے کہ انہوں نے اپنے زیر علاج ہی رکھا۔ جب یہ اندرونی پھوڑے پک گئے، تب انہوں نے مشورہ دیا کہ دیہات میں اس قسم کے پھوڑوں کا آپریشن ناممکن ہے، پٹنہ کا شہر قریب ترین شہر تھا، جہاں جنرل اسپتال کی آسانی تھی، طے کیا گیا کہ مجھے پٹنہ پہنچایا جائے، مگر ایسے بیمار کو کیسے پہنچایا جائے، جس کے دونوں ہاتھ بھی بے کار، دونوں پاؤں بھی بے کار، حتیٰ کہ پشت پر سونے کا مطلب جس کے لئے یہ تھا کہ زخموں پر پڑا رہے، ایسے بیمار کی منتقلی کا مسئلہ کافی دشوار تھا۔

ایک کھٹولے کو موٹر میں، موٹر سے ریل میں، لوگ جنازے یا تابوت کی طرح منتقل کر رہے تھے، کیول جنکشن پر ایک گاڑی سے دوسری گاڑی میں یہی کھٹولا جب قلیوں

کے کندھوں پر منتقل ہو رہا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک مرے ہوئے کتے کو پھینکنے کے لئے لوگ جا رہے ہیں۔

بہرحال پٹنہ یہی کھٹولا بیمار کے ساتھ پہنچا۔ اسپتال میں داخل ہوا، دو ڈھائی مہینے کی مدت میں سات آپریشن مختلف اعضاء پر کئے گئے، تماشا یہ تھا کہ آپریشن کر کے مواد ایک عضو سے جب ڈاکٹر خارج کرتے تھے تو دو تین دن کے وقفہ کے بعد کسی دوسرے عضو میں ٹیس اور درد کا زور شروع ہوتا، اور یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا، یہاں تک کہ ساتویں آپریشن کے بعد پاؤں کے ایک حصہ میں پھر درد اور ٹیس کی کیفیت شروع ہوئی، گویا آٹھویں آپریشن کی تمہید شروع ہو چکی تھی کہ پھر کیا ہوا؟ اسے اب کیا بتاؤں؟ بخاری شریف کی روایت جس کا حاصل یہ ہے کہ:

مر گیا ایک حبشی یا حبشیہ، لوگوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کے بغیر دفن کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تو انتقال ہو گیا، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کیوں اطلاع نہ دی گئی؟ تب لوگوں نے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس (مرنے والے مسلمان) کو ہیچ میرز قرار دیا۔ یعنی فقیر، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی قبر مجھے بتاؤ کہ کہاں ہے؟ قبر کی نشان دہی کی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کس مپرس غریب مسلمان) کی قبر پر تشریف لائے اور قبر ہی پر اس کی آپ نے نماز پڑھی (یعنی جنازے کی نماز پڑھی)۔" (بخاری جلد ا صفحہ ۱۷۸)

شاید کچھ اسی قسم کے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہنے والے نے اس مشہور شعر میں:

دو عالم بہ کاکل گرفتار داری
بہ ہر مو ہزاراں سیہ کار داری
زسر تا بپا رحمتی یا محمدؐ
نظر جانب ہر گنہ گار داری

صبح ہوئی، عجیب صبح تھی، یہ دیکھنے کے لئے کہ پاؤں کا زخم پک کر آپریشن کے قابل ہو چکا؟ ڈاکٹر آئے، آ کر جہاں درد اور ٹیس کی کیفیت تھی، ہاتھ رکھا گیا، جو نشتر کی نوک کو تیز کرتے ہوئے آئے تھے، متحیر ہو کر پوچھ رہے تھے کہ قصہ کیا ہوا؟ پھوڑا کہاں پر تھا؟ وہ ڈھونڈھتے تھے اور نہیں ملتا تھا، مریض خستہ جسم و جاں سے پوچھا جا رہا تھا اور وہ خاموش تھا، آخر اس فیصلہ پر مجبور ہوئے کہ آٹھویں آپریشن کی ضرورت باقی نہ رہی، کیوں باقی نہ رہی؟ یہ ایک راز تھا جس سے نہ اس وقت وہ واقف ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے، سیہ کار پر نظر رحمت پڑ چکی تھی، کالے حقیر سمجھے جانے والے حبشی کی ڈھیر پر کھڑے ہو کر عالمین کی جس رحمت نے دعا کی تھی، مغفرت کی دعا کی تھی، مغفرت کی وہی دعا آج ایک سیاہ کار کے لئے کارگر ثابت ہوئی۔

ہر ہر عضو گرا ہوا تھا، چلنا پھرنا تو دور کی بات ہے، قسم ہے اسی خدائے زندہ و توانا کی، جو مردوں سے زندوں کو اور زندوں سے مردوں کو نکالتا ہے کہ ایک سیکنڈ دو سیکنڈ کے لئے بھی بیٹھنے کی آرزو جس سیاہ بخت کے لئے مہینوں سے صرف آرزو بنی ہوئی تھی، بخت کی بیداری کے بعد دیکھا جا رہا تھا کہ اب وہ اٹھ رہا ہے، اٹھتا چلا جا رہا ہے، جس کی موت کا فیصلہ کیا جا چکا تھا، وہ دوبارہ گویا زندوں میں پھر شریک کر دیا گیا۔ اسپتال والوں نے چند ہی دنوں بعد حکم دے دیا کہ اب یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے، حکم کی تعمیل کی گئی، پھر آگے کیا قصے پیش آئے ان کی تفصیل غیر ضروری ہے، شعور اور احساس میں ایک خیال کے سوا دوسرا خیال، یا ایک جذبے کے سوا دوسرا کوئی جذبہ باقی نہ رہا تھا، اس زمانے میں میں بہار میں تھا، بہار کی وسیع آبادی جو دیہاتوں میں رہتی ہے ایک خاص قسم کی زبان بولتی ہے، اس زبان میں اور کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن التجا والتماس کے لئے اس کا پیرایہ حد سے زیادہ موزوں اور مناسب ہے، بے ساختہ اسی زبان میں کچھ مصرعے ابلنے لگے، سن کر تو اردو زبان کے سمجھنے والے بھی اس کو شاید

سمجھتے ہیں، لیکن اردو زبان کے املائی حدود میں مگدھی یا بہاری زبان مروجہ کے ان الفاظ کو لانا دشوار ہے، کتابی شکل میں صحیح طور پر جیسا کہ چاہئے، شاید وہ سمجھے بھی نہیں جا سکتے، لیکن عرض چونکہ اسی زبان میں کیا گیا تھا، اس لئے ان ہی الفاظ کو نقل کر دیتا ہوں:

پیارے محمدؐ جگ کے سجن
تم پر واروں تن من دھن
تمری صورتیا من موہن
کبھیو کرا ہو تو درشن

☆......☆......☆

جیا کنھوے، دلوا ترسے
کرپا کے بدرا کبھیا برسے

☆......☆......☆

تمری دواریا کیسے چھوڑوں
تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں
تمرے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہراب دھیان یہی ہے
صلی اللہ علیک نبیا
تمرے دوارے آیا دکھیا
بھنیا اہکی پکڑ ہو راجا
اپنے حُسین و حَسن کا صدقا
ڈھوا گھیریں ناؤ کو اس کے
اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے
سیس پہ اکھے پاواں دھر ہو
پیت کی اگیا من میں بھر ہو
بھدر ہوا پہ تنی کرپا کر ہو
سپنو میں ایسن کر گجر ہو
راجا تمری دیوڑھی بڑی ہے
رحمت تمرے نام پڑی ہے
اندھرا کے تم رہیا بتا ہو
ہر دے کا اکھے جوت جگا ہو
ڈگری پہ اپنے اکو چلا ہو
بودھا کے تم بدھی بنا ہو
کھینچو اکو پاپ نرکھ سے
دھو دیہو کا لیکھ منہ کا اکھے
ان کھر پتوا تمرے سے چلی
کھوجو ابھی ان کا تمرے سے ملی ہے
پی کی پتیا تم ہی لے لہو
ان کھر بتیا تم ہی سنی لہو
ہنی کے تند یا سے تم جگے لہو
مرل تھلبئی تم ہی جلے لہو
دھری بھے لوں تم ری دیا سے
مکتی بھی ہوای ہی تمری و دوا سے

"درشن" کی آرزو اس عجیب وغریب اضطراری نظم کی روح تھی، بہار کے نائب امیر شریعت مولانا سجاد مرحوم اگرچہ بظاہر فقیہ النفس والصورت تھے، مگر ذاتی تجربے کے بعد یہ ماننا پڑتا تھا کہ باطن ان کا فقیہ سے زیادہ فقیر تھا، قرابت کے تعلقات کی وجہ سے گیلان بھی تشریف لاتے تھے، اسی زمانے میں اتفاقاً ان کی تشریف آوری ہوئی، اس نظم کے سننے کا موقع ان کو بھی ملا، سنتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، خصوصیت کے ساتھ اس بند پر تڑپ تڑپ گئے، ہچکیاں ان کی بندھ گئیں، یعنی دوسرا بند:

تمری دواریا کیسے چھوڑوں
تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں
تم رے نگر میں دم بھی توڑوں
جی کا اب ارمان یہی ہے
آٹھوں پہراب دھیان یہی ہے

........(جاری ہے)

ایک زندگی ایک کہانی

ہے عمل لازمی تکمیل تمنا کے لئے

ام حیات ہنگورا



"السلام علیکم!" اندر آتے ہی لڑکی نے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!" میں جواباً بولی۔
"اس عاجز کا نام سونیا ہے۔" لڑکی نے اپنا تعارف کرایا۔
"سونیا کس سلسلے میں آنا ہوا۔" میں نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"امی جان کہتی ہیں، میں سائیکی ہوگئی ہوں اور میرا علاج بہت ضروری ہوگیا ہے، اس لئے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"سونیا کرتی کیا ہو؟" میں نے اس کے حلیے کو دیکھ کر دریافت کیا، جو کہ کسی کالج یا یونیورسٹی کی لڑکی کا لگ رہا تھا۔

"آج کل راوی چین ہی چین لکھتا ہے، ویسے ناچیز آج کل فارغ ہوتی ہے۔" وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔

"تم کو پریشانی کیا ہے؟" میں اس کی بشاش طبیعت کو دیکھ کر گویا ہوئی۔

"چونکہ مجھے تین دفعہ طلاق ہوچکی ہے اور اب جب میں چوتھی شادی کرنا چاہتی ہوں تو وہ مجھے علاج کرانے کا مشورہ دیتی ہیں، وہ کہتی ہیں کہ ہم مزید کسی بدنامی کے متحمل نہیں ہوسکتے، لہٰذا پہلے خود کو ٹھیک کرواور بقول ان کے مجھے کوئی سائیکا ٹرسٹ ہی ٹھیک کرسکتا ہے۔" وہ پرسکون لہجے میں گویا ہوئی۔

"تین دفعہ طلاق اور اب چوتھی۔" میں بڑبڑائی۔
"سونیا عمر کتنی ہے تمہاری؟" میری حیرت برقرار تھی۔
"چھبیس سال (26 سال)۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"بچے؟" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"کوئی نہیں، فارغ البال ہوں، یعنی نہ کوئی بال، نہ کوئی بچہ۔" وہ ہنس کر بولی۔

"چوتھی شادی کس سے کررہی ہو، کیا کوئی رشتہ موجود ہے؟"

"اب تو صحیح بندہ ملا ہے، ورنہ اب تک جو تینوں تھے، بس پوچھیں مت، کیسے کٹھن تھے یہ سال، اللہ کی پناہ، مگر مجھے لگتا ہے جدید ترین شوہر اچھا ثابت ہوگا۔"

"کتنے بہن بھائی ہو۔" میں نے نوٹ بک کھول لی۔
"دو بہنیں ہیں ہم اور دو ہی بھائی ہیں، بہن مجھ سے چھوٹی اور بھائی ہم دونوں سے چھوٹے ہیں۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"سونیا اپنی شادیوں کے متعلق تفصیل سے بتاؤ؟" میں نے کہا۔

"ڈاکٹر میں آپ کو کہیں سے بھی نفسیاتی مریض لگتی ہوں، میں پرفیکٹ ہوں، آپ مجھے یہ لکھ کر دے دیں، میں اپنی امی کو دکھادوں گی، اتنی دیر میں کیا آپ کو مجھ میں کوئی پرابلم نظر آرہا ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ I am all right۔" اس نے مجھے اطمینان سے کہا۔

"ایک دفعہ کے وزٹ میں اور وہ بھی دس، پندرہ منٹ میں ہیں آپ کو کیسے جان سکتی ہوں اور نہ اس طرح کچھ لکھ کر دے سکتی ہوں، میں ایسا کام نہیں کرتی، آپ یہ کسی اور ڈاکٹر سے لکھوالیں، ویسے کوئی بھی ڈاکٹر اس طرح آپ کو لکھ کر نہیں دے سکتا۔" میں نے اس کو سمجھایا۔

"تو کتنا ٹائم لگے گا۔" وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔

"تم مجھے اپنے گھر والوں کے متعلق بتاؤں گی، اسی طرح تینوں شادیوں کے ناکام ہونے کی وجوہات اور پھر آگے تمہارے کیا پلان ہیں، ان سب کو سن کر ہی میں کچھ کہہ سکوں گی، پھر اسی طرح ایک دو دفعہ تمہاری والدہ سے بھی ملاقات کرنا پڑے گی، اس کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ تم کو تھراپی کی ضرورت ہے کہ نہیں۔" میں نے اس کو سمجھایا۔

"یہ تو بہت ٹائم لگ جائے گا، یہ اسٹوپڈ (Stupid) حد ید نہیں مانا، ورنہ میں تو۔" وہ تھوڑا تیز آواز میں بڑبڑائی۔

"کچھ کہا آپ نے بیٹا۔" میں نے پوچھا۔
"ٹائم کتنا لگے گا، میرا مطلب ہے کم از کم کتنی دفعہ آنا ہوگا۔" وہ اب چڑ کر بولی۔

"تین سے چار دفعہ کم از کم آپ کو، اور ایک یا دو دفعہ آپ کی والدہ کو۔" میں تحمل سے بولی، جو کہ ہمارے پیشے کا خاصہ ہے جبکہ ہمارے مذہب کی تعلیم ہے۔

"اوہ! آئی سی Oh!! see، ٹھیک ہے، آج سے یا......"

"آج ہی سے۔" میں نے بات مکمل کی۔

"میرے (B.com) بی کام مکمل ہوتے ہی میری مما نے میری شادی میری پھوپھی کے بیٹے نیاز احمد سے کر دی، وجہ طلاق کیسے سمجھاؤں آپ کو، میری والدہ کے میری پھوپھیوں سے جو ریلیشنز (realation) تھے، وہ جو عام طور پر ہوتے ہیں، سامنے ہمیشہ ان کی تعریف اور پیٹھ پیچھے ہمیشہ ان کی برائی، یعنی اگر میری پھوپھیاں سن لے تو کبھی ان کی شکل نہ دیکھیں۔ اسی طرح پھوپھیوں نے بھی بھابی کو کبھی اپنا نہ سمجھا۔ ایکچولی ڈاکٹر (You Know) ہمارے (Two Faces) دو چہرے ہیں، سامنے کہیں گے، آپ بہت ہی اعلیٰ اور پیچھے آپ سب سے بدتر، جبکہ ہم لوگ جو نیو جنریشن (New Generation) ہیں، وہ جیسے اندر ہیں، ویسے باہر ہیں، میں ان کے سامنے بھی وہی بات کہتی ہوں، جو ان کے پیچھے اور اسی طرح میں یہ فضول میں بلاوجہ تعریفوں کے پل نہیں باندھ سکتی۔ میری اس اچھائی کو میری والدہ اور پھوپھی دونوں ہی برا جانتی ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس کی کوئی مثال دو سونیا۔" وہ سوچنے لگی۔

"ہمارے گھر جب بھی پھوپھیاں آتیں تو ہماری امی ان کی بچیوں کی تعریفوں کے پل باندھتیں کہ آپ نے اپنی بچیوں کی کتنی اچھی پرورش کی ہے اور وہ جب چلی جاتیں تو ہمارے یا والد صاحب کے سامنے کہتیں، کتنا لڑکیوں کو بگاڑا ہے، ہل کر پانی تک نہیں پیتیں۔" وہ یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔

"نہیں، اپنی مثال دو، اس کے علاوہ کوئی شادی کے بعد کی بات سوچ کر بتاؤ۔" میں نے کہا تو وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔

"یہ میری شادی کے بعد چوتھا یا پانچواں دن تھا اور رات کو ہم کو کسی دعوت میں جانا تھا، میں جانے کے لئے کپڑے سلیکٹ کر رہی تھی کہ پھوپھو میرے کمرے میں آ گئیں۔

☆......☆......☆

"سونیا، اپنی بری والے جوڑوں میں سے کوئی جوڑا پہننا، تمہارے جہیز میں تو کوئی جوڑا ڈھنگ کا نہیں ہے۔" زارا بیگم بولیں۔

"سوری پھوپھو، یہ دیکھیں آپ، یہ بری کے جوڑے ہیں، یہ جہیز کے، سونیا نے تمام جوڑے پلنگ پر پھیلا دیئے، اب بتائیے کون سے بہتر ہیں۔" زارا بیگم لمحے بھر کو کھسیا گئیں۔

"ایک تم کو جوڑے دیئے ہیں، ایک ہم کو دیئے تھے، ایک بھی ڈھنگ کا نہیں، کوئی اپنی کام والی کو بھی ایسا جوڑا نہ دے۔" زارا بیگم بڑبڑاتے ہوئے جانے لگیں۔

"تو پھپھو شادی والے دن آپ نے مما کا دیا ہوا سوٹ کیوں پہنا تھا۔" سونیا نے بڑبڑاہٹ سن کر کہا۔

"توبہ ہے سونیا تم کو نہ شرم نہ لحاظ بڑوں کا۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

"دیکھا آپ نے میں نے جو بات تھی سامنے کہہ دی، اس کو نیاز احمد بدتمیزی کہتا تھا، روز وہ کلینک سے آتا تو اس کے آگے میری شکایتوں کے ڈھیر لگتے۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"آپ کے پہلے شوہر ڈاکٹر تھے۔" میں نے کنفرم کیا۔

"جی اسی لئے تو میری امی نے مجھے پھپھو کے گھر بیاہا۔ ورنہ پہلے ان کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ مجھے تو یاد پڑتا ہے بچپن میں ایک دفعہ میری امی سے پھپھو نے مذاق میں کیا تھا کہ میں سونیا کو نیاز کی دلہن بناؤں گی تو اس وقت تو مما نے ان کو کچھ نہ کہا، مگر ان کے جانے کے بعد میرے ابو کے سامنے رو رو کر کہا تھا کہ میں مر جاؤں گی، مگر اپنی بیٹی کبھی ان کے گھر نہیں بیاہوں گی اور ابو کو بھی کہا تھا کہ اگر میں مر بھی گئی تو آپ میری بچیوں کو ان کے گھر نہیں بیاہیں گے اور ہم بہنوں سے بھی کہا تھا کہ اگر مجھے کچھ ہو جائے اور تمہارے ابو یا دادی تمہاری شادی پھوپھو کے گھر کریں تو کبھی راضی نہ ہونا، کیونکہ میں خوبصورت ہوں، اسی لئے پھوپھو کو بھی اچھی لگتی تھی اور پھر میرا رکھ رکھاؤ، میرا اسٹائل، میری ڈریسنگ، میری جیسی ایجوکیشن پورے خاندان میں کسی اور کی نہیں، اسی لئے خاندان میں ہر کوئی میرا طلب گار تھا اور آپ کو تو پتہ ہے، خدا جب حسن دیتا ہے، نزاکت آ ہی جاتی ہے۔" اب اس نے اپنی تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔

"وجہ طلاق کیا بنی؟" میں نے سوال کیا۔

"بتایا ناں میرا ٹو دی پوائنٹ بات کرنا۔ (To the piont) پسند نہیں آیا، حالانکہ مجھے وہ اچھی طرح جانتے تھے اور بہو بنا کر لائے تھے، کوئی گائے تو نہیں کہ جیسے چاہیں گے ویسے چلائیں گے، ہماری کوئی پسند نہیں، ہماری کوئی مرضی نہیں، امی کے گھر جانا ہے تو ان سے اجازت لو، ہوٹلنگ کرنی ہے تو ان سے پوچھو، اتنی دیر کیوں ہوئی، ہر چیز کا حساب کتاب، حتیٰ کہ باتھ روم میں بھی دیر ہو جائے تو اس کا حساب کتاب دینا پڑتا ہے، اُف میری توبہ!" وہ کانوں کو چھوتے ہوئے بولی۔

"یہ تو عام سی باتیں ہیں، یہ تو ہر لڑکی کو برداشت کرنی پڑتی ہیں، ان باتوں پر طلاق، بات سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"(Well You Are Inteligent) ویل آپ سمجھدار ہیں، مجھے اتنی جلدی بچے نہیں پیدا کرنے تھے اور پھوپھو اور نیاز کو چاہئے تھے، اس کو (Base) بنا کر انہوں نے مجھے طلاق دے دی۔" اب وہ قدرے سنجیدہ ہو گئی اور پھر آگے کہنے لگی۔ "اب کیا ہم لائف کو انجوائے بھی نہ کریں، یہ کیا مصیبت ہے کہ شادی ہو گئی تو بچہ بھی ہو، میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ اگلے 5 سال تک میرا کوئی ارادہ نہیں ہے، بدتمیز آدمی، ان آدمیوں کو کسی کا لحاظ نہیں ہے مطلبی، خود غرض (Mean-Selfish) اتنی سی بات کو اتنا بڑا ایشو بنا لیا، بتائیے کہ یہ کوئی بات ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تو کیا اگلی دو دفعہ بھی اسی وجہ سے طلاق ہوئی۔" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"افوہ! کیسی عجیب ڈاکٹر ہو، اس بات پر مجھ سے دوبارہ شادی کون کرتا، پھر مجھے مما نے بھی سمجھایا تھا کہ اس فضول خواہش کو چھوڑنا ہوگا، ویسے میں بھی ان کی بات نہ مانتی، مگر یہ ندیم میرے پیچھے پڑ گیا تھا، آخرکار مجھے دوسری شادی کرنا پڑی۔" وہ فخریہ لہجے میں بولی۔

"عجیب و غریب۔" میں بڑبڑائی۔

"بگڑی ہوئی نسل جن کو کیبل اور انٹرنیٹ نے برباد کر دیا، حیا نام کی کوئی چیز ہی نہیں رہی، شادی کا نام تو عورتوں کے لئے باعث حیا ہوتا ہے، مگر یہ تو اس طرح شوہروں کی بات کر رہی تھی، جس طرح کپڑوں کی کر رہی ہو، کپڑے بدلے ویسے شوہر۔" میں دل میں سوچنے لگی اور پھر سوال کیا۔

"ندیم نے کیوں طلاق دی؟"

"وہ شکی بندہ ہر وقت مجھ پر شک کرتا تھا، دراصل ندیم اور میری شناسائی موبائل پر ہوئی اور انجام شادی پر ہوا اور اسی موبائل کی وجہ سے اس نے مجھے طلاق دے دی، اتنی پست ذہنیت کا بندہ آپ سوچیں، بھائی سے بھی بات کرتی تو وہ شک کی نگاہ سے دیکھتا، وہ تو شکر ہے جلدی جان چھوٹ گئی، چار مہینے میں ہی اصلیت کھل گئی، میں نے اس کو اور اس کے گھر کو لات ماری اور اپنے والدین کے پاس واپس آ گئی۔"

"سونیا میں آپ کی والدہ سے ملنا چاہوں گی، بہتر ہوگا کہ وہ پرسوں شام کو پانچ بجے آ جائیں۔" میں نے نوٹ بک بند کرتے ہوئے کہا۔

"یعنی آپ کو سمجھ میں آ گیا کہ میں صحیح ہوں، او کے میں مما کو بھیجتی ہوں، پرسوں تو دور ہے، کل کا وقت نہیں مل سکتا۔" وہ تھوڑا جذباتی ہو گئی۔

"نہیں، کل نہیں، پرسوں۔" ٹھیک پانچ بجے، میں

نے اس کو اتنا ہی کہا۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم! میرا نام روبینہ ہے، میں سونیا کی والدہ ہوں۔" سونیا کی والدہ نے تعارف کرایا۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ۔" میں جواباً بولی۔

"سونیا سمجھ میں آئی آپ کے؟" انہوں نے بیٹھتے ہی سوال کردیا۔

"آپ کو سمجھ میں آتی ہے؟" میں نے جواباً پوچھا۔

"مجھے سمجھ میں آتی تو آپ کے پاس کیوں بھیجتی؟" وہ تلخی سے بولیں۔

"مگر آپ تو اس کی ماں ہیں، ماں سے زیادہ بچے کو کون سمجھ سکتا ہے۔" میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ماں ہوں، اسی لئے تو فکر کررہی ہوں، ورنہ اس کے والد تو اس کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں ہیں، میں ماں ہوں، اس کو کیسے چھوڑ دوں۔" وہ پھر تلخی سے گویا ہوئیں۔

"اپنا مکمل تعارف کروائیں گی۔" میں نے مسکرا کر بات بڑھائی۔

"میرے شوہر آصف، اپنے والد کے اکلوتے بیٹے ہیں جبکہ میری تین نندیں ہیں، سب سے بڑی زارا، جو کہ سونیا کی ساس بھی تھی، پھر سارہ، اس کے بعد آصف اور پھر سب سے چھوٹی تارہ، ہماری شادی، تارہ کی شادی کے ساتھ ہوئی، شادی کے بعد آصف ترقی کے زینے پر چڑھتے چلے گئے، ان کو بینک میں ملازمت مل گئی، سونیا کی پیدائش پر گاڑی اور بنگلہ بھی مل گیا، حنا کے بعد طلحہ اور پھر حمزہ کی پیدائش کے بعد تو ہمارا طرز رہن سہن مکمل تبدیل ہوچکا تھا، میں نے اور آصف نے کبھی میرے ساس سسر کی خدمت میں کوتاہی نہیں کی، اسی طرح تینوں بہنوں کا بھی ہم نے ہمیشہ خیال کیا اور ان کا اچھے برے وقت میں ساتھ دیا۔ میرے بچوں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ بڑوں کی عزت کی جاتی ہے، یہ لوگ جوائنٹ فیملی میں بڑے ہوئے ہیں، اب مجھے سونیا کا پرابلم سمجھ نہیں آرہا۔"

انہوں نے مجھے قدرے تفصیل سے بتایا۔

"ساس، سسر حیات ہیں آپ کے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں، کچھ عرصہ پہلے دونوں کا انتقال ہوچکا ہے، غالباً سونیا کی پہلی شادی سے بھی پہلے۔" وہ بولیں۔

"آپ لوگوں کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟" میں نے نوٹ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ایسے تو اس میں بہت تحمل ہے، جلدی غصے میں نہیں آتی، مگر منہ پر سب کچھ بول دیتی ہے، اپنی بات منواتی ہے، کسی کی رائے لینے کو تیار نہیں، اسی طرح اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی کو خاطر میں نہیں لاتی، ویسے صحیح ہے۔"

(مجھے بھی یاد آرہا تھا کہ وہ ہر بات کو بہت نارمل طریقے سے لے رہی تھی، ہر بات کا تقریباً مسکرا کر جواب دیا تھا)

"روبینہ جی ایک بات دھیان میں رکھئے کہ ہم جو کچھ بوتے ہیں، وہی کاٹتے ہیں، کیکٹس کا پودا لگا کر آپ کبھی بھی گلاب حاصل نہیں کرسکتیں، آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں، سب اپنی جگہ پر صحیح ہوگا، مگر ہمارے جو روزمرہ کے رویے ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پر ہم بچوں کی تربیت کررہے ہوتے ہیں، وہ ہمیں صحیح لگ رہا ہوتا ہے، وہ اکثر صحیح ہوتا نہیں ہے، جو آگے جاکر اس طرح کے مسائل جنم دیتا ہے۔" میں نے سمجھایا۔

"میں سمجھی نہیں آپ کی بات۔" وہ قدرے الجھے الجھے لہجے میں بولیں۔

"دیکھئے روبینہ جی، بیٹیاں گھروں کی رونق ہونے کے ساتھ ساتھ خاندان کی عزت بھی ہوتی ہیں، ان کی معصومیت اور پاکیزگی کو اگر زمانے کی ہوا لگ جائے تو یہی بیٹیاں روگ بن جاتی ہیں، آج کل ہمارے معاشرے میں طلاق کا تناسب جس تیزی سے بڑھ رہا ہے، اس میں بیٹیوں سے زیادہ قصور والدین کا ہوتا ہے، جو ان کی پرورش مغربی طرز پر کرتے ہیں، جس سے

لڑکیوں میں خود غرضی اور بے باکی پیدا ہوتی ہے۔ فرض کریں سونیا کو اپنی سہیلی کے گھر جانا ہے، آپ کی ساس بیمار ہیں، آپ سونیا کو کہیں گی کہ تم رک جاؤ، تو کیا وہ دادی کے پاس ٹھہرنا پسند کرے گی۔" میری بات روبینہ نے کاٹی اور کہنے لگی۔ "ہم نے کبھی اپنے بچوں پر اپنی مرضی نہیں ٹھونسی، ایسے تو بہت سے مواقع آئے، مگر ہم نے کبھی اپنے بچوں کی تفریح میں خلل آنے نہیں دیا، یہی تو بچوں کے کھیلنے کے بے فکری کے دن ہوتے ہیں، ان کو کیا بچپن ہی سے ذمہ داریوں میں ڈال دیں۔"

"یعنی میں نے صحیح کہا، ان میں بچپن ہی سے خود غرضی اور بے باکی پیدا ہوتی ہے، والدین بچوں کو آزادی دے کر آسائش دے کر ان کی ذات میں غرور پیدا کردیتے ہیں، مگر خوش اخلاقی، انکساری، اخلاقی اقدار، شعور وایثار، درگزر جیسی خوبیاں ان میں نہیں آتیں۔" میں نے اتنا کہہ کر ان کو بغور دیکھا اور پھر آگے کہنے لگی۔

"آج کل کی مائیں بیٹیوں کو تعلیم کے دوران گھر کے کاموں سے دور رکھتی ہیں جبکہ ٹیلی وژن اور موبائل فون پر پوری پوری رات گزر جائے تو ان کو پرواہ نہیں ہوتی، بچیوں کی عادات پر نظر نہیں رکھی جاتی اور جب وقت پڑتا ہے تو معاملات سنبھالنا تو دور کی بات، اس کو اپنی ناعاقبت اندیشی کی نظر کردیتی ہیں۔" میں اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

"دیکھئے ڈاکٹر، ٹھیک ہے، میں نے اپنے بچوں کی پرورش انتہائی ناز ونعم سے کی ہے، جب خدا نے دیا ہے، تو ہم خرچ بھی کریں گے اور انہوں نے ہمیں تو دیکھا ہے ناں کہ ہم کس طرح والدین اور بہنوں کے ساتھ رہتے تھے، بچے تو دیکھ کر سیکھتے ہے ناں، تو انہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں سیکھا، ہمارا قربانی کا وقت تھا، ہم نے دیا، والدین کے لئے بھی اور بچوں کے لئے بھی، مگر اب ان کا وقت آیا ہے تو وہ اب بھی۔" اتنا کہہ کر وہ یکدم چپ ہوگئیں۔

"کیا ہوا، آپ رک کیوں گئیں۔" میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"سوری، مجھے لگتا ہے میں غلط ڈاکٹر کے پاس آگئی ہوں، آپ کے اور ہمارے مزاج میں جو فرق ہے تو آپ وہ چیز سمجھ ہی نہیں سکیں گی، جو میں کہنا چاہوں گی، انہوں نے یہ کہہ کر اپنا پرس اٹھایا اور ایکسوزمی (Excuse me) کہہ کر چلی گئیں۔

☆......☆......☆

پھر تقریباً تین یا چار مہینے بعد دونوں ماں بیٹیاں یعنی سونیا اور اس کی والدہ روبینہ میرے پاس آئیں۔

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ!" میں نے دونوں کو دیکھ کر سلام کیا۔ ساتھ ہی مجھے روبینہ جی کے ساتھ اپنی آخری ملاقات یاد آگئی۔

"وعلیکم السلام!" دونوں نے ساتھ جواب دیا اور پھر روبینہ جی مخاطب ہوئیں۔ "دو اور سائیکاٹرسٹ کو دکھایا مگر۔" سونیا نے اپنی والدہ کی بات کاٹی۔

"میں نے ان کو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ مجھے صحیح لگی تھیں، مگر انہوں نے کبھی کسی کی مانی ہے، لوٹ کے بدھو گھر کو آئے، اس کو کہتے ہیں۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسے نہیں بیٹا، یہ آپ کی والدہ ہیں، یہ تو بہت بری بات ہے۔" میں نے سونیا کو نرمی سے سمجھایا۔

"اوہ! ڈاکٹر ہم لوگ اسی طرح بات کرتے ہیں، آپ پریشان نہ ہوں، اتنا مزید ٹائم ویسٹ ہوگیا میرا، ادھر ممی پپا نہیں مان رہے، پلیز آپ ان کو سمجھائیں کہ یہ میری شادی حدید سے کردیں۔ ان کو آئندہ کوئی پریشانی نہیں ہوگی، اگر ہوگی بھی تو میں ان کے پاس ہرگز نہیں آؤں گی، یہ میرا وعدہ ہے۔" سونیا نے بات مکمل کی۔

"مگر یہ میرا کام نہیں ہے، آپ لوگ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کررہے ہیں، آپ لوگ اپنے فیملی میٹرز کو گھر میں ہینڈل کیجئے۔" اب میں نے ان کو قدرے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

"سونیا تم باہر جا کر بیٹھو۔" روبینہ نے سونیا سے کہا۔

"مما مجھے کلب جانا ہے، میں وہاں پہنچ کر گاڑی واپس بھیجتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

"سوری ڈاکٹر، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں، سونیا کو واقعی (ٹریٹمنٹ) علاج کی ضرورت ہے۔ میں نے جن دو دوسرے سائیکاٹرسٹوں کو دکھایا، وہ تو الٹا مجھے الزام دینے لگے، وہ کہتے ہیں، ان کو آزادی دیں، ان کو اپنی مرضی سے جینے دیں، لائف کو انجوائے کرنے دیں، ان کو گھروں میں قید نہ کریں، آزاد چھوڑ دیں، پھر میں نے آپ کی باتوں کے حوالے سے سب چیزوں پر غور کرنا شروع کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ گھر سے باہر نکل کر ہی تو یہ بگڑی ہے، اسی طرح جو میڈیا دکھا رہا ہے، یہ اسی پر تو یہ بگڑی ہے، اسی طرح جو میڈیا دکھا رہا ہے، یہ اسی پر تو عمل کر رہی ہے، وہ لوگ تو مجھے غلط اور اس کو صحیح کہتے ہیں، وہ لوگ کہتے ہیں کہ سونیا کو نہیں، مجھے علاج کی ضرورت ہے۔" انہوں نے یہ کہہ کر ٹھنڈی آہ بھری۔

"پھر یہ سونیا میری (فیور) حمایت کیوں کر رہی ہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی تو پرابلم ہے، اس کو ہر کوئی صحیح لگتا ہے، وہ ان ڈاکٹرز کو بھی صحیح کہہ رہی تھی، بس یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح اس کی حدید سے شادی ہو جائے، اس لئے سب کی ہر بات ماننے کو تیار ہے۔"

"آخر آپ کیوں نہیں کر دیتیں، اس کی شادی۔" میں نے استفسار کیا۔

"حدید ایک لالچی شخص ہے، یہ تو گھر چھوڑ کر جا رہی تھی، تو اس کے والد نے اسے عاق کر دیا تھا، مگر وہ دو کوڑی کا شخص سونیا سے شادی ہی دولت کی وجہ سے کرنا چاہتا ہے، وہ ڈرامے باز کہتا ہے کہ عزت سے لے جاؤں گا۔" وہ تمسخر سے ہنسی۔

"آپ سب کو غلط کیوں سمجھتی ہیں، ہو سکتا ہے وہ لڑکا واقعی سونیا کے لئے مخلص ہو۔" میں نے ان کو سمجھایا۔

"نہیں، وہ سب دولت کے لئے کر رہا ہے، پلیز ڈاکٹر میری مدد کریں، ہم کیا کریں، ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ڈاکٹر۔" وہ یہ کہہ کر رونے لگیں۔

"مگر میں کیا کر سکتی ہوں؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ اس کو سمجھائیں کہ وہ غلط کر رہی ہے، پہلے اس کی برین واشنگ ہوگی، پھر وہ کہیں جا کر گھر بسا سکے گی، ورنہ جو پہلے تین دفعہ ہوا ہے، چوتھی کا بھی یہی انجام ہوتا ہے۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"میرا جہاں تک اندازہ ہے آپ یہ کام بہتر طور پر کر سکتی ہیں، کیونکہ اس کو آپ بہت اچھی طرح سمجھتی ہیں، میں اس سلسلے میں معذرت خواہ ہوں۔" میں نے ان سے معذرت کی۔

"مگر اس کو تو کوئی سائیکاٹرسٹ ہی ہینڈل کر سکتی ہے، میں تو اکثر و بیشتر غصہ کر کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہوں، آپ کیوں معذرت کر رہی ہیں، کیا یہ آپ کا پروفیشن نہیں ہے؟" انہوں نے سوال کیا۔

"یہ میرا پروفیشن ہے، مگر پچھلی دفعہ آپ نے جو ریمارکس دیئے تھے، میں اس کی روشنی میں کہہ رہی ہوں، ضروری نہیں ہے کہ سونیا جیسی آپ چاہتی ہیں، ویسی ہو جائے، تو پھر کل تو آپ مجھے ہی (بلیم) الزام دیں گی، کیونکہ نفسیاتی علاج نہ صرف طویل ہوتا ہے، بلکہ بعض دفعہ مریض کے مرض میں خاطر خواہ افاقہ نہیں ہوتا، آپ کے اور میرے مزاج کے فرق کو آپ اچھی طرح سمجھتی ہیں اور جیسا کہ آپ نے دو سائیکاٹرسٹ کی آرا مجھے بتائیں، سائیکاٹرسٹ کی اصطلاح تو مغربی ہے، مگر ہمارے دین میں اس کا علاج دینی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بزرگان دین مجاہدے سے کرواتے ہیں اور میں بھی اس کو مدنظر رکھ کر اپنی تھراپی کرتی ہوں کہ انسانوں کو باطنی اور ظاہری دونوں کو ٹھیک کرنے میں مدد ملے۔" میں نے وضاحت دی۔

"اسی فرق کی وجہ سے تو آئی ہوں، ڈاکٹر جی مجھے آپ سے معذرت کرنی چاہئے تھی کہ اس دن میں آپ کو ہرٹ کر کے چلی گئی اور آج اپنی ضرورت پر دوبارہ لوٹ آئی ہوں، میں اپنی آخری کوشش کر کے دیکھنا چاہتی ہوں، باقی اس کا نصیب۔" انہوں نے اتنا کہہ کر سرد آہ بھری۔

"روبینہ جی میں اب بھی آپ سے یہی بات دوبارہ دہراؤں گی کہ آپ کے اور میرے مزاج میں جو فرق ہے، اس کی وجہ سے آپ کو علاج میں کافی پریشانیاں برداشت کرنی پڑیں گی، آپ نے اس دن صحیح کہا تھا اور اسی فرق کی وجہ سے سونیا میں پرابلمز ہیں اور سونیا کے ساتھ ساتھ پھر آپ کی بھی تھراپی کی ضرورت ہے اور بہت ساری چیزیں ڈسکس ہوں گی، جو کہ یقیناً آپ کے مزاج پر گراں گزریں گی، اگر آپ یہ سب برداشت کر سکتی ہیں تو میں تیار ہوں، ورنہ میں پھر معذرت کروں گی، میں نے ان کو سمجھایا۔

"ڈاکٹر میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے پھر آپ مجھے اس کی پہلی شادی کے متعلق جو کچھ آپ کے علم میں ہے، بتایئے، تا کہ میں آپ دونوں کی باتیں سمجھ کر موازنہ کر سکوں کہ خرابی کے اسباب کیا کیا ہیں۔" میں نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔

"میری نند زارا بہت چاہ سے سونیا کو بیاہ کر لے گئی اور پھر جس طرح ہر جگہ ہوتا ہے کہ ساس وغیرہ کچھ کہہ دیتی ہیں تو یہ سامنے جواب دے دیتی، ظاہر ہے کہ بہو کا بولنا پسند تو نہیں کیا جاتا، اسی طرح یہ آنے جانے میں اجازت لینا ضروری نہیں سمجھتی تھی، یہ چھوٹے چھوٹے مسئلے بڑے بنتے چلے گئے۔" میں نے ان کو ٹوکا۔ "مجھے چھوٹے مسئلوں کی وضاحت چاہئے۔" تو روبینہ جی گہری سوچ میں گم ہو گئیں۔

☆......☆......☆

"امی آج سونیا اپنی امی کے گھر جا رہی ہے، اس لئے شام کو میں بھی ماموں کے پاس چکر لگا لوں گا۔" نیاز احمد نے ناشتے کی ٹیبل پر زارا کو بتایا۔

"مگر یہ ابھی دو دن پہلے تو گئی تھی، آج مجھ کو کام سے جانا ہے، اس کو کہہ دو، ایک دو دن بعد چلی جائے۔" زارا نے نیاز سے کہا۔

"میں تو ہاسپٹل جا رہا ہوں، مجھے دیر ہو رہی ہے، آپ خود ہی کہہ دیجئے گا، یہ تو ویسے بھی دیر سے جاتی ہے۔" نیاز یہ کہہ کر چلا گیا۔

"سونیا! سونیا کہاں ہو؟" زارا نے سونیا کے کمرے کے باہر آواز لگائی۔

"جی پھوپھو، خیریت۔" سونیا نے کمرے سے باہر آتے ہوئے کہا۔

"کبھی اجازت بھی لے لیا کرو، تم تو ہمیں صرف کہہ کر چل دیتی ہو کہ میں جا رہی ہوں، انسان کو کوئی کام ہو سکتے ہیں۔" زارا بولی۔

"نہ تو میں کوکنگ کرتی ہوں، نہ گھر کا کوئی کام، میرے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" سونیا حیرت سے بولی۔ "صحیح کہہ رہی ہو بالکل، میں نے تو آنکھوں دیکھی مکھی نگلی ہے، ماں کو جانتے ہوئے بھی بیٹی لے آئی، نہ کام سکھایا نہ کاج اور نہ ہی بڑوں کا ادب و لحاظ۔" زارا نے غصے سے کہا۔

"رہنے دیں پھوپھو۔ گھر بھر دیا ہے آپ کا میرے جہیز نے۔ اب دل بھی بڑا کر لیں اور آئندہ میری امی کا نام سوچ سمجھ کر لیجئے گا۔" سونیا نے بھی جواباً کہا۔

"پوت کے پاؤں تو پالنے ہی سے نظر آ جاتے ہیں، ہائے میری قسمت پھوٹ گئی، جو تم کو بیاہ کر لائی، اس طرح تو تم میری بچیوں کو بھی زبان دراز بنا دو گی سونیا، اور رہ گئی تمہاری ماں، تو اس کو تو میں سو دفعہ برا کہوں گی۔" زارا نے تڑخ کر جواب دیا۔

"تو بولتی رہئے۔" سونیا نے یہ کہہ کر کمرے کا

دروازہ بند کر دیا۔

☆......☆......☆

مما پھوپھو نے پتہ ہے آج آپ کو کتنا برا بھلا کہا، آپ کو پتہ بھی تھا وہ کیسی ہیں پھر بھی آپ نے مجھے ان کے گھر بیاہ دیا۔" سونیا نے آتے ہی ماں کو سارا قصہ سنایا۔

"سونیا سننا پڑتا ہے، ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے بیٹا، تمہاری دادی کم باتیں سناتی تھیں، کیا میں نے کبھی سامنے جواب دیا، تم کو بدتمیزی نہیں کرنی چاہئے تھی۔" روبینہ نے سمجھایا۔

"سوری مما آپ کو کوئی برا بھلا کہے، میں کیسے سن لوں، بچپن سے دیکھتی آرہی ہوں ان لوگوں کو، منع بھی کیا تھا کہ مت بیاہے مجھے ان لوگوں میں، مگر مجھے آپ کا نظریہ سمجھ میں نہیں آتا۔" سونیا نے یہ کہہ کر آنکھیں موندلیں۔

☆......☆......☆

"امی نیاز نے مجھے طلاق دے دی ہے۔" سونیا نے فون پر روبینہ سے کہا۔

"سونیا تم کو معلوم ہے تم کیا کہہ رہی ہو، ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔"

☆......☆......☆

"بھائی صاحب، بھابی مجھے بہت افسوس ہے، مگر سونیا بہت ضدی لڑکی ہے۔" زارا آصف اور روبینہ سے مخاطب تھی۔

"آپا آپ نے میری بچی کے ساتھ بہت غلط کیا، اتنا بڑا فیصلہ کرلیا، ایسا تو لوگ دشمن کی بیٹی کے ساتھ بھی نہیں کرتے۔" آصف غصے میں بولے۔

"مجھے بھی نہیں پتا تھا کہ یہ اپنی ماں کے بدلے لینے آئی ہے، اس کی بدتمیزیاں ناقابل برداشت ہوگئی تھیں اور پھر باقی آپ خود ہی اس سے پوچھ لیجئے گا، مجھے تو شرم آتی ہے اس کی باتیں سن کر۔" زارا نے سارا الزام سونیا کے سر رکھ دیا۔

☆......☆......☆

روبینہ جی اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

"دوسری بار طلاق کیسے ہوئی۔" میں نے روبینہ کو خاموش دیکھ کر سوال کیا۔

"موبائل پر ندیم سے دوستی ہوئی تھی، اتفاق سے وہ ان کے جاننے والوں میں نکلا، جھٹ منگنی پٹ بیاہ اور جھٹ طلاق، موبائل وجہ شادی بنی اور موبائل وجہ طلاق بنی، انہوں نے مختصراً بتایا۔

"میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو کافی دیر ہوچکی تھی، ماسی دو دفعہ آکر دوسرے پیشنٹ کے انتظار کا کہہ چکی تھی اور پھر میں نے روبینہ جی کو اگلا اپائنمنٹ دے دیا۔" صرف آپ کو آنا ہے۔ میں نے تنبیہ کی۔

☆......☆......☆

"روبینہ جی آج کل تو معاشرے میں لڑکیوں کی شادی ایک مشکل امر ہے جبکہ سونیا کے لئے چوتھا رشتہ بھی میسر ہے، انوکھی بات ہے۔" میں نے اگلے دن سیشن شروع کرتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"بس اس کا نصیب سمجھ لیں، اتنی ٹھوکریں کھا کر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہی، ویسے پیسہ ہو تو رشتے ہو ہی جاتے ہیں۔" انہوں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"نہیں ایسا کچھ ضروری بھی نہیں، میں نے اکثر پیسے والوں کی بیٹیوں کو بھی رشتوں کے لئے پریشان دیکھا ہے۔" میں نے ان کی بات رد کی۔

"ہمارے جتنا پیسہ نہیں ہوگا آپ میرے شوہر کا اسٹیٹس دیکھیں، بینک کے پریذیڈنٹ ہیں، بعض دفعہ تو مجھے سونیا صحیح لگتی ہے مگر جب یہ ہماری بھی کوئی بات سنتی نہیں ہے تو پھر سمجھ میں آتا ہے کہ یہی غلط ہے۔" وہ پھر اترا کر بولیں۔

"اپنی بات منوانے کی عادت بچپن سے ہی ہوگی، جواب پختہ ہوگئی ہوگی۔" میں نے بات کو سمجھ کر پوچھا۔

"بچپن سے ہاں، شاید پہلے ہم بچہ سمجھتے ہیں اور پھر بعد میں ہم کو احساس ہوتا ہے کہ بچے بدتمیز ہوگئے ہیں۔" وہ کچھ سوچ کر بولیں۔

"تیسری شادی کہاں ہوئی تھی؟" میں نے نوٹ بک پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"تیسری شادی اس کی ہم نے امریکہ میں میرے کزن کے بیٹے کے ساتھ کی تھی، جس کی اپنی پہلی بیوی سے علیحدگی ہوچکی تھی اور اس کے دو بچے بھی تھے، مگر وہاں بھی یہ چند ماہ گزارا نہ کرسکی اور آکر کہہ دیا کہ وہ ان جنگلی بچوں کے ساتھ گزارا نہیں کرسکتی اور پھر تنگ آکر اس نے بھی طلاق دے دی، آپ کو پتہ ہے ہمارے یہاں عیادت، تعزیت کرنے والوں اور سراغ رسانوں میں بہت کم فرق ہوتا ہے، لوگ تعزیت کے بہانے ایسے ایسے سوالات کرتے ہیں کہ اف دماغ کی چولیں ہل جاتی ہیں۔" انہوں نے اتنا کہہ کر آہ بھری۔

"اے عدم احتیاط لوگوں سے
لوگ منکر نکیر ہوتے ہیں"

مجھے ان کی بات سن کر عدم کا شعر یاد آگیا۔

"آپ کے دوسرے بچوں پر اس کے کیا منفی اثرات پڑے۔" میں نے پوچھا۔

"سونیا کے بعد حنا ہے، دونوں بہنوں کی خاص بنتی نہیں ہے، سونیا کی تو شاید ہی کسی سے بنتی ہو، اس طرح دونوں بیٹے میرے لندن میں پڑھ رہے ہیں تو وہ کوئی ایسا ایشو نہیں ہے۔" وہ بولیں۔

"حنا کی شادی وغیرہ۔" میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"حنا کی شادی تو میں خوب سوچ سمجھ کر کروں گی، ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، ایک کی جلدی کر کے بھگت رہی ہوں، میرا خیال ہے، لڑکیاں جب تھوڑی سمجھدار ہوجائیں پھر ان کی شادی کرنی چاہئے، تاکہ نادانی میں گھر تو نہ اجاڑیں۔" وہ وضاحت دینے لگیں۔

"سونیا چھوٹی تو نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"جب اس کی پہلی شادی ہوئی تھی تو وہ فقط بیس سال ہی کی تھی۔" انہوں نے فوراً کہا۔

"اچھا آپ کی کس عمر میں ہوئی تھی۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہمارا زمانہ اور تھا ڈاکٹر اب کا اور ہے۔" انہوں نے مجھے سمجھایا۔

"مجھے ماں اور بیٹی دونوں ہی ٹیڑھی کھیر نظر آرہے تھے، ان کے پل پل بدلتے رنگ میری سمجھ سے بالاتر تھے، ہمارے معاشرے میں پیسوں نے انسانوں کو منافقت کے گہرے غار میں دھکیل دیا ہے اور پھر گھمنڈ اور تکبر کی لکیر جو انسانوں کے دلوں کی سلیٹ پر کھینچ ہوئی ہے، مٹتی نہیں ہے، حرام حلال کے فرق کو مٹا کر پیسہ آتا ہے، اس نے بھی معاشرے میں عجیب ابتری پھیلائی ہے، حیا، محبت، احترام رخصت ہوچکے ہیں جبکہ منافقت، حسد اور ریاکاری نے معاشرے میں لوگوں کو ایک دوسرے کے مدمقابل کردیا ہے، میں روبینہ جی کے متضاد رویے سے سخت متنفر ہوچکی تھی، پھر مجھے خیال آیا۔

"روبینہ جی آپ لوگوں کا دین سے کتنا تعلق ہے۔" میں نے پوچھا۔

"الحمدللہ مسلمان ہیں، ہر سال عمرے کو جاتے ہیں، حج کیا ہوا ہے، زکوٰۃ برابر ادا کرتے ہیں، البتہ نماز، روزوں میں کمی کوتاہی ہوجاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، وہ بہت رحیم ہیں۔" انہوں نے جواباً کہا۔

"آپ کے علم میں ہے کہ بینک کی نوکری حلال نہیں ہے۔" میری بات سن کر وہ چونکیں اور پھر بولیں۔

"پتہ ہے جی، مگر اب کیا کریں، بینک بھی تو انتہائی ضروری ہیں، کیا اب اس میں کوئی کام نہیں کرے گا۔"

"روبینہ جی حلال کمانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندہ رہنے کے لئے کھانا پینا، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ حرام مال کے اثرات ہیں جو آپ کے بچوں کی زندگی پر پڑ رہے ہیں، آج سونیا ہے کل حنا پھر آگے بیٹے۔" میں نے اتنا کہنا ہی کافی سمجھا۔

"ڈاکٹر اس کو رہنے دیں، یہ ہمارا......بس آپ سونیا

کو سمجھائیں، اس کی برین واشنگ کریں کہ اس کو عقل آئے کہ وہ اپنے پاؤں ہاتھوں اپنی زندگی برباد کررہی ہے۔" انہوں نے سختی سے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ اس کو پرسوں بھیج دیں۔" میں نے نوٹ بک بند کردی۔

☆......☆......☆

"تنگ آگئی ہوں میں مما کی الٹی سیدھی باتوں سے، مجھے سمجھ میں نہیں آتا، یہ چاہتی کیا ہیں۔" سونیا آتے ہی بگڑتے ہوئے بولی۔

"پلیز سونیا وہ آپ کی والدہ ہیں، میں نے آپ کو پہلے بھی سمجھایا تھا۔" میں نے سونیا کو ٹوکا۔

"ڈاکٹر، ڈاکٹر انہوں نے مجھے پاگل کردیا ہے، اب وہ کہتی ہیں کہ میں نیاز احمد سے دوبارہ شادی کرلوں، ان دونوں عورتوں نے مجھے پاگل کردیا ہے، ممی اور پھوپھو کی منافقت سمجھ میں نہیں آتی۔" سونیا چبھتے لہجے میں بولی۔

"ممی اور پھوپھو کی منافقت" میں نے دہرایا۔

"اس کا کیا مطلب ہے سونیا۔"

"مطلب۔" وہ اتنا کہہ کر سوچ میں گم ہوگئی۔

☆......☆......☆

"اب کیا ضرورت تھی، اتنی بڑی دعوت کرنے کی اور کھانا بھی کیسا تھا، چار پیسے کیا آگئے، اپنی اوقات ہی بھول گئے۔"

روبینہ نے رات کو دعوت سے آکر بولنا شروع کردیا۔

"مگر بیگم تم تو سارا سے کہہ رہیں تھیں کہ زارا آپی کا دل بہت بڑا ہے، جو اتنی زبردست دعوت کی تھی اور تم نے تو وہاں پر کھانے کی بے حد تعریفیں کی تھیں، ورنہ میں بھی سوچ رہا تھا، ایسا کچھ خاص تو نہ تھا۔" آصف نے ٹی وی پر چینلز بدلنا شروع کردیئے۔

"مکھن بھی تو لگانا پڑتا ہے، آخر کو بہن ہے آپ کی، کھانا بھی کم پڑ گیا تھا، اتنے لوگ جو بلوا لئے تھے۔" جواباً روبینہ ہنس کر بولی۔

"ویسے تم صحیح کہہ رہی ہو، چار پیسے کیا آجاتے ہیں، ہر کوئی اونچا اڑنا شروع کردیتا ہے، ارے سونیا، حنا تم دونوں یہاں پر کیا کررہی ہو، جاؤ جا کر سو جاؤ، بہت دیر ہوچکی ہے۔" آصف نے سونیا اور حنا کو لونگ روم (lving room) میں دیکھا تو ڈانٹا۔

☆......☆......☆

"سو دیکھا تھا زارا آپی کا، کتنا خراب تھا۔" روبینہ گاڑی میں بیٹھے ہوئے بولی۔ وہ لوگ کسی شادی سے شرکت کرکے آرہے تھے۔

"ہاں مما مجھے بھی پھوپھو کہہ رہیں تھیں کہ تم لوگ ہر بات چھپاتے ہو، مگر ہمیں پھر بھی پتہ چل جاتی ہے، آپ نے کیا چھپایا ہے، پھوپھو سے مما۔" سونیا نے بھی فوراً کہا۔

"کچھ نہیں بیٹا، ہم سے جیلس (Jealous) ہوتے ہیں، اس لئے ایسا کہتے ہیں، آپ اگنور کیا کرو۔" روبینہ نے پیچھے مڑ کر سونیا سے کہا۔

☆......☆......☆

"میری سفارش سے نیاز کو اس میڈیکل کالج میں داخلہ ملا اور اب دیکھو تو اس احسان فراموش کو مجھے بتایا ہی نہیں کہ اس کو کال آگئی ہے، ادھر میں پریشان ہوں کہ اب تک جواب کیوں نہیں آیا۔" آصف نے روبینہ کو ڈائننگ ٹیبل پر کہا۔

"چھوڑیں آصف، نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا، انسان غیر کے ساتھ احسان کرے، وہ بہتر ہے کہ اپنوں سے کرے۔" سونیا نے سر جھکا جبکہ حنا اور سونیا بھی ٹیبل پر ناشتہ کررہی تھیں۔

"اب میرے پاس اتنا ٹائم تو نہیں ہوتا کہ ہر بات فون کرکے بتاؤں، مجھ پر بھی ناراض ہورہی تھیں کہ بچوں کو باہر بھیجنے کا انتظام کرلیا اور بتایا بھی نہیں، کیا اب کچھ کرنے سے پہلے ان کو بتانا ہوگا، ٹھیک ہے پہلے ڈسکس ہوجاتی تھیں، مگر وقت سدا ایک سا تو نہیں رہتا۔" روبینہ شکایتی لہجے میں بولی۔

"میرا خیال ہے روبینہ فون کرلیا کرو، تھوڑا مکھن لگالیا کرو۔" آصف نے سمجھایا۔

"پھر آپ کیوں ناراض ہورہے تھے، روبینہ نے پوچھا۔

"بس ایسے ہی غلطی ہوگئی، ایسا کرتے ہیں، شام میں آپی کے گھر چکر لگالیتے ہیں۔"

☆......☆......☆

"دیکھا کیسا جتا رہی تھیں، میں تو اپنی نند کے ساتھ یوں رکھتی ہوں، میری نند میرے بغیر چلتی نہیں ہے، ہونہہ شوباز۔" روبینہ گاڑی میں بیٹھتے ہی شروع ہوگئی۔

"صحیح کہہ رہی ہو بیگم، اتنا مکھن لگایا وقار بھائی کو، مگر مزاج ہی نہیں ملتے، ورنہ میں ایسے لوگوں کو منہ بھی نہیں لگاتا۔"

☆......☆......☆

"ایسی باتیں سن کر بڑے ہوئے ہیں ہم، اتنی نفرت ہے ہم لوگوں کے درمیان کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔" سونیا نے گہری سانس بھری۔

"نانی، خالہ اور ماموں وغیرہ سے کیسے تعلقات ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"وہ لوگ بھی اچھے نہیں ہیں، ان کے متعلق بھی almost (سیم کمنٹس) خیالات ہیں، صرف ہم اچھے ہیں، یہ رویے تھے ان لوگوں کے، بتائیے میں کیسے گھر بساتی، اس میں ایک سہیلی نے مشورہ دیا کہ شروع کے گیارہ سالوں میں بچوں کے چکر میں نہ پڑنا، بس اس مشورے نے سب کچھ ختم کردیا اور نتیجہ طلاق ٹھہرا۔"

"چلو ٹھیک ہے، پہلے والے میں تمہاری مما اور پھوپھو کا قصور ہے، مگر دوسرا اور پھر تیسرا۔" میں نے رک کر سونیا کو دیکھا۔

"دوسرا اور تیسرا۔ ندیم کو میرا کسی سے بات کرنا پسند نہیں تھا، روز روز کی جھک جھک سے میں بیزار ہوچکی تھی، آپ کو کیا بتاؤں، میری شادی ندیم سے کیسے ہوئی، رانگ نمبر تھا، میں نے تھوڑی دیر بات کرلی، پھر ہم روز رات کو بات کرتے، عدت کا بھی کچھ چکر تھا، میں بور ہوتی تھی، پھر وہ شادی کے لئے پیچھے پڑ گیا اور پھر عدت کے فوراً بعد میرے امی ابو نے میری شادی کردی۔" اس نے مختصراً بتایا۔

"اتنے بڑے حادثے کے بعد۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"پھوپھو ہر جگہ میرے قصیدے پڑھ رہی تھیں۔ میرے امی ابو نے سوچا کہ اس سے پہلے یہ بدنامی خاندان سے باہر نکلے، مجھے بیاہ دیا جائے اور پھر ندیم کے ساتھ گھر بسانے کی میں نے کوشش کی، مگر وہ ہر بات کو غلط رنگ دیتا۔

☆......☆......☆

"کون ہے اس وقت رات کے دو بجے۔" ندیم نے نیند میں پوچھا۔

"بھئی لندن سے طلحہ ہے، یہ دیکھیں اس کا نمبر۔" سونیا نے فون دکھا کر تسلی کروائی۔

"یہ کون سا وقت ہے فون کرنے کا۔" ندیم غصے سے بولا۔

"وہاں پر دن ہے اور آپ بھول گئے، ہم بھی اسی وقت باتیں کرتے تھے۔"

"یعنی تم کو تو رات کو بات کرنے کی عادت ہے، مجھ سے پہلے کس سے کرتی تھیں۔" ندیم نے پوچھا۔

"کوئی یاد تھوڑا ہی رہتا ہے۔" سونیا نے بات مذاق میں اڑائی۔

"تم انتہائی ذلیل عورت ہو، میں یہ بھول گیا تھا کہ جو عورت فون پر ساری رات غیر مرد سے بات کرتی ہو، اس کا کردار کیا ہوگا، میری ماں نے مجھے کتنا سمجھایا تھا کہ اس طلاق یافتہ عورت کا کوئی بھروسہ نہیں۔" ندیم نے زور سے کھینچ کر تھپڑ مارا۔

"بتاؤ کتنے عاشق ہیں تمہارے، اب کس سے شادی کروگی۔"

"تم نے مجھ پر ہاتھ کیسے اٹھایا، تم خود کو سمجھتے کیا ہو،

میں نے تم سے کبھی یہ پوچھا کہ تم نے کتنی لڑکیوں سے رانگ نمبر پر باتیں کی ہیں، میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں، نہ ہی مار کھانے والوں میں سے ہوں۔" سونیا نے کمرے سے چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کردیں۔

"ارے یہ کیا ہورہا ہے۔" ندیم کے والد نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کچھ نہیں ابو گلدان گر گیا ہے۔" ندیم نے اندر سے جواب دیا۔

"جھوٹ کیوں بولتے ہو، بولو میں نے مارا ہے، آپ کے بیٹے نے مجھے مارا ہے۔" سونیا دروازہ کھول کر باہر آگئی۔

"ندیم یہ کیا حرکت ہے۔" ندیم کے والد نے ندیم سے پوچھا۔

"اندر آجاؤ سونیا، ابو ہم سیٹل کرلیتے ہیں۔

"نہیں کرنا مجھے کچھ سیٹل، میں تم جیسے شکی آدمی کے ساتھ گزارا نہیں کرسکتی۔" سونیا جارحانہ انداز میں بولی۔

"بیٹا چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ نہیں ہوتے۔" ندیم کے والد نے کافی دیر تک سونیا کو سمجھا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

☆......☆......☆

"یہاں پر کیا کررہی ہو سونیا۔" ندیم نے سونیا کو بالکنی میں دیکھا تو کمرے سے آواز لگائی۔

"بالکنی میں کیا کرتے ہیں، نظارے کررہی ہوں، نظر نہیں آتا تمہیں۔" سونیا نے وہیں سے جواب دیا۔

"مگر تمہارے ہاتھ میں فون بھی ہے، اندر آکر بات کرو۔" وہ بولا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔" سونیا نے فون بیڈ پر پٹخا تو ندیم نے فوراً فون اٹھایا۔

"یہ کون ہے کس کا نمبر ہے۔"

"میں تم کو یہ سب بتانے کی پابند نہیں ہوں، مائنڈ اٹ۔" سونیا نے موبائل واپس چھین لیا۔

"پھر تم میرے گھر پر رہنے کی بھی پابند نہیں ہو، سمجھ گئیں۔"

☆......☆......☆

"دیکھیں یہ کوئی بات ہے ڈاکٹر، ہر وقت شک وشبہ کوئی سی آئی ڈی انسپکٹر بھی ایسا نہیں کرتا ہوگا، ایسے شخص کے ساتھ کتنے دن نبھ سکتی ہے، آپ بتایئے بھلا اس میں میرا قصور کتنا ہے۔" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"مگر اس میں تمہارے والدین کا کیا قصور ہے۔" میں نے پوچھا۔

"سارا قصور ہی انہی کا ہے، انہوں نے فوراً شادی کردی، انسان دیکھتا ہے، سوچتا ہے، مگر انہوں نے منگنی کا کیا سوال، پٹ بیاہ کردیا۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"سونیا، مگر اب وہ لوگ تم کو سمجھا رہے ہیں، تو تم کون سا ان کی بات ماننے کو تیار ہو، تم تو صرف اپنی منواتی ہو۔" میں نے تمام روداد سن کر کہا۔

"اب بھی یہ لوگ اپنا فائدہ دیکھ رہے ہیں، حدید نے جہیز میں فرنشڈ گھر مانگا ہے، تو ان کو پھوپھو ہی بھلی لگ رہی ہیں، نیاز بھی دوسری بیوی کو چھوڑ چکا ہے، پھوپھو کی اس سے بھی نہیں بنی۔" اس نے طنزیہ مسکرا کر کہا۔

"سونیا زندگی ایسے نہیں گزرتی اور خاص طور پر عورتوں کو تو بہت برداشت کرنا پڑتا ہے، گھر بنانے کے لئے قربانی دینا پڑتی ہے، تمہارے سامنے تمہاری والدہ کی مثال کافی نہیں ہے۔"

"کس زمانے کی بات کررہی ہیں ڈاکٹر، وہ دوسرا تھا، اب کا دوسرا دور ہے، میری بھابھیاں کیا میرے والدین کے ساتھ رہیں گی، ہرگز نہیں رہ سکتیں، ان کے ساتھ تو میں اب چار دن نہیں رہ سکتی، ہر دوسرے دن ان کی ایک نئی منطق ہوتی ہے۔" وہ بولی۔

"اچھا حنا کو تو ایسی شکایت نہیں ہے۔" میں نے نوٹ بک پر نظر ڈالی۔

"لو بھلا آپ کو کیسے پتہ، آپ کب ملی ہیں اس سے۔" اس نے سوال کیا۔

"ملی تو نہیں ہوں، مگر آپ کی والدہ کی میری اس موضوع پر بات ہوئی ہے، وہ تو ان سے مطمئن ہیں۔" میں نے جواباً کہا۔

"میرا خیال ہے آپ ایک دفعہ حنا سے بھی مل لیں، پھر آپ کو اندازہ ہوگا، خرابی کہاں ہے۔" وہ مطمئن انداز میں بولی۔

"نہیں مجھے حنا سے نہیں ملنا، دیکھو سونیا ہر عورت فطرتاً گھر پرست اور گھریلو مزاج رکھتی ہے، وہ جتنی بھی آزاد ہوجائے، مگر گھر اس کے لئے اتنا ہی اہم ہے، جتنا پرندے کے لئے آشیانہ، مرد گھر بناتا ہے اور عورت اس میں رہتی ہے، تم کو اپنے والدین کے گھر بھی وہ سکون نہیں ملے گا، جو شوہر کے گھر ملے گا۔" میں نے اس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جی صحیح کہہ رہی ہیں، اس لئے تو میں اور حدید اپنا گھر بنانا چاہتے ہیں۔" وہ فوراً بولی۔

"نہیں، سونیا تم اتنے غلط فیصلے کرچکی ہو کہ اب تم مزید کسی غلط قدم کی متحمل نہیں ہوسکتی۔" میں نے اس سے کہا۔

"مگر ان سب میں میرا قصور کتنا ہے۔" اب وہ گویا ہوئی۔

"ٹھیک ہے جس کا بھی قصور ہو، مگر زندگی تمہاری برباد ہورہی ہے، اس لئے تمہارے والدین چاہتے ہیں کہ اب جو فیصلہ ہو، وہ سوچ سمجھ کر کیا جائے، تمہارے پاس وقت ہے، اچھی طرح سوچو اور حالات کا جائزہ لو، باقی باتیں پرسوں کریں گے۔"

☆......☆......☆

"کیسا محسوس کررہی ہو سونیا۔" میں نے بات کا آغاز کیا۔

"ٹھیک ہے مجھ میں کیا خامیاں ہیں، مگر میں اپنے اس مطالبے سے دستبردار نہیں ہوسکتی۔" اس نے اپنی رٹ برقرار رکھی۔

"اچھا تیسری دفعہ طلاق کیوں ہوئی۔" میں نے نوٹ بک کھول لی۔

"امریکہ، نہ جانے کیا چیز ہے، امریکہ نہ ہوا، جنت ہوگیا ہو، امی کے کزن کا بیٹا، وہاں تو ویسے بھی شادیاں زیادہ دن نہیں چلتیں اور پھر اسد اور اس کے بچے جنات کے بچے بھی شریف ہوتے ہوں گے، بدتمیز، ال مینرڈ، میں تو خود اپنے بچے سنبھال نہیں سکتی تھی، انہوں نے غیر کے بچے پالنے کو دے دیئے۔ وہ میری (Marry) اور موسی توبہ، دونوں بہنیں بھائی نے مجھے ناکوں چنے چبوا دیئے اور پھر وہاں ہر کام ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے، وہ بچے میرا مذاق اڑاتے تھے، وہ کوکنگ بھی کرلیتے تھے اور مجھے انڈا ابالنا تک نہیں آتا تھا، میرے سامنے مجھ پر ہنستے، اف کتنے خوفناک دن گزارے ہیں میں نے امریکہ میں، میں تصور میں بھی نہیں لاسکتی۔" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"سونیا زندگی میں انسان کو ہر قدم پر کسی نہ کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہر خوشی کے ساتھ غم بھی ہوتا ہے، جب تک زندگی ہے، اس میں مسائل اور پریشانیاں آتی رہیں گی، چھوٹی چھوٹی باتوں سے زندگی کو کھیل تماشہ نہ بناؤ، مشکل حالات میں بھی ثابت قدم ہو، مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرو، رشتے ختم نہ کرو، لوگوں کو ہنسنے کے موقع نہ دو، زندگی کو زندگی کی طرح گزارو، ایک بہترین سوچ کے مطابق دنیا میں اچھے انسان کی تلاش مت کرو، بلکہ خود اچھے بن جاؤ، تمہارے اس عمل سے پھر تم کو کسی سے شکایت نہ رہے گی، زندگی ایک بار ملتی ہے، اب اگر تمہارا کوئی بچہ ہوتا، تو اس کی تربیت میں کتنا جھول آتا، تم اندازہ کرسکتی ہو کہ ایسے بچے جن کے ماں باپ میں علیحدگی ہوجائے تو پھر ان کی شخصیت میں کمی رہ جاتی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"میں کیسے اندازہ کرسکتی ہوں۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں ابھی کیا نام بتائے تم نے، شاید میری اور

موسی بھی تمہارے تیسرے شوہر کے بچے۔" (میں نے یاددلایا)

"اوہ! اچھا مگر مغربی بچوں میں کہاں کمی ہوتی ہے، وہاں نوے فیصد بچے اسی طرح بروکن فیملی کے ہوتے ہیں، بلکہ وہ تو بہت زیادہ کانفیڈنٹ ہوتے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر سوچ میں گم ہوگئی۔

☆......☆......☆

"یہ مما آپ کے لئے گفٹ ہے۔" سونیا جب ایئر پورٹ سے گھر میں داخل ہوئی تو میری (Mary) اور موسی نے اس کی طرف گفٹ بڑھایا۔

"تھینکس بیٹا۔" سونیا نے مسکرا کر گفٹ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"اوہ نو! اسے ابھی کھولیں۔" دونوں نے ضد کی۔

"اوکے بیٹا، پہلے میں ذرا فریش ہوجاؤں۔" سونیا نے مسکرا کر کہا۔

"NO,NO ابھی، اسے ابھی اوپن کریں۔" دونوں نے گفٹ اٹھا کر اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ سونیا نے جیسے ہی باکس کھولا تو ایک باکسر کا ہاتھ نکلا اور سیدھا سونیا کے منہ پر لگا۔

"اوہ یوناٹی گائز OH YOU NAUGHTY GUYS۔ ایسا مذاق کرتے ہیں۔" اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جسٹ فن پاپا جسٹ فن۔" JUST FUN PAPA۔

"بچوں کھانا لگ گیا ہے، جلدی سے آجاؤ۔" سونیا نے آواز لگائی۔

"یہ کیا پکایا ہے آپ نے۔" میری نے پوچھا۔ سالن دیکھ کر موسی نے بھی منہ بنایا۔

"ہم کو برگرز یا پیزا چاہئے۔ یہ آپ کھاؤ۔" میری نے پلیٹ کو دھکا مارا۔

"بدتمیزو، جاہلوں کھانا ہے تو کھاؤ، ورنہ ایسے ہی سوجاؤ، اتنی مشکل سے پکایا ہے۔" سونیا نے جواباً کہا۔

"ہم پاپا کو بتائیں گے کہ آپ ہم پر غصہ کرتی ہو۔" موسی بولا۔

"میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں، اپنی ماں کو بھی بلالو، جو میری جان پر بلائیں چھوڑ کر چلی گئی۔" سونیا نے موسی کو جواب دیا اور کھڑی ہوگئی۔

☆......☆......☆

"سونیا تم نے میرے بچوں کو ڈانٹا، تم پاکستان میں نہیں ہو، امریکہ میں ہو، یہاں بچوں کے ساتھ مس بی ہیو Mis behave نہیں کرسکتے، ان کی شخصیت خراب ہوتی ہے، آج غصہ کررہی ہو، کل مارو گی تو تم کو معلوم ہے کیا ہوگا۔" آصف نے آتے ہی سونیا کو لتاڑا۔

"اتنے بدتمیز بچے ہیں، تم خود ان کو سمجھادو کہ میں جو پکاؤں، چپ چاپ کھالیں۔" سونیا نے بھی بگڑ کر جواب دیا۔

"تم ان کو پسند کا احترام کراؤ تو کیا مشکل ہے۔" اسد بولا۔

"میں اپنی سہولت دیکھوں گی اور میں ان کی آیا بن کر نہیں آئی ہوں، میں نے کبھی اٹھ کر پانی بھی نہیں پیا تھا اور اب......" سونیا اتنا کہہ کر رونے لگی۔

"یہاں میں تم کو روٹیاں توڑنے نہیں لایا ہوں، یہاں پر رہنا ہوگا تو کام تو کرنا پڑے گا، ہوسکتا ہے کل تم کو کسی اسٹور پر بھی جاب کرنا پڑے۔" اسد یہ کہہ کر گھر سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

"اتنی سخت زندگی کی میں کیسے عادی ہوسکتی تھی ڈاکٹر اور پھر وہ بدتمیز بچے۔" اتنا کہہ کر وہ مجھے بغور دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر پلیز میری مما کو سمجھائیں، وہ اپنی ضد میں میری شادی نہیں کررہیں۔" وہ اسی بات پر آگئی جہاں سے ابتداء ہوئی تھی۔" اس نے التجائیہ کہا۔

"سونیا ایسا کرو حدید کو پہلے آزمالو، تاکہ اب کی دفعہ تم کو ان پریشانیوں سے دوچار نہ ہونا پڑے، جن سے گزر کر تم یہاں تک پہنچی ہو۔" میں نے اس کو سمجھایا۔

"کیسے آزماؤں، مما نے مجھے کہہ دیا تھا کہ تم کورٹ میرج کرلو تو میں اس کے پاس گئی تھی، مگر وہ نہ مانا، اس نے کہا کہ اس طرح شادی نہیں کروں گا، میں نے شاید آپ کو بتایا تھا، اسی طرح اس نے کہا کہ میری والدہ چونکہ ناراض ہیں کہ میں تین دفعہ کی طلاق یافتہ عورت سے شادی کررہا ہوں، تو مجھے شادی کرکے الگ رہنا ہوگا، چونکہ بینک میں اس کی نوکری اتنی پرانی نہیں ہے، اس لئے ہاؤس لون نہیں مل سکتا، اس لئے اس کے پاس گھر خریدنے کے پیسے نہیں ہیں، ایک ماہانہ منیجر کی کیا تنخواہ ہوتی ہے، آپ کو اندازہ تو ہوگا، اس لئے وہ جہیز میں گھر بھی مانگ رہا ہے، اب بتائیے، شادی ہو تو کیونکر ہو۔" اس نے اب کے مجھے سمجھایا۔

"سونیا اگر تمہارے امی ابو گھر دے بھی دیں، تو تم اس کی ماہانہ تنخواہ میں کیسے گزارا کروگی۔" میں نے سوال کیا۔

"GOOD QUESTION۔" وہ مسکرادی۔

"ظاہر ہے شادی کے بعد ابو اپنے داماد کی تنخواہ اور پوسٹ دونوں بڑھوادیں گے۔" اس نے مسکرا کر بات پوری کی۔

"اور میرے کہنے کے باوجود بھی تمہارے والدین نے تمہاری شادی حدید سے نہ کی تو پھر کیا کروگی۔" میں نے نوٹ بک بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں کورٹ میں جاکر اپنا حصہ مانگوں گی اور پھر حدید سے شادی کرلوں گی۔" اس نے یہ کہہ کر مجھے بالکل خاموش کردیا۔

"ٹھیک ہے اپنی مما کو کہنا کل آکر مجھ سے مل لیں، زیادہ وقت نہیں لوں گی ان کا۔"

"تھینک یو ڈاکٹر، تھینک یو ویری مچ۔ (وہ مسکرادی) THANK YOU VERY MUCH

"روبینہ جی، آپ سونیا کی بات مان لیں۔" میں نے ان سے نرمی سے کہا۔

"وہ ہم کو بلیک میل کررہی ہے، اور ہم بلیک میل ہوجائیں گے۔" وہ غصے سے بولیں۔

"پھر کیا کریں گی آپ؟" میں نے سوال کیا۔

"ہماری مجبوری کا تو فائدہ اٹھا رہی ہے، ورنہ وہ دو کوڑی کا شخص اس کی حیثیت کیا ہے، بینک کا معمولی ملازم ہے، مگر اس کی شہ پر وہ ہمارے سامنے آکر کھڑی ہوگئی ہے۔ دونوں کو دیکھ لیں گے ہم۔" وہ شدید غصے میں تھیں۔

"آپ حدید سے بہت ساری باتیں منوا سکتی ہیں۔" میں نے ان کو سمجھایا۔

"وہ ہمارا داماد بننے کے قابل نہیں ہے، جس بینک کے یہ پریذیڈنٹ ہیں، یہ اسی بینک میں معمولی منیجر ہے، اس کے اور ہمارے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے، اب اس کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"روبینہ جی یہ کیسی باتیں کررہی ہیں آپ۔" مجھے ان کے رویے پر بے انتہا افسوس ہوا۔

"اوہ Sory، میں کچھ زیادہ ہی غصے میں آگئی تھی، خیر آپ کا بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔

"کس بات کا شکریہ روبینہ جی۔"

"آپ نے کم از کم مجھے برا بھلا تو نہیں کہا، ورنہ خیر چھوڑیں۔"

"مگر میں پھر بھی کچھ کہنا چاہوں گی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"جی فرمائیے۔" وہ بے نیازی سے بولیں۔

"اتنے سیشن ہوئے، اتنی ڈسکشن ہوئی، میں خاطر خواہ آپ دونوں کو سمجھاتی رہی، مگر آپ دونوں نے اسے قابل اعتنا نہ جانا حالانکہ......

ہے عمل لازمی تکمیل تمنا کیلئے
ورنہ رنگین خیالات سے کیا ہوتا ہے

آپ کی درخواست پر میں نے علاج شروع کیا تھا، مگر آپ دونوں کی رسہ کشی میں فریقین میں سے کسی کی اصلاح نہ ہوسکی اور شاید آپ لوگوں نے اس طرف توجہ ہی نہ کی۔" میں نے بات مکمل کی۔

"ڈاکٹر ہم جس ماحول میں رچ بس گئے ہیں، وہاں سے ہمیں نکلنا مشکل ہی نہیں، ناممکن لگتا ہے اور پھر ہم سوچتے ہیں کہ نیک بننے کے لئے کافی عمر پڑی ہے اور ان کچھ سیشن سے کیا ہوتا ہے اور اب وقت نہیں ہے۔"

"اتنا کہہ کر وہ کھڑی ہو گئیں اور خدا حافظ کہہ کر نکل گئیں، اب تک قارئین نے جتنے بھی کیس پڑھے ہیں، ان میں لوگوں کی اصلاح کافی حد تک ہوئی، مگر کچھ کیسز ایسے بھی ہیں، جن کو سمجھنے اور حل کرنے کے لئے میں نے لوہے کے چنے چبائے، مگر نتیجہ دھات کے تین پات رہا، اس کی وجہ کچھ بھی ہو، مگر جہاں تک میں سمجھ پائی، وہ انسان کی اپنی "میں" ہے، جس میں وہ خود کو سب سے بہتر اور ان کا ہر فعل صحیح ہونا نظریہ ہے، عام طور پر یہ "میں" ہر کسی میں ہوتی ہے، یعنی یہ "انا" کا عنصر، مگر کچھ کیسز میں یہ انتہائے شدید ہوتی ہے، جس کا تدارک بصد کوشش کے بھی نہیں ہو پاتا اور اس میں ہم اسے اللہ تعالیٰ کی منشاء ہی سمجھتے ہیں، سونیا اور روبینہ جی بھی اپنی "میں" کے حصار سے باہر ہی نہیں نکلیں کہ وہ کسی اور طرف توجہ دیتیں اور پھر میڈیا اور دین سے دوری نے جو ہمارے معاشرے کو مغربی رنگ دیا ہے یہ اس کی ایک مثال ہے، خیال کیجئے کیا ہمارے گھروں میں ایسے کرداروں نے جنم لینا تو نہیں شروع کر دیا جن کو دیکھ کر بے اختیار یہ مصرعہ ہونٹوں پر آجاتا ہے۔

"ہم ڈوبیں ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔"

اس کہانی کے کسی بھی کردار سے مشابہت محض اتفاقیہ ہوگی، کیونکہ یہ معاشرے کے عمومی منفی رویوں کو زیر بحث لا کر ان کی اصلاح کے طریقوں کو اجاگر کرنے کی ایک مخلصانہ کوشش کی گئی ہے، آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں امر بالمعروف نہی عن المنکر کا پابند بنائے اور ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، یارب العالمین۔

بہر حال و بہر صورت لکھنے والی اپنے حق میں دعائے خیر و مغفرت کی درخواست اپنے ہر پڑھنے والے سے بہ منت و لجاحت کر رہی ہے، دعا فرمایئے اور اپنا اجر اپنے رب سے پایئے۔ آپ کی باجی فردوس

☆......☆......☆

نبی رحمت کی تحمل مزاجی

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں عفو درگزر، تحمل، برداشت اور دوسروں کو معاف کرنے کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ تاریخ انسانیت میں کسی نے دوسروں کی غلطیوں کو اتنا معاف نہیں کیا، جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں کی غلطیوں کو معاف کیا۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہم سب کے لئے باعث تقلید ہے۔

مولانا عبدالکلام آزاد لکھتے ہیں: "مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار کے باوجود عفو درگزر انسانیت کے وہ نوادر ہیں، جو کسی ایک زندگی میں اس طرح جمع نہیں ہوئے، جیسے نبی علیہ السلام کی زندگی میں جمع ہوئے۔"

قاضی عیاض "شفاء شریف" میں لکھتے ہیں: "اور ان کو دشمن جتنی تکلیف پہنچاتے تھے، اتنا ان کا صبر بھی بڑھتا تھا۔"

ترجمہ: "اور جاہل جتنا ان کے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے تھے، ان کا حلم اتنا زیادہ ہو جاتا تھا۔"

آپ نے دیکھا ہوگا، انسان کی قوت برداشت کا سب سے زیادہ مظاہرہ اپنے قریب والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

بیوی بچوں کے ساتھ، ماتحتوں کے ساتھ، نوکروں اور خادموں کے ساتھ، نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی میں دیکھیں، جو جتنا زیادہ قریب تھا، وہ نبی علیہ السلام سے اتنا ہی زیادہ محبت کرنے والا تھا۔

(انتخاب:......آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)



مکافاتِ عمل

خالدہ سعید

"ارے گل خان بیٹا! میں صبح سے گرمی میں جھلس رہا ہوں، مجھے سائے میں چارپائی ڈال دو۔" تاج محمد نے زور سے چلاتے ہوئے بیٹے سے کہا، مگر کسی نے بھی اس کی پرواہ نہیں کی۔ آپ غلط سمجھے کہ اس کے بیٹے ظالم ہیں، نہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ تاج محمد تو پڑا ہی سائے میں ہے، مگر روزانہ یہی الفاظ دہراتا رہتا کہ مجھے سائے میں چارپائی ڈال دو، ہر وقت بیوی بچوں کو گالیاں دیتا، نہ کسی کو سننے دیتا ہے اور نہ کسی کی سنتا ہے، کیونکہ وہ بہرا بھی ہے اور اندھا بھی، اکثر وہ یہی الفاظ دہراتا رہتا ہے کہ "اے اللہ! اب مجھے اٹھا لے، دنیا میں خدا نے جیسی کرنی کا صلہ دیا ہے، آخرت میں اس سے بھی زیادہ عذاب ملے گا۔"

"اے اللہ! معاف کر دے مجھے، واقعی دنیا مکافات عمل ہے، میں نے بھی تو کسی کو اسی طرح ستایا تھا، جس کا عذاب اب بھگت رہا ہوں اور بھی بہت کچھ کہتا، اس کے بعد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ جاتا۔" مگر اب اس کے بچے یہ سب کچھ سن سن کر تنگ آگئے تھے کہ یہ ابا ہر وقت کیا کہتے رہتے ہیں، کس پر ابا نے ظلم کیا تھا، اپنی زندگی میں......؟ سوچ سوچ کر تنگ آگئے، مگر بات کا سرا نہ ملا......

آخر تنگ آ کر انہوں نے اپنے ذہن سے یہ بات بھی نکال دی، کچھ دن اسی طرح گزر گئے مگر پھر بھی وہی روٹین رہی تاج محمد کی، آخر بھائیوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ ابا سے ساری بات پوچھیں گے کہ آخر کیا ظلم آپ نے کیا تھا، جو آپ کو صلہ دیا جا رہا ہے، اس ظلم کا اور کس پر ظلم کیا تھا......؟ آخر ایک دن ساری بات اس کے بڑے بیٹے گل خان نے ابا سے پوچھنی چاہی، مگر وہ ٹال گئے، دو تین دن اسی اضطراب میں گزر گئے، مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا، آخر پھر ہمت کر کے ابا کے پاس بیٹھ ہی گئے، دو تین باتیں ادھر ادھر کی پوچھیں، تھوڑی دیر بعد اپنے مقصد کی طرف آگئے، بہت ساری منتیں کیں کہ ابا آپ تو بہت اچھے ہیں، لوگ بھی آپ کی عزت کرتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ آپ ہر وقت...... تاج محمد نے ان کی بات درمیان سے کاٹ کر کہا۔ "مجھے معلوم ہے تم لوگ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" "تو سنو، اپنے ابا کی گستاخانہ زندگی کی کہانی آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے۔"

☆......☆......☆

"تاج محمد اور فراز محمد صرف دو ہی بھائی تھے، وہ گاؤں میں پیدا ہوئے، ان کی کوئی بہن نہیں تھی، یہ دونوں ماں باپ کے لاڈلے تھے، ان کا باپ کھیتوں میں کام کرتا تھا، سراج محمد نے بہت کوشش کی کہ میرے دونوں بیٹے تعلیم یافتہ بن جائیں، مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔" فراز محمد تو باپ کے ساتھ سارا دن کھیتوں میں کام کرتے گزار دیتا، مگر تاج محمد اپنے دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرتا، کیونکہ وہ صدا کا ڈھیٹ تھا، اس کو کسی کی نصیحت کرنا گوارہ

نہ تھا، ماں باپ کا نافرمان، ماں کو گالیاں دینا اور اس کو تنگ کرنا محبوب مشغلہ تھا، نہ نماز، نہ روزہ...... جبکہ فراز محمد اس کے برعکس تھا، نماز روزے کا پابند، ماں باپ کا فرمانبردار، چھوٹے بڑے کا ادب کرنے والا، سنت رسول چہرے پر سجائے بڑا منفرد نظر آتا تھا، اس کی ماں کا نام رشیداں اور والد کا نام سراج محمد ہے، رشیداں نابینا تھی، ہر روز صبح سویرے کنوے سے پانی بھرنے جاتی، جو گھر نزدیک ہی تھا، تاج محمد باپ بھائی سے چھپ کر عشاء کے وقت بیلچا وغیرہ لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا، گھر کے سامنے گڑھا کھودنا شروع کردیا، آخر اس نے تھوڑی ہی دیر میں چھ فٹ کا گڑھا کھودلیا، تو کنوے سے پانی کے ڈول بھر بھر کے گڑھے میں ڈالنے لگا اور دل ہی دل میں مسکرانے لگا کہ کام مکمل ہونے والا ہے، اس کے بعد گڑھے پر لکڑیاں رکھنی شروع کردیں، اب اس نے جائزہ لیا تو صرف لکڑیاں ہی نظر آرہی تھیں، گڑھے کا نام ونشان نہ تھا، اب تاج محمد نے ہاتھ جھاڑے اور گھر کو چل دیا، صبح سویرے جب رشیداں کنوے سے پانی بھرنے جانے لگی تو تاج محمد بھی چھپ کر اس کے پیچھے چل دیا، جب رشیداں اس گڑھے کے قریب پہنچی تو تاج محمد کا قہقہہ بلند ہوا، پھر بھی اس کی ماں نے کوئی پرواہ نہیں کی، بلکہ اپنی چھڑی کی مدد سے چلتی رہی، رشیداں کو معلوم ہوگیا تھا کہ تاج محمد بھی میرے پیچھے آرہا ہے، وہ تاج محمد سے ناراض تھی، اس لئے اسے کچھ بھی نہیں کہا، اس نے سوچا، جلدی سے پانی بھر لاؤں، تاکہ دیر نہ ہوجائے، باپ بیٹے کو کام پر جانے کی دیر ہوجائے گی، ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ گڑھے کی لکڑیوں میں پاؤں الجھ گیا، ادھر تاج محمد کا ہنس ہنس کے برا حال ہورہا تھا، ادھر اس کی ماں گڑھے میں دیکھتے ہی دیکھتے دھنستی چلی گئی، ادھر فراز محمد اور سراج محمد کا انتظار کرتے برا حال ہونے لگا کہ روزانہ تو رشیداں پانی لے کر جلدی آجاتی ہے، مگر آج اسے کیا ہوگیا ہے کہ آنے کا نام نہیں لے رہی......؟

سراج محمد نے سوچتے ہوئے فراز محمد کو آواز دی۔ فراز پتر جاؤ، جا کر اپنی اماں کا پتہ کر کے آؤ، کہیں کنوے میں تو نہیں گر گئی۔ فراز محمد نے چپل پہنی اور جلدی سے گھر سے باہر نکل گیا، سامنے کیا نظر اٹھائی کہ فراز محمد کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، سامنے اس کی ماں رشیداں گڑھے میں تیر رہی تھی، پتا نہیں محمد تاج کب غائب ہوگیا تھا، فراز محمد الٹے پاؤں گھر کی طرف دوڑ لگادی، اپنے ابا سراج کو ساری بات بتائی تو دونوں نے آگے پیچھے باہر کی جانب دوڑ لگادی، سراج نے اپنی بیوی کو اس حالت میں دیکھ کر دھنگ رہ گیا اور جلدی سے دونوں باپ بیٹے نے مل کر رشیداں کو گڑھے سے نکالا تو وہ بے ہوش ہوچکی تھی، جلدی سے فراز محمد چارپائی لے آیا، سراج بھی ٹیکسی پکڑ لایا، رشیداں کو ٹیکسی میں ڈال کر اسپتال لے گئے۔

''ڈاکٹروں کی کوشش کے باوجود رشیداں کو ابھی تک ہوش نہیں آرہا تھا۔'' سراج اور فراز محمد دونوں رشیداں کے ہوش میں آنے کی دعائیں کررہے تھے سراج سوچ سوچ کر یہ جاننے کی کوشش کررہا تھا کہ...... ہمارے گھر کے سامنے گڑھا کھودا کس نے ہے......؟

آخر کار وہ بات کی تہہ تک پہنچ ہی گئے، دو دن پہلے ہونے والا واقعہ سراج کے ذہن میں گھوم گیا۔ ''امی میں شادی کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ بھی اپنی پسند کی، اماں میں ابا کو ان کے گھر کا پتہ بتادوں گا، ابا اور آپ کل صبح ہی چلے جانا۔''

''تاج محمد اپنی ہی دھن میں کہتا چلا گیا، مگر اس کے اماں اور ابا پر جیسے اس نے بم گرادیا ہو، وہ دونوں سکتے کی حالت میں اسے دیکھتے رہ گئے۔''

''ہرگز نہیں، میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' رشیداں خاتون نے زور سے چلاتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا۔

''ارے!! رشیداں ابھی صبر سے کام لے، کیوں اتنی جذباتی ہورہی ہے۔''

''ہاں تو تاج محمد پتر کون ہے وہ اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔'' سراج نے اپنی بیوی کو سمجھاتے ہوئے آرام سے تاج محمد سے پوچھا۔

''ابا وہ نزدیکی شہر میں ہی رہتی ہے، ابا اس کا فوت ہوگیا ہے، اس کی ماں جھاڑو لگاتی ہے محلّہ میں اور وہ لڑکی بھی ماں کا ہاتھ بٹاتی ہے، خاندان کا نام ونشان نہیں ہے، بس صرف یہی تک مجھے معلوم ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ خاموش ہوگیا۔ ''اچھا تو وہ ماں بیٹی بھنگن ہیں۔'' سراج نے ساری بات اطمینان سے سنی۔

''ہاں ابا آپ ٹھیک سمجھے۔'' تاج محمد نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''شرم تو نہیں آئے گی تمہیں ''بھنگن'' سے شادی کرتے ہوئے، مگر میرا بھی آخری فیصلہ ہے کہ کچھ بھی ہوجائے، میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی اور ہاں فراز کے ابا، آپ بھی سن لیں، اس معاملے میں آپ نے کوئی بات نہیں کرنی، صرف اور صرف میری چلے گی، پہلے بھی تو تیرے یہ لاڈلہ بہت آگے نکل گیا ہے بلکہ سر پر سوار ہوگیا ہے، کتنے خواب آنکھوں پر سجائے تھے کہ ہمارے بیٹے بڑھاپے میں سہارا بنیں گے، مگر...... رشیداں خاتون بات کرتے کرتے رونے لگ گئی، فراز نے آگے بڑھ کر اماں کو پانی پلایا۔ تاج محمد آگ بگولا ہو کر اٹھا اور بولا۔

''میرا بھی آخری فیصلہ سن لیں، میں نے شادی کرنی ہے تو صرف اور صرف بختاور سے کرنی ہے۔'' اور ہاں اماں۔ ''تو بھی سن لے میری شادی میں رکاوٹ نہ بن، ورنہ مجھے جانتی ہو، میں تمہیں سکون سے نہیں رہنے دوں گا، بہتر یہی ہے کہ تم اپنی اوقات میں ہی رہو، پہلے اپنی آنکھوں کا بندوبست کرو، پھر کسی کی باتوں اور مسئلوں میں ٹانگ اڑانا۔'' تاج محمد آخری بات پر بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے چلتا بنا۔ فراز محمد کو تاج کا یوں ماں کا مذاق اڑانا بہت برا لگا، وہ غصے سے تلملا اٹھا، مگر کر بھی کیا سکتا تھا، پہلے بھی تو وہ اسی طرح بدتمیز تھا، مگر آج کی طرح ماں کی بینائی پر بھی مذاق نہیں اڑایا تھا۔ رشیداں کی بھی آنکھیں دوبارہ نم ہوگئیں۔

شام کو جب رشیداں کسی کام کے لئے چارپائی سے اتری ہی تھی کہ تاج محمد نے اس کے آگے چھڑی کردی، جس کی وجہ سے وہ دھڑام سے منہ کے بل گر گئی، تاج محمد کا پھر قہقہہ بلند ہوا۔ وہ تو شکر ہوا، رشیداں کو چوٹ وغیرہ نہیں لگی، اس لئے اب کھڑی ہونے میں کامیاب ہوگئی۔

''اماں آگے دیکھتی جا کہ کیا ہوتا ہے، بہتر یہی ہے کہ میری شادی بختاور سے ہونے دے، ورنہ پچھتاؤ گی بہت۔''

''بے غیرت جو بھی کرے، میں پھر بھی تیری شادی بھنگن سے نہیں ہونے دوں گی۔'' رشیداں غصے سے کہتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔

''میں بھی تمہیں ایسے سبق سکھاؤں گا کہ پوری عمر یاد رہے گا۔'' تاج محمد نے شیطانی ہنسی ہنستے ہوئے سوچا۔

ہاں تو یہ کام بھی اسی شیطان نے کیا ہے، کہا بھی تھا اس شیطان کی باتوں میں نہ پڑو تمہارا جینا حرام کردے گا، مگر رشیداں کسی کی سنتی کب ہے، اللہ کرے ہوش میں آجائے، سب ٹھیک ہوجائے گا، سراج محمد خود کو دلاسہ دینے کی کوشش کررہا تھا، اس کو آس پاس کی بھی خبر نہیں تھی۔

''ارے!! بابا جی صبح سے آواز دے رہی ہوں کہ آپ کا مریض ہوش میں آگیا ہے، اب آپ کمرے میں اسے دیکھ سکتے ہیں۔'' سراج نے آواز کی سمت دیکھا، وہاں نرس کھڑی تھی اسی کے انتظار میں، سراج خیالوں کو جھٹک کر رشیداں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، جہاں فراز محمد بھی اسی کے انتظار میں کھڑا تھا۔

''آج تاج محمد کی خوشی نہیں چھپ رہی تھی، کیونکہ آج اس کی شادی ہے، ہاں ہاں آپ ٹھیک سمجھے، اس کی شادی بختاور سے ہی ہورہی ہے، کیونکہ آج اس شادی سے انکار کرنے والی جو نہیں ہے، ابھی اسے اس دنیا سے گئے ہوئے مہینہ ہوا ہے، مگر کسی کو کیا پرواہ۔

''رشیداں کے ہوش میں آتے ہی سراج نے اسے

بتایا کہ وہ گڑھا تاج محمد نے ہی تمہارے لئے کھودا ہے، تمہیں منع جو کیا تھا کہ اس کی باتوں میں نہ آؤ، مگر تو نے میری سنی ہی کب ہے جو اس وقت سنتی۔" رشیداں کا یہ سب سننا تھا کہ اسی دم بلڈ پریشر اتنا تیز ہوا کہ ڈاکٹر بھی بے بس ہوگئے، اسے بچاتے ہوئے۔

"شام کے تقریباً چار پانچ بجے ہی دم ٹوٹ گیا، رشیداں اگلی دنیا سنوار گئی، فراز محمد بچوں کی طرح دھاڑیں مار کے رویا، پھر رشیداں کو دفنا دیا گیا، اسی دن کے بعد فراز محمد بھی گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا، آج تک کوئی خبر نہیں آئی کہ وہ کہاں گیا، زندہ ہے کہ مر گیا ہے، کسی کو کچھ خبر نہیں۔" سراج محمد بھی ہر وقت روتے رہتے، ایک بیوی کی جدائی، دوسرا پیارے فرمانبردار کا بچھڑ جانا۔ اسی طرح کئی سال و ماہ بیت گئے۔" آخر موت کو بھی اس پر ترس آگیا، سراج محمد بھی اس دنیا فانی سے چل بسا۔"

اب صرف اور صرف تاج محمد کی ہی چل رہی تھی، اسے اپنی بیوی بختاور سے بہت پیار ہے، تاج محمد کے بیٹے بھی جوان ہوگئے تھے، وہ اپنے باپ کے بہت فرمانبردار تھے، سب خوش باش زندگی گزار رہے ہیں۔

"ابا جان آج کہیں سیر کرنے چلیں ناں......" تاج محمد کے بڑے بیٹے گل خان نے آکر کہا۔

"کدھر......؟" تاج محمد نے پوچھا۔ "جدھر آپ کی مرضی ابا جان۔"

"اچھا ٹھیک ہے پھر اماں کو بھی کہو، تیار ہو جائے، سب اکٹھے چلتے ہیں۔" تاج نے کہا، تو وہ خوشی خوشی اماں کی طرف دوڑ لگا دی، سب کے سب دس بیس منٹ میں تیار ہو کر سیر کے لئے نکل پڑے، جاتے جاتے ایک دم گاڑی کو جھٹکا لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی الٹ گئی، پھر کیا تھا، چیخ و پکار مچ گئی، تاج محمد کے بیٹے مکمل بچ گئے تھے، بیٹے ماں باپ کو اسپتال لے گئے، تاج محمد بے ہوش ہوگیا تھا، مگر بختاور کی اسی وقت ٹانگ کاٹنی پڑی، تاج محمد کی ٹانگیں بازو تو بالکل سلامت تھے، مگر...... مگر بینائی ختم ہوگئی تھی اور کان بھی سننے سے محروم ہوگئے تھے، کچھ دن بعد اسپتال سے گھر آگئے، ان کے بیٹے ہر طرح سے ماں باپ کا خیال رکھنے لگے، مگر وہ بہت پریشان اس بات پر ہیں کہ جہاں بھی تاج محمد کی چارپائی رکھتے ہیں، اسی جگہ ہی بہت سارے لال بیگ چارپائی کے گرد چکر کاٹنے لگتے ہیں، سارا دن تو خیال رکھتے ہیں، مگر رات جب سو جاتے ہیں تو وہ لال بیگ تاج کے جسم پر چمٹ جاتے ہیں، تاج محمد اتنا شور مچاتا ہے کہ سب ہڑبڑا کر اٹھ جاتے ہیں، تاج کو لال بیگوں سے آزاد کراتے ہیں، تاج محمد پھر زور زور سے اپنے آپ کو کوسنے اور گالیاں دینے لگ جاتا۔"

"میں اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہوں، بیٹوں مجھے اکیلا چھوڑ دو اور سب جا کر سو جاؤ، یا مجھے کہیں دور دراز جنگل میں پھینک آؤ، تاکہ مجھے جنگلی درندے چیر پھاڑ کر کھا جائیں، اے اماں مجھے معاف کر دے، میں جیتے جی مر رہا ہوں، پلیز اماں مجھے معاف کر دے، میں نے تمہیں بہت ستایا تھا، تو نے اف تک نہیں کی تھی اور چپ چاپ دنیا سے چلی گئی، مجھے آخر بار میری سزاؤں کے بدلے پیٹ لیا ہوتا، مگر تو نے تو مجھے کچھ بھی نہ کہا، کچھ تو کہہ دیتی، مجھ گناہگار کو ایک بار تو معافی کی مہلت دی ہوتی، مگر تو تو مجھ سے بہت خفا تھی، آخری وقت بھی میرا نام ہی تیری موت کا سبب بنا، مجھے معاف کر دے، پلیز مجھے صرف ایک بار معاف کر دے، تاج محمد کی حالت غیر ہونے لگی تھی، چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے جسم ڈھیر ہوگیا، آنکھیں پھٹی رہ گئیں، گل خان بھاگ کر جب نزدیک پہنچا تو کچھ بھی نہ بچا تھا، تاج محمد اگلی دنیا سدھار گئے تھے، موت نے اس پر رحم کر لیا تھا، پتا نہیں تاج محمد کے ساتھ آگے کیا ہونے والا تھا، یہ تو صرف وہ اور اس کا رب جانتا ہے، دنیا میں بھی عذاب آخرت میں بھی عذاب، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے اور اپنے ماں باپ کا فرمانبردار بنائے۔

☆......☆......☆



اعتراف جرم

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ماڈرن خاتون کا عبرت ناک واقعہ

مریم حسن پیلاں

قرآن پاک میں سورۂ زخرف کی آیت نمبر 34 میں ہے کہ" دراصل یہ کتاب (القرآن) تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے بہت بڑا شرف ہے اور عنقریب تم لوگوں کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ کتاب (یعنی قرآن) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے، جس پر، اور جن کے لئے نازل کیا جا رہا ہے، ان کے لئے بہت بڑی فضیلت، عزت، اکرام اور شرف و وقار کا باعث ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام" سچا کلام" یہ آخری کتاب، پروردگار کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب...... جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ پاک نے خود لیا ہے، جو رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کیلئے ہدایت کا راستہ اور روشنی کا مینار ہے۔

وہ اس قدر مکمل، مفصل اور مجمل ہے کہ اس کے نزول کے بعد ارشاد فرمایا کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور دین اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کر لیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ سبحان اللہ...... پروردگار عالم نے ہم پر اپنی نعمت تمام کرنے کا اعلان کر دیا۔ یہی وہ نعمت ہے۔ جس کی طرف سے ہم غافل ہے، کیسی بد نصیبی، کیسی غفلت اور بے قدری ہے اور ہم نے اس کا جواب دینا ہے، ہمارے پاس کیا جواب ہے، ہم دنیاوی لذتوں میں کھو گئے، ہمارے ضمیر مردہ ہوگئے، ہم نے آخرت کو بھلا دیا۔

شیطان نے ہمیں سبز باغ دکھائے اور ہم اس کے بہکاوے میں آگئے یا ہمارے نفس نے ہمیں گمراہ کر دیا، دنیا نے اپنی چمک دمک جو پل دو پل کے لئے تھی، وہ دکھائی اور ہم زیادہ سے زیادہ مال کے کمانے کے لئے سرگرم عمل رہے۔

"حتیٰ کہ ہم نے قبریں جا دیکھی۔"

مال اور اولاد کی بہتات نے ہماری عقلوں کو ماؤف کر دیا، ہم دنیاوی مزوں کے پیچھے دیوانے ہوگئے، ہماری اولاد بہترین لباس پہنے، بہترین کھانے کھائے، لیکن اس کے اخلاق، تربیت، دینداری، نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور کردار کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، جیسے کہ ہمیشہ ہمیشہ یہاں ہی رہنا ہے اور یہ بھول گئے کہ "یہ مال اور اولاد فتنہ ہے۔" اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ پروردگار عالم نے فرمایا کہ ہم جو انہیں مال اور اولاد سے مدد دیئے جا رہے ہیں تو کیا سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں بھلائیاں دینے

میں سرگرم ہے، ہرگز نہیں، بلکہ یہ ان کی آزمائش ہے، مگر یہ جانتے نہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد انگریزی بولے، انگلش اسکولوں میں تعلیم حاصل کرے، غیر ملکی اور غیر مسلم معاشرے کی ہر تہذیب اور کلچر سے واقف ہو، کیونکہ یہاں سے اولیول اور اے لیول کر کے اس نے اسی تہذیب کا حصہ بننا ہے، اگر وہ اچھی انگریزی نہیں بول سکے گا، وہاں نکو بن جائے گا، داخلہ نہیں ملے گا اور ترقی نہیں کر سکے گا اور اپنے ہم چشموں میں ذلیل وخوار ہو کر رہ جائے گا، ہم اپنے حلقہ واحباب میں کیا منہ لے کر جائیں گے۔ گزشتہ دنوں ایک بہت ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ، ماڈرن، خوبصورت، مہذب، نوکری یافتہ، اعلیٰ ترین عہدے پر فائز، بہترین گھر وگاڑی اور تنخواہ رکھنے والی خاتون سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے احوال جو من وعن حاضر ہیں۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام!"

آپ ڈاکٹر شگفتہ ہیں، کسی نے مجھے اشارہ کر کے بتایا تو میں اپنی پلیٹ لے کر آپ کے پاس آ گئی۔

"بہت بہت شکریہ جی، آپ نے ٹھیک پہچانا۔"

"آپ بہت اچھا لکھتی ہیں، مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے، زندگی اتنی مصروف ہے کہ وقت نکالنا بہت مشکل ہے، لیکن جب کبھی سفر کرتی ہوں تو اس دوران مطالعہ ضرور کرتی ہوں۔"

"مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کتابوں کو دوست رکھتی ہیں، انسانیت کی بنیاد ہی علم ہے اور کتابیں ہمیں اپنا علم عطا کرتی ہیں۔"

"بس جی اللہ کا کرم ہے اور اس کی مہربانی ہے، ہم کراچی سے نئے نئے اسلام آباد شفٹ ہوئے ہیں، میرے شوہر ایک بینک میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں، ان کا ٹرانسفر ہو گیا، پھر ویسے بھی کراچی میں امن وامان کی حالت اچھی نہیں ہے، وہاں رہنا بہت ہی اذیت بن چکا ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

"میں نے کراچی یونیورسٹی سے ماسٹرز کیا ہے، اسکالرشپ ملی تو میں باہر چلی گئی۔ PHD کر کے آئی تو رشتوں کی لائن لگ گئی، پھر قرعہ فال میرے شوہر کے نام نکلا، شادی ہوئی تو میں نے کہا کہ میری تعلیم کا قوم کو کوئی فائدہ ہونا چاہئے، ورنہ میری ڈگریوں کو تو دیمک چاٹ جائے گی، ایک بہت اچھے کالج سے پرنسپل کی پوسٹ کی آفر ہوئی، تعلیمی بورڈ کی ممبر بنی، پھر سیکنڈری بورڈ کی ممبر بنی، غرضیکہ مصروفیات بڑھتی ہی گئیں۔"

"تو گویا وہ دن اور آج کا دن، آپ نے کہیں بریک نہیں لگائی۔"

"بچے کتنے ہیں؟"

"میرے چار بچے ہیں۔"

"قدرت آپ پر کس قدر مہربان ہے کہ اس نے دنیاوی نعمتیں آپ پر تمام کر دی، آپ نے جو مانگا، سو پایا۔"

"جی بس اللہ کا شکر ہے۔"

"بچے کون سی کلاسز میں ہیں؟"

"ماشاء اللہ سارے بچوں نے اے لیول کیا، بہت اچھی انگلش بولتے ہیں، بڑی بیٹی نے اکنامکس میں ایم اے کیا ہے اور اس کی شادی ہو گئی ہے، وہ امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا میں ہوتی ہے، ماشاء اللہ اس کے دو بیٹے ہیں۔"

"11 ستمبر 2001ء کے بعد وہ وہاں کیسا محسوس کرتی ہے، کبھی واپسی کا سوچا؟"

"نو......نو، یہ کیسے ہو سکتا ہے، ذرا سی گڑبڑ ہو گئی تھی مگر اب تو سب حالات ٹھیک ہیں، وہ لوگ ہماری طرح متعصب نہیں ہیں۔"

"معاف کیجئے گا، یہاں میں آپ سے اتفاق نہیں کرتی، انہوں نے ہم پر سو سال حکومت کی، ہم نے کرنے دی، جب وہ چلے گئے تو ان کے مشن، اسکول اور اسپتال اب بھی نہایت آزادی سے اور تمام مراعات سے ٹیکس فری کام کر رہے ہیں، ہم نے ان کا لباس، زبان و معاشرت، تہذیب، کلچر، ومیڈیا اور لٹریچر جوں کا توں نقل کر لیا ہے اور اپنی اگلی نسل کو ان کے رنگ میں رنگ دیا ہے، یہی نہیں، بلکہ پال پوس کر، پڑھا لکھا کر ان کی خدمت کے لئے سمندر پار اب بھی روانہ کرتے ہیں، اس پر بھی آپ ہمیں متعصب کہہ رہی ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟"

"نہیں نہیں آپ کی بات نہیں ہے، باقی بچوں کے بارے میں بتائیے، وہ کیا کرتے ہیں؟"

"اس کے بعد بیٹا ہے، وہ کینیڈا میں ایف آر سی ایس کر رہا ہے، اس کو بھی امریکہ سے اچھی جاب کی آفر ہوئی ہے، اس نے وہاں اپنی ایک کلاس فیلو سے شادی کی ہے، اگلے سال پاکستان آئے گا، پھر ہم اس کا ولیمہ کریں گے۔"

"وہ لڑکی مسلمان ہے......؟"

"نہیں، وہ اسپین کی ہے، اس کا باپ ڈچ تھا، مذہب کا تو پتہ نہیں چلا، وہ اسلام کو بہت پسند کرتی ہے اور اسے ترقی پسند مذہب قرار دیتی ہے، اس سے چھوٹی بیٹی بی آئی اے میں ہے، اس کو شادی کرنے کا شوق نہیں ہے، اس کی شادی کی عمر ہے، اس کو ساری دنیا دیکھنے کا شوق ہے۔ چھوٹا بیٹا ایف ایس سی کے بعد امریکہ چلا گیا تھا، وہ بہت ہی بہادر اور محنت کرنے والا لڑکا ہے اور حوصلہ مند بھی ہے، اس نے پارٹ ٹائم جاب کی اور ساتھ ساتھ کمپیوٹر میں ایم ایس سی کر رہا ہے، میرے سارے بچے کامیاب ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، مہذب ہیں، ان کو روپے پیسے کی کمی نہیں ہے، جو خواب ان کے لئے دیکھے تھے، انہوں نے پورے کر دیئے ہیں۔"

"لیکن مسز زیڈ! میرا ایک سوال ہے؟ بڑھاپے میں جب آپ تنہا اور ریٹائرڈ لائف گزار رہے ہوں گی تو یہ بچے آپ کو خدمت اور قربت دیں گے...... تب کیسا محسوس ہوگا؟"

"دراصل ہم نے اس حقیقت کو پہلے ہی سمجھ کر قبول کر لیا ہے کہ زمانہ بدل رہا ہے، اب پہلے کی طرح نہ تو جوائنٹ فیملی سسٹم رہ سکتا ہے، وہ زمانہ قدیم کی باتیں اب دم توڑ چکی ہیں، ان کی اپنی زندگی ہے اور ہماری اپنی زندگی ہے، ہم بوڑھے لوگ ان کی جوان ہنستی مسکراتی خوش باش زندگی کو کیوں بور کریں، ان کو ان کی زندگی جینے دیں۔"

"اس لئے کہ جب آپ اپنے کیریئر کی بلندیوں پر تھیں تو بچوں نے دامن پکڑ کر کبھی نہیں کہا کہ امی جان ہمیں وقت دیں، ہمیں آپ کی آغوش اور لوری کی ضرورت ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے میں نے ہر بچے کے لئے ایک ایک آیا رکھی ہوئی تھی، کیونکہ میں تو بس ہیلو ہیلو کر سکتی تھی، وقت ہی نہیں ہوتا تھا۔"

"مسز زیڈ! کیا وہ آیا بھی اتنی ہی تعلیم یافتہ یعنی PHD تھی، جتنی آپ ہے اور انہوں نے بچوں کو وہ سب کچھ سکھایا ہوگا جو آپ سکھا سکتی تھیں؟"

"نہیں، یہ کیسے ممکن ہے، لیکن اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو کر صرف چار بچوں کو پالنا بھی تو بعید از انصاف ہے، میں نے تو قوم کے ہزاروں بچوں کو پڑھایا، تعلیم دی اور رہنمائی کی ہے، راستہ دکھایا ہے اور انگلی پکڑ کر چلنا بھی سکھایا ہے، میں نے اپنے علم اور تجربے کو اپنے بچوں ہی تک محدود نہیں رکھا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ یہ بچے جو پرائے دیس میں جا کر بس گئے ہیں، ان کی اگلی نسل یقیناً سچی مسلمان ہوگی، قرآن پاک کے احکامات پر عمل کرے گی اور لوگ ان کے اخلاق، کردار، ایمانداری اور دینداری کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ بات کسی کو نہیں معلوم مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن۔"

"ہاں تو آپ بات مذہب کی طرف لے گئیں، یہ الگ ایشو ہے، یہ تو اللہ اور بندے کا آپس کا معاملہ ہے، اس میں دوسروں کو دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتے کہ تم میں سے ایک جماعت تو ضرور ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرے۔" پھر فرمایا کہ "اب اے مسلمانو! تم امت وسط ہو، تم کو اس کام کے لئے کھڑا کیا گیا ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔" اب کوئی نبی نہیں آئے گا، اس امت کو یہ کام کرنا ہے، تو ہم اپنے جو سفیر باہر بھیجیں، وہ اخلاق، کردار اور علم دین کے ہتھیاروں سے لیس ہونے چاہئیں، ہم کیسے لوگوں کو باہر بھیج رہے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنی چندروزہ دنیا کو پانے کے لئے ہم نے ہمیشہ رہنے والی آخرت کو بیچ دیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہ خسارے کا سودا ہے، ہمیں اس پر ضرور سوچنا چاہئے، کیونکہ کل جو روز حشر برپا ہونے والا ہے، وہاں تو کوئی معذرت کام نہیں آئے گی۔"

"دیکھیں جی، ہم نے ایمانداری سے کام کیا، رزق حلال پر نظر رکھی اور بچوں کو خوب عیش و عشرت، ناز و نعم سے پالا ہے، کیونکہ ہم سارے عیش ان کو دے سکتے تھے، ان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے کوشاں رہے اور انہوں نے یہ میدان مار لیا، تو ہم نے کیا برا کیا؟"

"یہاں تک تو بات ٹھیک، لیکن اس تمام گفتگو کے اندر یہ نہیں آتا کہ ہم نے اپنے بچوں کو دینی تربیت دی؟ ان کو یہ بتایا کہ ہم کون ہیں؟ ہماری پہچان کیا ہے؟ دین اسلام کیا ہے؟ زندگی چندروزہ ہے؟ یہاں ہمیشہ نہیں رہنا ہے؟ آخرت یقینی ہے، ایک روز اپنے رب اعلیٰ و برتر کے حضور حاضر ہو کر اپنے تمام اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی، کیا ہم نے اپنے بچوں کو اور ہماری نسل کو ایمانداری کا یہ پیغام پہنچا دیا ہے؟ سمجھا دیا ہے؟ سکھا دیا ہے؟ ذہن نشین کرا دیا ہے؟ یہ بھی تو ہمارا فرض ہے، اس کا کیا بنا؟"

وہ تک تک دیدم، دم نہ کشیدم کی تصویر بن گئیں۔

"دیکھیں نا مسٹر زیڈ...... اگر ہمارے بچوں نے ترجمے کے ساتھ قرآن پاک سمجھ کر پڑھا ہوتو انہیں ضرور علم ہوگا کہ ایک مسلمان کسی مشرک سے شادی نہیں کرسکتا، یہ حرام ہے، پھر ہمارے بچوں نے اس لڑکی سے کیسے شادی کی، جس کے مذہب کا پتہ نہیں تھا؟ بچہ تو بے قصور ہے، قصوروار تو ہم ہیں، ہم نے تو یہ بات اس کو نہیں بتائی، شاید ہمیں خود بھی معلوم نہیں تھی؟ اگر ہم یہ جانتے تھے تو اس کو اہمیت نہیں دی، غفلت برتی، لیکن ہمارے آنکھیں بند کرلینے سے حقیقت تو نہیں بدل سکتی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں...... کتنی سادہ سی بات ہے، لیکن آج سے پہلے نہ میں کبھی اس طرح سنا اور نہ کبھی اس طرح سوچا، نہ سمجھ میں آئی، میں تو خود ایسی مقرر ہوں، قادر الکلام ہوں، لیکن آج مجھے کیا ہوا آپ کی باتیں، ایسی مشکل تو نہیں ہے، سمجھ نہ آئیں، لیکن "دیکھئے سارا پنڈال خالی ہو چکا ہے، لوگ کب کے جاچکے ہیں، تقریب ختم ہو چکی ہے، چلیں آئندہ ملاقات، آئندہ پھر سہی۔"

یہ میرا کارڈ ہے، میں آپ کو مدعو کروں گی، پلیز آپ ضرور تشریف لائیے گا۔

ایک دن بعد دوبارہ مسز زیڈ کا فون آیا اور انہوں نے گھر آنے پر اصرار کیا، میں نے کہا کہ "آپ کا گھر بہت دور ہے، میں یہاں چند دن اپنی دوست کے ہاں مہمان ہوں۔"

"میں اپنی گاڑی بھیج رہی ہوں، یہ ملنا بہت ضروری ہے، میں آپ سے اپنی گفتگو مکمل کرنا چاہتی ہوں، پلیز مجھے مایوس نہ کیجئے۔"

"ٹھیک ہے، آپ چار بجے گاڑی بھیج دیں، ان شاء اللہ میں آنے کی کوشش کروں گی۔"

دوسرے دن چار بجے جب میں ان کے گھر گئی تو شاید آٹھ کنال پر محیط کوٹھی کیا تھی، ایک محل تھا، جو دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، اس کی بناوٹ، ساخت، میٹریل، ڈیزائن، خوبصورتی و آرائش و زیبائش آخر کس کس چیز کی تعریف کی جائے اور سچی بات میرا حساب بھی کمزور ہے، قیمت کا اندازہ بالکل ہی غلط نہ ہوگا، شاید کروڑوں میں ہوگا۔

میں سوچ رہی تھی کہ اے میرے رب! تو بے نیاز ہے، اس بندہ ناچیز کو یہ نادر کوٹھی یا محل بھی دکھانا تھا، بیٹھنے کا کمرہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

ایک باوردی خاتون ملازمہ میرے لئے غیر ملکی مشروب لے آئی، میں نے کہا، معاف کیجئے گا، مجھے صرف سادے پانی کا ایک گلاس چاہئے، اگر لا دیں تو شکریہ۔

تھوڑی دیر بعد مسز زیڈ تشریف لے آئی، آج وہ نسبتاً سادے لباس میں تھی، دروازے بند تھے اور اے سی چل رہا تھا، لیکن بے آواز......

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے
چل رہا ہے اور بے آواز ہے

وہ آتے ہی گویا ہوئیں۔ "میں ساری رات سو نہیں سکی۔"

"کیوں خیرت تو تھی......؟"

"بس ساری رات آپ کی باتوں کی گونج میرے شعور اور لاشعور میں گڈمڈ ہوتی رہی۔"

"اوہو میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔" میں نے مسکرا کے کہا۔

"آپ نے وہ کہا جو میں آج تک سننا ہی نہ چاہتی تھی، آپ کی باتیں سیدھی میرے دل میں اتر گئی۔" یہ کہہ کر انہوں نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

میں نے انہیں کھل کر رونے دیا، جب ان کی ہچکیاں بند ہوئیں تو بولیں۔ "میں آپ کے سامنے اعتراف جرم کرتی ہوں۔"

"کس بات کا؟"

"اپنے جرم کا...... اپنے فرائض سے غفلت کا...... میرے بچے مسلمان نہیں ہیں، میں نے اپنے ہاتھوں...... وہ پھر رونے لگی۔"

"میں نے انہیں تسلی دی، اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت غفور الرحیم ہے۔ توبہ کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں، اس کی بارگاہ میں سر جھکائیں، مایوسی کی کوئی بات نہیں، بس توبہ سچے دل سے ہو، پچھلے جرم و گناہ پر شرمندگی ہو، آئندہ کے لئے اس سے بچنے کا ارادہ پکا ہو تو توبہ کی قبولیت میں کوئی شک نہیں۔"

"مگر میرے جرم کی تلافی نہیں ہوسکتی، میرے بچے بیمار ہوتے تھے، روتے تھے، بلکتے تھے کہ امی رک جاؤ، میں اپنا دامن چھڑا کر میٹنگ کیلئے چلی جاتی تھی، میری ساس کہا کرتی تھیں کہ کیسی سنگ دل ماں ہو؟ تمہیں ان پھول جیسے بچوں پر پیار نہیں آتا۔ عورت تو گھر کی رحمت اور زینت ہوتی ہے۔ تم کیسی عورت ہو، جو صرف رات گزارنے کے لئے اس سرائے میں آتی ہو، کاش میں اتنی پڑھی لکھی بہو نہ لاتی، کوئی جاہل عورت ہوتی جو اپنے بچے کے سرہانے جاگ کر رات تو گزار دیتی۔"

میرا بیٹا بولا: "ماما! مجھے بہت تیز بخار ہے، آپ کو اپنا کالج اور بورڈ کی میٹنگ بہت پیاری ہے ماما...... آپ یہ نوکری کیوں کرتی ہیں؟ کیا پاپا کم پیسے کما رہے ہیں ماما...... ہمارے گھر میں کس چیز کی کمی ہے ماما...... میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں، مجھ سے کوئی بے شک یہ گھر لے لیں۔ لیکن مجھے میری ماں واپس لا دے، جب میں اسکول سے آؤں، میری ماما مجھے کھانا نکال کر دیں، میرے ساتھ کھانا کھائیں ماما...... آپ یہ نوکری کیوں کرتی ہیں......؟ دادی اماں آپ دعا کریں، میرا دل ماں کو یاد نہ کریں، میں نے سمجھا کہ بخار تیز ہے، ڈاکٹر کو فون کیا...... اور میں چلی گئیں، میں نے خود کبھی نماز کا سجدہ نہیں کیا تو بچے کیا پڑھتے؟ میں تو اس کو دقیانوسی باتیں اور غیر مہذب رویہ قرار دیتی رہی...... میری بخشش کیسے ہوگی بچے تو اڑ گئے...... مجھے وہ سارے لمحے رات سے یاد آرہے ہیں اور مجھ سے حساب مانگتے ہیں۔ ڈاکٹر شگفتہ میں کیا کروں......؟ پلیز آپ آج رات یہاں رہ جائیں، مجھے تنہا چھوڑ کر نہ جائیں، میری ساس کا انتقال ہو گیا ہے، میرے شوہر ڈنمارک گئے ہوئے ہیں اور بیٹی برطانیہ کی فلائٹ پر ہے، میں اتنے بڑے گھر میں تنہا ہوں، پلیز نہ جائیں، آپ رک جائیں، میں ایک دم غریب ہوگئی ہوں، ہر اکاؤنٹ صفر ہو گیا ہے، میری مدد کریں۔"

☆......☆......☆

انبیاء کے دیس میں

قسط نمبر: 7

بنت حضرت مولانا عبدالمجیدؒ

دنیا کی زندگی ایک سفر ہے، ہر انسان اپنے اپنے سفر پر رواں دواں ہے، اس سفری زندگی میں چھوٹے بڑے سفر ہوتے رہتے ہیں، جو انسان کو بہت کچھ سکھا جاتے ہیں اور اس کے ذہن میں انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ذیل میں ''حیا'' کی مشہور رائٹر بنت عبدالمجید صاحبہ کا سفرنامہ پیش ہے، جو دلچسپ معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

علی الرأس والعین:...... یہاں کے لوگ قیمت میں فوراً کمی کر دیتے ہیں، ایک بات اور تھی کہ پوری مارکیٹ میں عورتیں تھیں، کسی سے کوئی بات پوچھتے تو وہ اس کے جواب میں باری باری دونوں آنکھوں کو انگلی سے چھوتیں اور پھر اثبات میں سر ہلا دیتی، میں سوچ رہی تھی کہ یہ کیا کہتی ہیں، شاید یہ کہ آنکھوں سے دیکھو، یا پھر غور سے دیکھو، لیکن یہ انداز سمجھ سے بالاتر تھا، جب ہر کوئی اس طرح آنکھوں کو ہاتھ لگا کر جواب دیتا تو میں پریشان ہوگئی، بھلا یہ کیا ہے، آخر ایک دکاندار لڑکی، جس کی دکان سے ہم نے کچھ خریداری بھی کی، اس کا نام رباب تھا اور اخلاق کی بھی اچھی تھی، ہم سے کافی دیر تک باتیں کرتی رہی، اس سے ہم نے پوچھا کہ تم بار بار آنکھوں کو کیوں چھوتی ہو تو اس نے ہنستے ہوئے کہا: ''معناها علیٰ عینین والرأس''...... ''اس کا مطلب ہے، سر آنکھوں پر'' اچھا تو یہ بات ہے، اب ہماری سمجھ میں آیا، یعنی وہ ہم سے کہتے تھے۔ ''سمعاوطاعة'' آپ کا حکم سر آنکھوں پر، شکر ہے یہ معمہ تو حل ہوا، اب ہم پیدل چلتے چلتے ہوٹل تک پہنچے، آج مصر میں آخری رات تھی اور ہمیں پیکنگ وغیرہ بھی کرنی تھی، رات کے لئے کھانا اور پانی بھائی خرید کر لے آئے، یہاں تو ہمیں پانی بھی روز خریدنا پڑتا تھا، کھانا کھا کر پیکنگ کی تیاری شروع ہوئی، بارہ بجے تک سب سامان پیک کر لیا گیا، بار بار ویٹرز آ رہے تھے اور دروازہ بجا کر پوچھتے یا شیخ عبدالمگید متی تغادر؟ یہاں ابو کو شیخ عبدالمگید (عبدالمجید) اور بھائی کو عبدالماگد (عبدالماجد) اور چھوٹے بھائی کو عبدالواگد (عبدالواحد) کہا جاتا تھا اور سب ان تینوں کا نام سن کر پریشان ہو جاتے کہ اتنے ملتے جلتے نام ہم کیسے یاد کریں، ابو یہاں ایک دلچسپ بات فرماتے کہ میرا ایک دوست عبدالجلیل بنگلہ دیش جا کر ''ذلیل'' ہوگیا اور میں مصر آ کر مگید ہوگیا۔

الوداع اے مصر:...... فجر کی نماز کے بعد سب نے غسل کیا، آج یعنی اتوار 3 مئی کو ہم سات بجے ہی نیچے ناشتہ کرنے چلے گئے، سب حیران ہو کر دیکھ رہے تھے کہ آج شیخ عبدالمگید کو کیا ہوگیا، یہ تو سب سے آخر میں دس بجے آتے تھے اور آج سات بجے ہی آ گئے، تسلی سے

ناشتہ کرنے کے بعد دوبارہ اوپر گئے، ابو اور بھائیوں نے احرام باندھا، نکلتے ہوئے ابو نے کہا کہ ایک مرتبہ اچھی طرح دیکھ لو، کوئی چیز نہ رہ گئی ہو، نظر ثانی بلکہ ثالث اور رابع کے بعد ہم نے کمروں کے دروازے بند کئے اور سامان لفٹ میں رکھا، نیچے آئے تو پیکیج ٹریول ایجنسی والوں کی گاڑی موجود تھی، جب ہم روانہ ہو رہے تھے تو ایک جم غفیر تھا، جو ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کر رہا تھا اور دعاؤں کی درخواست کر رہا تھا، حالانکہ ہماری ان سے جان پہچان اور کوئی رسم و مراسم نہ تھے، لیکن وہ ہمارے حلیے سے ازحد مسرور ہوئے اور بار بار کہتے۔ ماشاء اللہ واللہ انتم مسلمون واللہ انتم من المسلمین انتم اسعد الناس شرفتمونا و کرمتمونا، جیسے الفاظ ہر کوئی کہا کرتا تھا، اب ہماری الوداعی نظریں ہر منظر کو آنکھوں میں سمونا چاہتی تھی، ارض انبیاء سے ہمارے مبارک سفر وسیلہ ظفر کا آغاز ہو رہا تھا، بیت اللہ پہنچنے کی بیقراری پر ہر سانس بے چین کئے جا رہی تھی، راستے میں ہمیں ڈرائیور نے فوج کیمپ، فٹ بال اور کرکٹ گراؤنڈ اور وزیراعظم ہاؤس دکھایا، دو گھنٹے کی مسافت قاہرہ کی خوبصورت شاہراہوں پر طے کرنے کے بعد ہم مصر ایئرپورٹ پہنچ گئے، ایک بات تو بتانا رہ گئی، وہ یہ کہ جب ہم کہتے: ''این مطار مصر یا این متحف مصر'' تو وہاں کے لوگ جواب دیتے۔ ''لا مصر یا شیخ بلا مصر مصر'' یعنی وہ مصر کو مصر کہنے پر اعتراض کرتے اور اسے مصر کہتے ہیں، ہم نے مصر پر الوداعی نظریں ڈالی اور ایئرپورٹ کے اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بھی ہر جگہ یہی تماشا شویا بخشش، شویا بخشش ابو نے ہمیں کرسیوں پر بٹھایا اور خود سامان Leaguage میں بھیجنے کے لئے چلے گئے، اسی اثنا میں ہم نے دیکھا کہ ہم سے کچھ فاصلے پر ایک مصری خاتون بیٹھی تھی، ایئرپورٹ عملے کے افراد میں سے ہی کوئی شخص آیا اور اس نے ہمیں اور اس خاتون کو السلام علیکم کہا، پھر کچھ فاصلے پر جا کر کھڑا ہوگیا، جب کوئی جواب موصول نہ ہوا تو اس نے دوبارہ آ کر سلام پیش کیا، خاتون تو مصری تھی، سلام کا مقصد سمجھ گئیں، لہٰذا انہوں نے اسے اشارے سے بلا کر کچھ بخشش یعنی پیسے عطا کئے تو وہ شکراً کہتا ہوا چلا گیا، بہت خوب! اب تو سلام کے بھی پیسے لگتے ہیں، ہمیں تو روز اول سے ہی خطرہ تھا، لہٰذا کسی کو سلام ہی نہ کرتے کہ کسی جواب دینے کی بخشش نہ دینی پڑ جائے۔

امیگریشن کے تمام مراحل سے گزر کر ہم دوسرے فلور پر آ گئے، یہاں مسجد بھی بنی تھی، ابو نے کہا کہ یہیں عمرے کے نفل ادا کر لیتے ہیں، اس لئے ہم نے ایئرپورٹ کی مسجد میں نوفل ادا کئے، باہر نکلے تو ہماری فلائٹ کا اعلان ہو رہا تھا، یہاں بھی لمبی سی گلی سے گزر کر جہاز تک پہنچنا پڑتا ہے، دھیرے دھیرے چلتے ہوئے ہم نے جہاز میں قدم رکھا، مصر سے جدہ تک دو گھنٹے کی پرواز تھی، ہمارا فضائی سفر شروع ہوا، آدھے گھنٹے بعد مسافروں کو کھانا پیش کیا گیا، ابھی ہم کھا ہی رہے تھے کہ میقات پڑتی ہے، اعلان کے ہوتے ہی فضا تلبیہ کی آواز سے گونج اٹھی! ''لبیک اللهم لبیک لبیک لاشریک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک'' کے زمزے گونج رہے تھے، اس وقت دل کی عجب کیفیت تھی، یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے اللہ اپنے بندوں کو بہت پیار سے دیکھ رہا ہے، لمحہ بہ لمحہ سعادت قریب سے قریب تر آتی جا رہی تھی آہ! کہاں ہم اور کہاں سعادت عمرہ، پونے دو بجے ہمارا جہاز ارض حجاز پر لینڈ کر رہا تھا، تلبیہ اور بھی زور و شور سے شروع ہوگیا۔

وادی حجاز میں:...... سرزمین حجاز پر قدم رکھتے ہی گرم ہوا کے تیز جھونکے نے ہمارا استقبال کیا، لیکن یہ جھونکا، اس وقت بہت پیارا لگا، ہم دھیرے دھیرے سر جھکائے چلتے جا رہے تھے، ممکن ہے کہ سب کی وہی کیفیت ہو، جو ہماری تھی، مجھے تو اپنا قدم زمین پر رکھتے ہوئے بھی شرم سی آ رہی تھی کہ مجھ جیسی گناہ گار کے قدم سر

زمین مقدس پر، جدہ ایئر پورٹ پر امیگریشن کے لئے ایک لمبی قطار تھی، مردوں کی علیحدہ اور عورتوں کی علیحدہ تھی، ہم تقریباً دو گھنٹے قطار میں کھڑے رہے، تب کہیں جا کر ہمارا نمبر آیا اور ہمیں باہر نکلنے کی اجازت دے دی گئی، ہم خواتین کا نمبر تو آ گیا، لیکن والد صاحب کا نمبر ابھی بہت دور تھا، لہٰذا ہم نے خود ہی جا کر سامان ٹرالیوں میں بھرا اور انتظار گاہ میں بیٹھ گئے، ایک خاتون سے وقت معلوم کیا تو پتہ چلا، پانچ بج رہے ہیں، ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ قطار میں کھڑے کھڑے ہماری نماز ظہر بھی قضا ہو گئی، امیگریشن گیٹ پر ایک کرسی تھی، جس پر گارڈ کی جائے نماز بچھی تھی، میں نے اس سے جائے نماز لے کر وہیں دروازے کے پاس نماز ادا کی، پھر کافی دیر بعد والد صاحب تشریف لائے، تو ہم گیٹ سے باہر نکلے، باہر نکلنے کے راستے میں مسجد بنی تھی، ابو نے اور بھائیوں نے وہاں نماز عصر اور ظہر ادا کی، پھر ہم وہاں سے باہر نکلے، کافی لمبا چلنے کے بعد ہم باہر کے احاطے میں پہنچ گئے، عصر کا وقت تھا، اس لئے گرمی کا اندازہ نہ ہو سکا، یہاں گاڑی جو ہم نے پیکیج کے ذریعے بک کروائی تھی، ہماری منتظر کھڑی تھی، اب ہمارا جدہ سے مکہ تک کے سفر کا آغاز ہوا، کچھ مسافت طے ہوئی تھی کہ بھائی نے مجھ سے کہا: ذرا ہینڈ بیگ سے میرا کیمرہ تو نکال کر دو، کیونکہ سامنے ایک فوارہ تھا، جس کی بھائی تصویر لینا چاہ رہے تھے، مصر میں بھی بھائی نے کوئی گوشہ کوئی چپہ ایسا نہیں چھوڑا تھا، جسے کیمرے کے آنکھ سے محفوظ نہ کر لیا ہو، ہم تو اکثر بھائی کو فوٹو گرافر کہہ دیتے، لیکن بحمد للہ، کیمرہ انسانی تصاویر سے مکمل پاک تھا، میں نے بیگ کی اچھی طرح تلاشی لی، لیکن کیمرہ نہیں ملا، جب بھائی کو پتہ چلا کہ کیمرہ غائب ہے تو چہرے پر سرخی کے آثار نمایاں ہو گئے، حالت بالکل متغیرہ ہو گئی، بلکہ احرام سے بھی زیادہ سفید رنگت ہو گئی، کوئی اور دیکھتا تو یقیناً یہی سمجھتا کہ اس پر نور کی بارش ہوئی ہے، کیمرہ بھائی سے مصر ایئر پورٹ پر رہ گیا تھا، خیر اب ہم کیا کر سکتے تھے، لیکن اس بات کا دکھ ضرور تھا کہ مصر کے تمام تاریخی مقامات کیمرے میں محفوظ تھے اور ہم مطمئن تھے کہ وہاں جا کر سب کو دکھائیں گے، اب ہمارے پاس وہی تصاویر تھیں، جو موبائل میں محفوظ تھیں، مغرب کی نماز کے لئے ڈرائیور نے ایک چھوٹی سی مسجد کے قریب گاڑی روکی، یہاں نماز ادا کرنے کے بعد پھر سے ہمارا سفر جاری ہوا، ابو نے اب تاکید کی کہ تلبیہ کا زیادہ سے زیادہ ورد رکھا جائے، اسی لئے ابو اور بھائیوں کی آوازیں لبیک کی صداؤں سے گونج رہی تھیں، جدہ میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے ہوٹل، کیفے ٹیریا اور ٹیلی فون بوتھ لگے ہوئے ہیں، کشادہ سڑک پر گاڑی نہایت تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی اور عرب حضرات کے بارے میں ہم نے سنا بھی اور مشاہدہ بھی کیا کہ ڈرائیونگ بہت تیز رفتاری سے کرتے ہیں، یہ صاحب تو اتنا تیز چلا رہے تھے کہ باہر کے مناظر ہوا کی مانند گزر رہے تھے، اسی تیز رفتاری اور تلبیہ کی صداؤں میں ہم مکہ پہنچ گئے۔

سرزمین مکہ پر:...... مکہ مکرمہ ایک ایسی سرزمین ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کی پسندیدہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”تو مجھے ہر شہر سے زیادہ پسند ہے، اگر میری قوم کے لوگوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو یہاں کے علاوہ کسی دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔“

یہ سرزمین سعودی عرب کی مغربی سمت حجاز کی پہاڑوں میں گھری ہوئی وادی کے دامن میں واقع ہے، مکہ مکرمہ کا ہموار نشیبی علاقہ ”بطحاء“ کے نام سے موسوم ہے جبکہ مسجد حرام کے مشرقی حصے کو معلاۃ (بلند جگہ) کہا جاتا ہے، مغربی اور جنوبی سمت کا علاقہ ”مسفلہ“ (نشیبی زمین) کہلاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل معلاۃ میں ہے، وہیں آپ کی جائے پیدائش ہے، وہیں آپ ہجرت سے پہلے تک قیام پذیر رہے، مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے تین بنیادی راستے ہیں: معلاۃ، مسفلہ

اور شبیکہ۔

اس کا عرض بلد ۱۹، ۲۵، ۲۱ شمالاً اور طول بلد ۴۶، ۴۹، ۳۹ شرقاً ہے، سطح سمندر سے اس کی بلندی تین سو میٹر سے زیادہ ہے، یہ کرہ ارضی کا وسط اور اس کا درمیانی مقام ہے۔

نصرت خداوندی:...... حضرت والد صاحبؒ نے اپنا ایک عجیب واقعہ سنایا: ”جب میں ۱۹۸۸ء میں حج کرنے آیا تھا تو میرے پاس ایک بیگ میں کپڑے، ایک ڈائری اور ۵۰۰ ریال تھے، اس وقت کمرہ وغیرہ نہیں تھا، میں نے اپنا بیگ توکل علی اللہ کرتے ہوئے ایسے ہی باہر چھوڑ دیا اور ہوا یوں کہ بیگ وہاں سے گم ہو گیا، اب میں بہت پریشان ہوا، لیکن امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور اللہ سے خوب دعا کرتا رہا، ہر وقت اللہ سے مانگتا رہتا کہ میرا سامان مجھے مل جائے، ایک دن اتفاق سے میں نے مدرسے فون کیا، تو عاشق حسین صاحب مرحوم رحمہ اللہ علیہ سے بات ہوئی، انہوں نے پوچھا، آپ کا سامان مل گیا یا نہیں؟ میں نے کہا، نہیں ملا تو انہوں نے فرمایا کہ مدرسہ صولتیہ میں چلے جائیں، آپ کا سامان وہاں ہے، جب میں وہاں گیا تو مہتمم صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بتایا کہ مجھے آپکا سامان ملا، میں نے کافی دنوں بعد آپ کا تالا توڑا کہ شاید مجھے کوئی پتہ مل جائے، بیگ میں سے آپ کی ڈائری ملی، جس پر پاکستان مدرسہ جامعہ بنوریہ کا نمبر لکھا تھا اور ۵۰۰ ریال بھی ملے تو میں نے کہا کہ میں پاکستان فون کرتا ہوں، جتنے پیسے لگیں گے، وہ میں آپ کے ان پیسوں میں سے کاٹ لوں گا، میں نے پاکستان رابطہ کیا، انہوں نے کہا کہ وہ تو ابھی تک وہیں ہیں، اب جیسے میں نے بات کر کے ریسیور رکھا تو ریال جو میں نے ٹیلی فون میں ڈالے تھے، وہ باہر نکل آئے، میں بہت حیران ہوا اور یوں میری بات بھی ہو گئی اور آپ کے پیسے بھی نہیں کٹے۔“

کھانا کھا کر طے یہ پایا کہ عمرہ رات ہی میں ادا کر لیا جائے، کیونکہ اضطراب قلب کے ہوتے ہوئے سحر کا انتظار کون کرتا، دس بجے ہم ہوٹل سے حرم کی جانب نکلے، باب عبدالعزیز کے سامنے والے روڈ پر ہی ایلاف الخلیل واقع ہے، بالکل سیدھا سیدھا چلتے ہوئے ہم صحن حرم میں داخل ہوئے۔

تو نے اپنے گھر بلایا میں تو اس قابل نہ تھا:...... قدم من من بھر کے ہونے لگے، سب سے پہلے ترکی برآمدے میں قدم رکھتے ہی نگاہ شوق دھیرے سے اٹھائی تو اللہ اللہ سامنے بقعہ تجلی گاہ جلال و جمال اپنے جلوے دکھا رہا تھا، ہجوم عاشقان جوق در جوق مطاف میں اتر رہا تھا، ایک نظر نے دیوانگی وارفتگی کا عالم بے خود طاری کر دیا، یہاں ہم نے خوب دعائیں مانگیں اور پھر آہستہ آہستہ ہم راہ عشق و جنون کے مسافروں میں شامل ہو کر طواف کرنے لگے، اللہ اکبر عجیب دل افروز منظر تھا، جب ہم رب ذوالجلال کبریائی کا مظہر اپنی چشم نم سے دیکھ رہے تھے، ہر چکر کے بعد حجر اسود کو دور سے استلام کیا جاتا ہے، حجر اسود کی بالکل سیدھ میں برآمدوں کی چھت پر سبز رنگ کی بتی لگی ہے، جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم حجر اسود کی سیدھ میں کھڑے ہیں، سات چکر پورے کر کے ہم مقام ابراہیم کے پیچھے آئے، خواتین کے لئے پیچھے صفیں ہوتی ہیں، یہاں دو رکعت طواف کے نفل ادا کئے۔

اللہ اللہ، نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں، حرم لبیک اللھم لبیک کے بے تاب نعروں سے گونج رہا تھا اور واللہ سکندری و قلندری کی مصنوعی رونقیں فنا ہو کر شاہ و گدا، فقیر و امیر اور محمود ایاز ایک ہی صف میں یکساں کھڑے رب کے حضور گڑگڑاتے اور دنیوی آفتاب ذروں کا روپ دھارتے دکھائی دے رہے تھے، اب ہم مقام زمزم کی طرف گئے، زمزم کے کنویں کو اب بند کر دیا گیا اور وہاں سے لائنیں لے کر نل لگا دیئے گئے ہیں، تمام نلکوں پر مردوں کا رش تھا، اس لئے ہم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور بھائی نے ہمیں پانی کے گلاس بھر کر دیئے، ہم نے خوب پیٹ بھر کر زبردستی زمزم سے خود کو سیراب کیا،

ہاتھوں پر بھی زمزم ڈالا اور ہاتھ گیلے کر منہ پر پھیرے، کیونکہ یہاں نقاب اٹھانا محال تھا، ہمیں مردوں پر رشک آرہا تھا، جو بلا غم وفکر پورے جسم پر زمزم انڈیل رہے تھے، عبدالواحد نے تو زمزم اپنے سر پر ڈالا اور احرام کی اوپر کی چادر اتار کر مجھے دی اور کمر پیٹ پر خوب پانی ڈالا، حالانکہ رات کے وقت سردی بھی لگ رہی تھی اور ابو منع بھی کررہے تھے کہ اتنی سردی میں ٹھنڈا پانی نہیں ڈالو، لیکن دیوانے کو کیا فکروغم، پھر ہم نے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی، ہمارا رخ صفا ومروہ کی طرف تھا، دونوں پہاڑوں کو اب یہاں سے ختم کردیا گیا ہے اور اس کی جگہ سفید ٹائلیں لگا کر پہاڑ کے مشابہہ تھوڑی سی بلندی بنائی گئی ہے، درمیانی جگہ بھی ازحد کشادہ کردی گئی ہے اور دومنزلہ بنایا گیا ہے، ہم صفا پر چڑھے، وہاں کھڑے ہوکر دعا کی، پھر مروہ کی طرف چلے، ہمیں حضرت ہاجر یاد آرہی تھی، جنہیں اور ان کے جگر گوشے کو جب بطحا کی بے آب وگیاہ وادی میں ان کے شوہر نے اللہ کے حوالے کر کے رخت سفر باندھا تو دشت بے اماں میں اس پیکر رضا کی تنہائی کسمپرسی کی حالت یقیناً وہ تھی جو کسی شاعر نے اپنے اس بلیغ شعر میں بیان کی ہے۔

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا
أنیس ولم یسمر بمکة سامر

لخت جگر کی پیاس کی بے تابی نے ماں پر اضطراب اور بے چینی کا کیسا عالم طاری کیا ہوگا، وہ کوہ صفا مروہ کے درمیان دیوانہ وار دوڑتی رہیں، بچے کی تشنگی وسیمابی مامتا کو تڑپانے اور اس کی تڑپ آسمانوں کو ہلانے لگی تو رحمت الٰہی خشک زمین سے فوارے کی شکل میں نمودار ہوئی، ایک منٹ میں چھ سو لیٹر نکلنے والا آب زمزم اس وقت سے لے کر اب تک رواں دواں ہے اور اللہ جانے ایک لمحہ میں دنیا کے کتنے تشنہ لبوں کو سیراب کررہا ہے......؟ صدیاں بیت گئیں، صفا اور مروہ کے درمیان دیوانہ وار سعی کی وہ ادا آج بھی جاری ہے، ہر قدم پر، ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر چکر میں ایک نئی لذت مل رہی تھی، کہاں ہاجرۃ علیہا السلام تپتی زمین، آگ اگلتے سورج کی تمازت وحدت میں گرم ریت اور پتھروں پر اور کہاں ہم ماربل کے ٹھنڈے فرش پر، مضبوط سایہ دار چھت تلے، پنکھوں اور ایئر کنڈیشن کی ٹھنڈک میں چل رہے تھے، جگہ جگہ ٹھنڈے پانی کے کولر رکھے تھے، جہاں تھکے بیٹھ گئے، جہاں پیاس لگی ٹھنڈا پانی پی لیا، حضرت ہاجرہ اس آس میں دوڑتی رہیں کہ آگے پانی ملے گا اور ہم اس آس میں چل رہے تھے کہ آگے ان شاء اللہ، اللہ کی رحمت ملے گی۔

سات چکر پورے کر کے ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے باہر نکلے، ٹائم دیکھا تو ایک بج رہا تھا، تھکاوٹ کا بھی غلبہ تھا، لہٰذا ہم نے واپسی ہوٹل کی راہ لی، بھائی اور ابو حلق کروانے چلے گئے اور ہم ہوٹل چلے گئے، راستے میں رش قدرے کم تھا، کمرے میں پہنچے تو ابو بھی آگئے اور ابو نے ہمارے بال ایک انگلی کے بقدر کاٹ کر ہمیں احرام کی پابندیوں سے آزاد کردیا، اس قدر تھک چکے تھے کہ بستر پر دراز ہوتے ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے، صرف ایک گھنٹہ سوئے تھے کہ ساڑھے تین بجے ابو نے دوبارہ جگانا شروع کردیا، اس وقت ہماری جو حالت تھی، وہ ایسی تھی کہ ابھی بھی سوچ کر ہنسی آجاتی ہے، آنکھ کھول کر دیکھتے، ابو چلے گئے یا نہیں، ابو اس کمرے میں جاتے تو ہم پھر سے مدہوش، ابو دوسرے کمرے سے یہ سوچ کر آتے کہ شاید وضو وغیرہ کر کے تیار بیٹھے ہوں گے، لیکن ہمیں دیکھ کر ابو کی آواز پھر گونجتی، بیٹا! حد ہوتی ہے، اذان میں اتنے اتنے منٹ رہتے ہیں، جلدی کرو، لیکن آپ خود انصاف کریں، پورے دن جاگ کر گزارا ہو اور وہ بھی سفر میں، پھر عمرہ ادا کیا بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ اس سے قبل مصر میں ہی تھک چکے تھے، چلنے کی سکت باقی ہی نہیں رہی تھی، ایک بیڈ سے اٹھتے، دوسرے پر گرتے، دوسرے سے اٹھتے تیسرے پر گرتے، بالآخر مرتے کیا نہ کرتے، جب تہجد کی اذان کی آواز گونجی تو ابو تو چلے گئے اور رہے ہم

تو فجر کی اذان کے بعد گئے۔

چار مئی بروز پیر کا سورج اپنی آب وتاب سے طلوع ہوا اور ہم مکمل طور پر حرم کی لذتوں میں گم تھے، دل چاہتا تھا کہ وقت تھم جائے اور نگاہیں بیت اللہ پر جمی رہیں، ہر کوئی دوسرے سے بے نیاز اور دامن پھیلائے، اپنی اپنی آرزوئیں لبوں پر لارہا تھا۔

یہ شان دیکھی تیری نرالی
جو تجھ سے مانگے تو اس سے راضی
بلا کے دینا کرم ہے تیرا
یہ فضل بھی ہے کمال بھی

مغرب کی نماز ادا کرتے ہی ہم نے ارادہ کیا کہ یا تو طواف کرلیں یا پھر حضرت مولانا شیخ محمد مکی صاحب کے بیان میں شرکت کرلی جائے، مغرب کے بعد ترکی برآمدے میں جو مطاف کی جانب سے پہلا برآمدہ پڑتا ہے، وہاں پر چاروں طرف پر فاصلے پر بڑے بڑے حلقے لگتے ہیں، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، مسائل، آداب معاشرت وغیرہ کے سلسلے میں شیوخ مکہ بیان فرماتے ہیں، زیادہ تر بیانات عربی میں ہوتے ہیں جبکہ مولانا محمد مکی صاحب اردو میں تفسیر نہایت مدلل انداز میں سمجھاتے ہیں، ابو نے موبائل پر ہمیں کہہ دیا تھا کہ ہم مکی صاحب کے بیان میں جارہے ہیں، آپ وہیں آجانا، میں نے امی سے کہا کہ عشاء کی نماز کے لئے وضو ابھی سے کر کے چلے جائیں گے اور وضو کے لئے تھوڑا دور جانا پڑتا ہے، خیر دروازے سے باہر نکلے تو عرب خواتین لمبا چوڑا دستر خوان بچھا کر بیٹھی تھیں، اہل عرب کی سخاوت قابل داد ہے، پیر اور جمعرات کے دن افطار کے وقت مقامی لوگ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دستر خوان بچھا کر بیٹھے ہوتے ہیں اور روزے داروں میں تقسیم کرتے ہیں، ان خواتین نے ہمیں روک لیا، ہم نے کہا بھی کہ جلدی میں ہیں، لیکن انہوں نے زبردستی ہمیں قہوہ، لسی، پیزا اور بسکٹ دیئے، یہ اللہ کی طرف سے ہماری دعوت تھی، ہم نے شکر کر کے کھایا، اب جب دورات المیاہ کی طرف گئے تو الیکٹرانک سیڑھیاں بند تھیں اور دوسری سیڑھیوں پر اتنا رش تھا کہ بندہ بندے سے ملا ہوا تھا، یہاں کے تمام وضو خانے زمین کے اندر یعنی انڈر گراؤنڈ بنائے گئے ہیں، اتنا رش دیکھ کر امی گھبرا گئیں، لہٰذا ہم واپس لوٹ آئے، اب جب بیان میں جانے لگے تو معلوم ہوا کہ بیان ختم ہوچکا ہے، ہمیں افسوس ہوا کہ نا طواف کیا اور نہ بیان میں گئے، اب کیا کرسکتے تھے، نماز کے لئے اندر گئے، خواتین کے لئے جالی دار شیلفیں، قرآن کے لئے یکے بعد دیگرے رکھ کر جگہ مقرر کی گئی ہے، نماز سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی شرطی صفوں اور مطاف میں سے سب خواتین کو نکال کر جالی والے مخصوص حصے کی طرف بھیج دیتے ہیں، جو کہ سب سے آخر میں ہے، یہ جالیاں کندھوں سے کچھ اوپر ہیں اور جالی بھی باریک ہے، لہٰذا صحیح طور پردہ نہیں ہوسکتا، دراصل یہ صرف خواتین کے لئے حدود مقرر کی گئی ہیں، خاص پردہ نہیں ہے۔

دردول:......عشاء کی نماز ادا کرنے کے متصل بعد ہم مطاف میں چلے گئے، وہاں ابو اور دونوں بھائی ہمارے منتظر تھے، طے یہ ہوا کہ ہوٹل جانے سے پہلے ایک طواف کرتے چلیں، اللہ اللہ اس گھر کا جمال ہی ایسا ہے کہ عظمت اور ہیبت سے قدم اٹھ نہیں پاتے، گناہوں کی ایک لمبی فہرست نگاہوں کے سامنے گھوم گئی، جی چاہا کہ زمین شق ہوجائے اور اس میں سما جائیں، ہستی کے صنم خانوں میں وہ پہلا گھر خدا کا، مرقع جمال وجلال جس کے نظارے نے دل پر دیوانگی وارفتگی کا عالم بے خود طاری کردیا، دل مچل رہا تھا کہ دوڑ کر جائیں اور بیت اللہ سے چمٹ جائیں اور پھر میں ہوں اور میرا رب، کوئی مجھے وہاں سے ہٹا نہ سکے، لیکن قریب پہنچنا بہت مشکل تھا، بس دور دور سے ہی نگاہوں میں سمو رہے تھے۔

میری طلب بھی الٰہی کے کرم کا صدقہ ہے
یہ قدم اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

............(جاری ہے)............



"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ میں نے چوری نہیں کی۔" امن ہزیانی انداز میں چلائی۔

"بکواس بند کرو۔ ایک چوری اوپر سے سینہ زوری۔ شرم نہیں آتی تمہیں ایسی نیچ اور گھٹیا حرکت کرتے ہوئے۔" ممی چلاتے ہوئے اس کے چہرے پر لگاتار تھپڑ برساتی رہیں۔

"میں نے چوری نہیں کی۔" اس نے ان کے تھپڑوں سے بچنے کے لئے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور اس کی یہ حرکت انہیں مزید تپش دلا گئی۔ انہوں نے اس کے سیاہ گھنگھریالے بالوں کو ہاتھ میں تھام کر زوردار جھٹکا دیا اور وہ درد کی شدت سے چلا اٹھی۔

"میں پوچھ رہی ہوں کہاں سے چرائی ہے؟ ایسی نیچ حرکت کرتے ہوئے تمہیں اپنے باپ کی عزت کا بھی خیال نہ آیا، آخر ہو نہ گھٹیا ماں کی اولاد۔" ان کے اندر کی عورت زہر اگل رہی تھی، وہ مسلسل اسے پیٹتی جا رہی تھیں اور وہ پیٹتے پیٹتے ہی بول رہی تھی۔

"میں نے چوری نہیں کی، میں نے چوری نہیں کی۔" عائمہ اس ہنگامے میں گھبرا کر رو پڑی تو شاداب نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مصطفیٰ صاحب کی آواز نے ممی اور امن دونوں کو ہی چونکا دیا۔ رافعہ کے ساتھ ساتھ اس نے بھی سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

مصطفیٰ! اس نے چوری کی ہے، اتنی نیچ اور گھٹیا حرکت، غصے کی شدت سے ان کی آواز کانپ رہی تھی۔

کیا؟ ابو نے حیرت اور صدمے سے اس کی طرف دیکھا۔

ابو! میں نے چوری نہیں کی، وہ روتے ہوئے ان کی طرف بڑھی۔

یہ...... یہ دیکھیں...... یہ آپ دبئی سے لائے تھے، اس نے ہاتھ ان کے سامنے پھیلا کر انگلی میں موجود انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ! یہ تو میں دبئی سے اس کے لئے لایا تھا، رافعہ تم نے بھی حد ہی کر دی۔" انہوں نے امن کو سینے سے لگاتے ہوئے ممی کی طرف دیکھا۔

تو مجھے کیا معلوم تھا۔ انہوں نے کہا۔

"اس سے پوچھ ہی لیتیں۔ اتنی بری طرح پیٹا ہے تم نے اسے۔" ابو نے افسوس سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب آپ دبئی سے لائے تھے تو مجھے بتا دیتے، اس کے پاس دیکھ کر مجھے تو یہی شبہ ہو سکتا تھا۔" ممی نے کہا اور کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

ریلکس بیٹا! انہوں نے آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ تھپکی۔ کافی دیر رونے کے بعد اس کا دل ہلکا ہو گیا۔

جاؤ منہ ہاتھ دھو کر آؤ، کیا ہو گیا ہے، انہوں نے اس کی سرخ آنکھوں اور بکھرے بال دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش کر کے اونچی سی پونی بنائی اور باہر آ گئی۔ شاداں ناشتہ لگا چکی تھی، ممی اور ابو دونوں ہی ڈائننگ روم میں موجود تھے، وہ بھی وہاں بیٹھ گئی۔ ناشتے کے دوران وہ اور ممی بالکل خاموش رہیں، بلکہ ابو کے موبائل پر عید کی مبارکباد کے لئے فون کالز آتی رہیں۔

مصطفیٰ! بھائی جان انتظار کر رہے ہوں گے، ابو نے ایک کال سن کر فون بند کیا تو ممی جو ناشتہ کر چکنے کے بعد ان کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں، بولیں۔

ہاں چلو، ابو نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"امن خاموشی سے بیٹھی رہی، ہر دفعہ کی طرح انہوں نے اس مرتبہ بھی عید ممی کے بھائی کے ہاں کرنی تھی اور ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی امن نے عید کا دن باہر لان میں بیٹھ کر گزارنا تھا۔" اس نے بالکل سپاٹ چہرے اور ساکت نگاہوں سے ابو کی طرف دیکھا جو کارنر ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھا رہے تھے، ان کی نگاہ اچانک ہی اس کی طرف پڑی تو وہ چونک گئے، اس لمحے انہیں اس کی نگاہوں میں نجانے کیسا کرب اور کیسا دکھ دکھائی دیا کہ وہ بول اٹھے۔

"رافعہ! امن کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں۔"

کمال کرتے ہیں آپ بھی، میرے بھائی کے گھر امن کا کیا کام؟ ممی نے حیرت اور ناراضی سے ان کی طرف دیکھا۔

امن بیٹا! میں جلدی آ جاؤں گا تو آپ کو ایک دوست کے گھر لے چلوں گا، انہوں نے اس کے قریب کھڑے ہو کر اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ابو! میرے ماموں نہیں ہیں؟" اس نے اس قدر معصومیت سے پوچھا کہ وہ ایک لمحے کو خاموش ہو گئے۔

"ہیں۔" کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولے۔

"مجھے میرے ماموں کے گھر لے چلیں ابو۔" اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"اچھا، میں ابھی تمہاری ممی کے ساتھ جا رہا ہوں، کوشش کروں گا جلدی آ جاؤں، پھر لے چلوں گا۔ تم کھانا وغیرہ کھا لینا۔" انہوں نے کہا اور باہر نکل گئے، جہاں ممی ان کا انتظار کر رہی تھیں، وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئی، لاؤنج کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر وہ ابو اور ممی کو دیکھتی رہی، سیاہ رنگ کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل گئی، مگر وہ وہاں ہی کھڑی رہی۔

چھوٹی بی بی! شاداں نے قریب آ کر اسے پکارا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ جی، میں اب جاؤں سارا کام ہو گیا ہے، دوپہر تک آ جاؤں گی، اس نے پوچھا۔

جاؤ، وہ آہستگی سے کہتی ہوئی وہاں لونگ روم میں دھرے سیاہ ویلیوٹ کے صوفے پر دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی اور دوپہر تک شاداں بھی واپس آ گئی اور اسے وہیں بالکل اسی حالت میں بیٹھا دیکھ کر اسے عجیب سا احساس ہوا، مگر وہ خاموشی سے کچن میں چلی گئی، اس کے ساتھ اس کی کوئی عزیزہ بھی تھی، کچن میں کام کرتے ہوئے مسلسل ان کے اونچی آواز میں بولنے کی آوازیں آتی رہیں۔

چھوٹی بی بی! کھانا لگا دوں، شاداں نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ سہ پہر ڈھل کر شام کا ملگجا سا اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا، شاداں نے سارے گھر کی لائٹیں آن کر دیں، مصنوعی روشنیوں سے جگمگاتے گھر میں بھی اس کا دل گھبرانے لگا، وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی، صبح سے دل پر جو غبار چھایا ہوا تھا، وہ آنسوؤں کی صورت میں نکلنے لگا، آہستہ آہستہ آنسو بہاتے ہوئے وہ بلند آواز میں رونے لگی، شاداں، اس کی مہمان خاتون، اس کے بچے سب لونگ روم میں جمع ہو گئے، لیکن اتنے سارے ان لوگوں کے درمیان وہ تنہا تھی، ان میں سے کوئی بھی اس کا اپنا نہ تھا، وہ سب اس سے ہمدردی کے اظہار کے طور پر وہاں کھڑے تھے، مگر وہ سب ملازم تھے، ایک ذات جو بہت مہربان اور کریم ہے اوپر آسمانوں میں موجود لیکن انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب، اس کے پاس تھی مگر وہ اس سے بالکل غافل تھی، روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی اور سر درد سے پھٹنے لگا، شاداں نے اسے پانی کا گلاس دیا، مگر اس نے گرا دیا۔

"بے چاری بچی۔" شاداں کی مہمان نے ترحم سے اس کی طرف دیکھا۔

"بیگم صاحبہ چھوٹی بی بی کے ساتھ اچھا نہیں کرتیں۔" اس نے روتے ہوئے شاداں کا تبصرہ سنا۔

جاؤ تم سب لوگ یہاں سے چلے جاؤ، وہ روتے روتے چلائی۔

"تماشا دیکھنے کھڑے ہو جاتے ہیں، چلے جاؤ تم سب لوگ۔" وہ پوری قوت سے چلائی تو سب ہی وہاں سے ہٹ گئے، وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پر گر سی گئی، اس کا سر چکرا رہا تھا، اس نے دن کو بھی کھانا نہ کھایا تھا اور رات کو بھی اس کے موڈ کو دیکھتے ہوئے شاداں نے اصرار نہ کیا، اس کا پورا وجود بخار میں جل رہا تھا۔

یوں خوشیوں سے بھرا عید کا دن اختتام کو پہنچا، رات کو بہت دیر سے ابو، ممی اور عائدہ گھر میں داخل ہوئے تب تک وہ تھک ہار کر سو چکی تھی، شاداں کے بتانے پر کہ "وہ سو چکی ہے" ابو اطمینان سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

نمرہ کیا کر رہی ہو؟ وہ لان میں بیٹھی ہوئی صحابیات کے واقعات پڑھ رہی تھی، جب یسریٰ نے پوچھا۔

یہ بک پڑھ رہی تھی، کوئی کام تھا؟ اس نے پڑھتے پڑھتے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

.........(جاری ہے).........



ہم کیا ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے؟ ہم سوچتے کیا ہیں اور ہوتا کیا ہے؟ ارادہ کہیں کا کرتے ہیں اور پہنچ کہیں اور جاتے ہیں۔ کھانا کسی کے لئے پکاتے ہیں، کھا کوئی اور جاتا ہے۔ اس قسم کے واقعات تقریباً ہر شخص کے ساتھ پیش آتے ہوں گے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ بظاہر کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ سارے کام ٹھیک ہوتے ہیں، منصوبے میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لیکن امر واقع ہے کہ کوئی نہ کوئی سبب ایسا بن جاتا ہے کہ کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ پاتا۔ آپ جو کچھ چاہتے ہیں، وہ نہیں ہوتا اور جو کچھ نہیں چاہتے یا جس کے بارے میں آپ کے دل و دماغ میں نہیں ہوتا، وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ "ارادے کے ٹوٹنے سے میرا اللہ پر یقین بڑھ گیا۔" یہ بات میں نے کتابوں میں پڑھی، بزرگوں سے سنی۔ یقین کامل اس وقت ہوا جب یہ معاملہ میرے ساتھ پیش آیا۔ دراصل اللہ تعالیٰ گاہے بگاہے ہمیں یہ بتاتا رہتا ہے کہ اصل طاقت اسی کے پاس ہے اور اس کی مرضی میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ میں آج کے کالم میں اپنا سچا واقعہ پیش کر رہا ہوں۔ 1975ء کی بات ہے، میں دمشق میں تھا۔ شام کے ایک ریٹائرڈ وزیر کے یہاں قیام تھا۔ ان کا بھتیجا میرا دوست تھا۔ دیندار لوگ تھے اور عرب کی مہمان نوازی تو ویسے بھی مشہور ہے۔ مختلف موضوعات پر ہم لوگ گفتگو کرتے۔ ہمارا موضوع زیادہ تر اسلام اور مسلم حکومتیں تھیں۔ وزیر صاحب کا کہنا تھا کہ کوئی ماڈل مسلم حکومت نہیں، خاص کر عرب مختلف ریاستوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر ایک کے اپنے اپنے (ذاتی) مفادات ہیں، اسلام کے لئے کوئی بھی مخلص نہیں۔ ایک شخص مخلص تھا، مومن تھا، اب شہید ہو گیا۔ ان کا اشارہ سعودی عرب کے شاہ فیصل بن عبدالعزیز کی طرف تھا۔ دوران گفتگو انہوں نے مجھے پیشکش کی کہ اگر میں کینیڈا جانا پسند کروں تو وہ میری اس سلسلے میں مدد کر سکتے ہیں۔ کہنے لگے۔ میرا داماد کینیڈین سفارت خانے میں فرسٹ سیکریٹری ہے اور اس وقت بیروت میں ہے۔ میری رضامندی پر انہوں نے اپنے داماد کے نام لیٹر لکھ کر دیا اور کہا کہ آپ بیروت جائیں اور کینیڈین سفارتخانے میں یہ لیٹر میرے داماد کو دے دیں، وہ آپ کے ویزہ کا انتظام کر دے گا۔ ان شاء اللہ آپ کو کسی قسم کی زحمت نہیں ہوگی۔ دو تین دن رہ کر میں بیروت روانہ ہو گیا۔ بیروت جا کر معلوم ہوا کہ

سیکریٹری صاحب ایک ہفتے کے لئے بیروت سے باہر گئے ہوئے ہیں۔

میں نے ان کے واپس آنے کے انتظار میں وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے دن ہی سے بیروت میں فسادات شروع ہوگئے۔ حالات اس قدر خراب ہوگئے کہ مجبوراً مجھے ہوٹل جو کہ شہر کے اندر تھا، چھوڑنا پڑا اور میں نے کچھ پاکستانیوں کے ساتھ مل کر ایک مکان کرایہ پر لے لیا۔

اس جگہ کا نام صبرہ تھا اور یہ فلسطینیوں کی تنظیم الفتح کا ہیڈ کوارٹر تھا، اس وقت بیروت تین حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ حالت یہ تھی کہ چند دنوں تک جو بیروت کی خوبصورتی تھی، امن تھا، اس کی جگہ وہ شہر کھنڈر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس شہر کو اجڑتے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

سفارت خانے جو شہر کے وسط میں تھے، وہاں تک پہنچنا ناممکن تھا، ایسی حالت میں بیروت میں رکنا بے کار تھا، اس لئے میں بیروت سے دمشق واپس آگیا، دمشق میں واپسی کس طرح ہوئی، یہ ایک الگ داستان ہے، بہرحال شام پہنچ کر میں سابق وزیر سے ملا اور انہیں صورت حال سے باخبر کیا، میری اگلی منزل مصر میں قاہرہ تھی، مقصد اہرام مصر کو دیکھنا تھا، نومبر کا مہینہ تھا اور حج کا سیزن، سعودی سفارت خانے میں حج کا ویزہ لگوانے والوں کا ہجوم، ایک پاکستانی نے مجھ سے کہا کہ حج ویزہ کے لئے سعودی سفارت خانے جارہا ہوں، اگر ممکن ہو تو آپ میرے ساتھ چلیں، میں نے ان کے ساتھ جانے کی ہامی بھرلی، یہ درخواست سفارت خانے کے تھرڈ سیکریٹری خود لیتے تھے، انہوں نے مجھ سے پوچھا: آپ کی درخواست کہاں ہے؟ میں نے ان سے کہا: میرا پروگرام حج پر جانے کا نہیں ہے اور میں تو یونہی ان صاحب کے ساتھ چلا آیا ہوں، نہ جانے کیا بات تھی، انہوں نے ہم دونوں کو بٹھالیا، شام تک ہم ان کے پاس رہے، اس کے بعد وہ ہمیں اپنے ہمراہ اپنے گھر لے آئے، پاکستان کے بارے میں معلومات کرلیتے رہے، رات کا کھانا بھی انہیں کے ساتھ کھایا، عبداللہ نام تھا اور طائف سے تعلق رکھتے تھے، دوران گفتگو بار بار اس بات پر افسردہ ہوجاتے تھے کہ میرا تعلق اس علاقے سے ہے جہاں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر ظلم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ یہ بات کہتے ہوئے ان پر رقت طاری ہوگئی۔ پھر کہنے لگے: اس وقت ہم سب کی نگاہیں پاکستان پر ہیں، بدقسمتی سے عرب ممالک میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہیں کہ مسلم امۃ کی قیادت کرسکے، وہ سب ذاتی مفادات میں پڑے ہوئے ہیں، دولت کی کوئی کمی نہیں، لیکن جذبۂ ایمانی سے وہ سب خالی ہیں، عرب ممالک کو چاہئے کہ پاکستان کی مالی مدد کریں، میرا دل کہتا ہے کہ مستقبل میں پاکستان ایک بہت بڑی طاقت ہوگا، پاکستان اگر طاقت ور ہوگا تو اسلام طاقتور ہوگا، عبداللہ کی رائے پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں نہایت اچھی تھی، شاید یہی وجہ ہو کہ ان کا برتاؤ میرے ساتھ اتنا عمدہ تھا، رخصت کرتے وقت مجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگے: اگر آپ کی کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو میرے پاس آجایا کریں، آپ سے باتیں کر کے سکون حاصل ہوتا ہے، یہ کہہ کر اپنا وزیٹنگ کارڈ اپنے دستخط کے ساتھ مجھے دے دیا اور کہا: اس کارڈ کو دکھا کر آپ ایمبیسی آسکتے ہیں، کوئی آپ کو نہیں روکے گا۔

میرے پاس کوئی کام تو تھا نہیں اور سچی بات تو یہ بھی تھی کہ میں خود ان سے ان کے جذبۂ ایمانی کی وجہ سے متاثر ہوا تھا، چنانچہ میں روزانہ صبح سے شام تک ان کے ساتھ ایمبیسی میں رہتا اور رات کھانا کھا کر واپس آجاتا۔ اس دوران کافی بے تکلفی ہوچکی تھی، جب تک میں ان کے دفتر میں ہوتا، پاسپورٹ پر حج ویزہ کی اسٹیمپ میں لگاتا اور اس پر وہ اپنے دستخط کردیتے، اس طرح میری مصروفیت بھی نکل آئی اور ان کو ایک مددگار بھی مل گیا۔ ایک دن وہ مجھ سے پوچھنے لگے: آخر تمہارا

پروگرام کیا ہے؟ میں نے انہیں کہا کہ میرا پروگرام کینیڈا جانے کا ہے، کئی مرتبہ یہ خواہش ہوئی کہ آپ سے کہوں کہ اس سلسلے میں میری مدد کریں، آپ لوگوں کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ سفارتی ہوتے ہیں لیکن صرف اس وجہ سے نہیں کہہ سکا کہ کہیں آپ کے دل میں یہ بات نہ آجائے کہ میں اس لالچ کی وجہ سے ملتا ہوں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تعلقات کی نوعیت بے غرض ہے، آج جب کہ آپ نے پوچھا تو میں نے دل کی بات بتادی، مجھ سے کہنے لگے: میں سمجھتا ہوں تم ایک شریف اور ایماندار انسان ہو، جبھی تو تم سے اتنا پیار ہے، تم اگر لالچی ہوتے تو اب تک ہزاروں ڈالر کما چکے ہوتے، مجھے معلوم ہے حج ویزے کے لئے لوگ رقم دیتے ہیں اور اس بات کا بھی یقین ہے کہ تمہیں بھی اس قسم کی آفر ہوئی ہوگی لیکن تم نے اب تک ایسا کوئی کام نہیں کیا اور نہ ہی میرے تعلق سے کوئی فرمائش کی، یہی وجہ ہے کہ میں تمہاری عزت کرتا ہوں، پھر کہنے لگے: میرا مشورہ ہے کہ تم کینیڈا کے بجائے سعودی عرب جاؤ، میں نے کہا: سعودی عرب ضرور جاؤں گا حج و عمرہ کے لئے ان شاء اللہ، لیکن اس وقت میں اپنے مستقبل کو بنانے کینیڈا جانا چاہتا ہوں، انہوں نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی کہ کینیڈا اور مغرب کا ماحول ایسا نہیں کہ تم اس میں ایڈجسٹ ہوسکو، جب کہ الحمدللہ سعودی عرب کا ماحول اسلامی ہے اور تمہارے ذہن سے مطابقت رکھتا ہے، پھر یہ کہ وہاں دین اور دنیا دونوں بہتر ہوں گے، میں اس سلسلے میں اپنے تعاون کا یقین دلاتا ہوں، اگر ملازمت کرنا چاہو تو اس کا انتظام ہوجائے گا اور اگر بزنس کرنا چاہو تو اس کا بھی انتظام میں کردوں گا، میں نے ان کی اس پیشکش پر شکریہ ادا کیا اور کہا: اچھا سوچوں گا لیکن میرے دل و دماغ پر تو کینیڈا کا بھوت سوار تھا، چنانچہ دوسرے دن ہی میں نے کہہ دیا کہ مجھے تو کینیڈا ہی جانا ہے، اگر آپ کوئی مدد نہیں کرسکتے تو کوئی بات نہیں، مشورہ دینا اور بات ہے کام کرنا اور بات ہے۔ مجھ پر ایک قسم کی ضد سوار ہوچکی تھی، چنانچہ صورت حال یہ ہوگئی تھی کہ صبح تو ہماری خوشگوار ہوتی لیکن شام کو اسی بات کی تکرار سے تلخی ہوجاتی، ایک دن وہ کہنے لگے: اچھا ایسا کرو ایک دو ماہ کے لئے تم سعودی عرب چلے جاؤ، دو ماہ بعد میرا پروموشن ہورہا ہے اور میں سیکنڈ سیکریٹری کے طور پر جرمنی جارہا ہوں، تم جرمنی میرے پاس آجانا، دونوں بھائی ساتھ رہیں گے اور وہاں کچھ کریں گے، میں نے جھنجھلا کر کہا: خدا کے لئے اپنے مشورے بند کرو، دو تین دن تک ہماری ملاقات میں اسی طرح سرد مہری رہی، ایک دن کہنے لگے: ناراض نہ ہو، اچھا ایسا کرو میں تمہاری بات مانتا ہوں تم میری بات مانو، میں تمہیں کینیڈا کا ویزہ لگوادوں گا، لیکن یہ موقع بار بار نہیں آتا، یہ حج اکبر کا سال ہے، تم حج کر کے آجاؤ، دس دنوں ہی کی تو بات ہے، ضد چھوڑ دو، میری بات مان لو، میں نے ان کی اس محبت اور خلوص پر ہتھیار ڈال دیئے اور راضی ہوگیا۔

انہوں نے مجھے دو خطوط ایک وزیر تعلیم اور دوسرا ایئر فورس کے کیپٹن کے نام لکھ کر دیئے اور کہا کہ یہ دونوں جدہ میں رہتے ہیں، جدہ پہنچ کر ٹیکسی ڈرائیور کو یہ ایڈریس دکھانا، وہ تمہیں پہنچادے گا، اس طرح تم یہ حج ایک سعودی مہمان کی حیثیت سے کروگے، میں دل ہی دل میں بڑا خوش ہوا کہ میں ایک عام شہری کے بجائے وی آئی پی کی حیثیت سے حج کروں گا، اب مسئلہ سیٹ کا تھا، بڑی مشکل سے مجھے عبداللہ کی کوششوں سے جہاز میں جگہ ملی، میں جدہ پہنچ گیا، ہم سب کے پاسپورٹ جہاز ہی میں لے لئے تھے، حج فیس ادا کرکے پاسپورٹ جب مانگا تو جواب ملا یہ آپ کو مکہ مکرمہ میں حج معلم سے ملے گا اور یہ کہ اس معلم کا ایڈریس میرے ہاتھ میں تھمادیا، حاجی کیمپ میں حاجیوں کی بس کھڑی تھی، ہم سب اس میں بیٹھ گئے اور اس طرح میں مکہ مکرمہ پہنچ گیا، جدہ میں بغیر

پاسپورٹ وزیر تعلیم تک پہنچنا ناممکن تھا، میرے وی آئی پی کے سارے خواب چکنا چور ہو چکے تھے، معلم کے پاس گیا، اس سے اپنا پاسپورٹ مانگا اور کہا کہ مجھے میرے ٹھہرنے کی جگہ بتاؤ، اس نے ایک لمبی چوڑی لسٹ میرے ہاتھ میں تھمادی، جس میں لکھا تھا: ٹھہرنے کی فیس، بس کا کرایہ منیٰ تک عرفات تک، مدینہ جانے کا کرایہ، مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کی ہوٹل فیس وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اس سے کہا، میں تو جدہ میں فیس ادا کر چکا ہوں اور یہ دیکھو، اس کی رسید، معلم نے کہا، یہ حکومت کی فیس ہے، میں اس سے حجت کرنے لگا تو وہاں موجود حاجیوں نے مجھے سمجھایا کہ یہ جو کہہ رہا ہے سچ ہے، مجھے کیا معلوم؟ معلوم تو جب ہوتا جب میں ذہنی طور پر حج کے لئے آیا ہوتا اور اس کے بارے میں پوری معلومات رکھتا، صبر کر کے خانہ کعبہ میں داخل ہو گیا، سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے کچھ نہیں معلوم، حج کس طرح کیا جاتا ہے، میرے سامنے غلاف میں لپٹا ہوا ایک گھر تھا جسے خانہ خدا، کعبہ کہتے ہیں۔ لوگ اس کے گرد چکر لگا رہے تھے، رش اس قدر کہ اس جگہ پہنچنا مشکل۔ لیکن مجھے نہ رش نظر آ رہا تھا اور نہ کچھ اور۔ میری نظروں کا محور تو بس اب ایک ہی تھا۔ میں کس طرح وہاں تک پہنچا کچھ خبر نہیں، خانہ کعبہ پہنچ کر اس کے غلاف سے بے ساختہ لپٹ گیا۔ آنکھوں میں آنسو۔ میں نے کہا: اے! اللہ تو ہر چیز سے واقف ہے، تو جانتا ہے میں تیری اس پاک جگہ نہیں آنا چاہتا تھا، میں نے اپنی سی پوری کوشش کر لی لیکن میری تمام کوششوں کے باوجود تو نے اپنے پاس بلا لیا، بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، حکم تو تیرا ہی چلتا ہے۔ اے اللہ تو کتنا مہربان ہے کہ مجھ گناہ گار پر اس قدر فضل و کرم کیا اور اس مقدس جگہ پر بلا لیا، ان پر تیرے کرم اور رحمت کا کیا حال ہوگا جو تیرے نیک اور فرماں بردار بندے ہیں۔ اے اللہ! اب جب کہ تو نے مجھ پر اتنا کرم کیا تو ایک کرم اور کر دے۔ میں تیرا مہمان ہوں، میرے

چوری اسلام میں بہت سختی منع ہے

چوری کو اسلام میں بہت سختی سے منع کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب چور چوری کرتا ہے تو مسلمان نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں اس کی بہت سخت سزا ہے۔ ''اور جو کوئی چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ ان کے کام کی سزا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔''

(انتخاب:......فیصل سعود، کراچی)

ساتھ ایسا معاملہ کر جیسا معاملہ ایک میزبان مہمان کے ساتھ کرتا ہے۔ بلا لیا تو اب چھوڑنا نہیں، ورنہ میں اکیلا ہو جاؤں گا...... اکیلا ہو جاؤں گا تو کمزور ہو جاؤں گا اور برباد ہو جاؤں گا۔ اس وقت کی کیفیت کو میں لکھنے سے معذور ہوں کہ اس کیفیت کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرے مالک نے میری التجا، میری دعا قبول کر لی، میرا قیام جدہ میں تقریباً ساڑھے آٹھ سال رہا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن، میں تو اس کی ہی رحمت سے چل رہا ہوں۔ ورنہ میں اپنے آپ سے بہ خوبی واقف ہوں۔

اس واقعے کے بعد میں نے وہ دونوں خطوط پھاڑ دیئے کہ اب کسی چیز کی طلب نہ رہی تھی، میرے لئے میرا اللہ اور اس کا حبیب میرا آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا، انسان سوچتا کیا ہے اور ہوتا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ گاہے بہ گاہے ہمیں ہماری حقیقت سے باخبر کرتا رہتا ہے۔ بس بصیرت کی ضرورت ہے اور یہ بصیرت بھی اللہ کی دی ہوئی توفیق سے ہی ممکن ہے۔

☆......☆......☆



حق تعالیٰ شانہٗ قرآن عزیز میں فرماتے ہیں:

ترجمہ:...... یعنی تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے جب تک اپنی محبوب چیز کو خرچ نہ کرو گے۔ (۹۲/۳)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نماز اسلام کا ستون ہے، جہاد عمل کی چوٹی ہے اور صدقہ ایک عجیب چیز ہے۔ صدقہ کم ہو یا زیادہ، وہ ضرور کرنا چاہئے، کیونکہ اس میں دس پسندیدہ باتیں پائی جاتی ہیں، پانچ دنیا میں اور پانچ آخرت میں، دنیا والی پانچ باتیں درج ذیل ہیں:

(۱)...... مال پاک ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشاد کے مطابق کاروبار میں لغو باتیں، جھوٹ اور قسم وغیرہ مل جاتی ہیں، لہٰذا اسے صدقہ کے ذریعے پاک کرو۔

(۲)...... بدن گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''آپ ان سے ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعے سے آپ انہیں پاک صاف کر دیں۔'' (۱۰۳/۹)

(۳)...... اس سے بیماریاں اور آفتیں دور ہو جاتی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشاد کے مطابق ''اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو۔''

(۴)...... اس سے مساکین خوش ہوتے ہیں، جو ایک بہت بڑا عمل ہے۔

(۵)...... اس سے مال میں برکت اور رزق میں فراخی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور جو چیز تم خرچ کرو گے، سو وہ اس کا عوض دے گا۔''

آخرت والی پانچ باتیں یہ ہیں:

(۱)...... صدقہ سخت گرمی کے وقت آدمی کے لئے سایہ بنے گا۔

(۲)...... حساب میں تخفیف کا سبب ہوگا۔

(۳)...... میزان عمل کا وزن بڑھائے گا۔

(۴)...... پل صراط سے گزرنا آسان کرے گا۔

(۵)...... جنت کے درجات میں اضافہ کرے گا۔

ایک روایت کے مطابق صدقہ کرنے سے ستر (۷۰) شیطانوں کے منہ پھوٹتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن عزیز میں فرماتے ہیں:

''اور تم لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو اور (خرچ وغیرہ کو) اچھی طرح کیا کرو، بیشک حق تعالیٰ محبوب رکھتے

ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو۔" (بقرہ: ع ۲۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"ہلاکت یہ نہیں ہے کہ آدمی اللہ کے راستے میں قتل ہوجائے بلکہ ہلاکت یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے رک جائے۔"

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو قرآن عزیز اللہ کو قرض دینے کے مترادف بیان کرتا ہے کہ جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں:

"اے آدمی! اپنا خزانہ میرے پاس امانت رکھا دے، نہ اس میں آگ لگنے کا اندیشہ ہے، نہ غرق ہوجانے کا، نہ چوری کا، میں ایسے وقت میں وہ تجھ کو پورا پورا واپس کروں گا جس وقت تجھے اس کی انتہائی ضرورت ہوگی۔ (درمنثور)

ایک حدیث شریف کے مطابق جو شخص اللہ کے راستے میں ایک کھجور خرچ کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے ثواب کو اتنا بڑھادیتے ہیں کہ وہ ایک اُحد پہاڑ جتنا بن جاتا ہے۔

جو کچھ اللہ کی راہ میں صدقہ خیرات کیا جائے، اس پر احسان نہ جتایا جائے، ورنہ وہ آپ کی اس نیکی کو برباد کردے گا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشاد کے مطابق صدقہ دے کر احسان جتانے والا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک حدیث شریف کے مطابق صدقہ برائی کے ستر دروازہ بند کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کے غصے کو دور کرتا ہے، بری موت سے حفاظت کرتا ہے، عمر کو بڑھاتا ہے، تکبر اور فخر کو مٹاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر روز صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے، اے اللہ خرچ کرنے والے کو ان کا بدل عطا فرما، دوسرا دعا کرتا ہے، اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال برباد کردے۔ (مشکوٰۃ)

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق یہ بربادی مال کی بھی ہوسکتی ہے اور صاحب مال کی بھی، یعنی اس کے نیک اعمال بھی برباد ہوسکتے ہیں۔

صدقہ، تفکرات اور غموں کو دور کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص کو جو کسی مسلمان کو لباس مہیا کرے، جب تک پہننے والے کے بدن پر وہ کپڑا رہے گا، اللہ اسے اپنی حفاظت میں رکھے گا۔

"ایک حدیث شریف کے مطابق صبح سویرے صدقہ دیا کرو، کیونکہ بلا صدقہ سے آگے نہیں بڑھتی، صدقہ مرنے کے وقت شیطان کے وسوسے سے محفوظ رکھتا ہے، بری موت سے بچاتا ہے، قبر کی گرمی کو دور کرتا ہے، ہر شخص روز محشر اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا، جتنا زیادہ صدقہ کیا ہوگا، اتنا زیادہ سایہ ہوگا، حضور صلوٰۃ و السلام کے مبارک ارشاد کے مطابق صدقہ خطاؤں کو ایسے بجھادیتا ہے، جیسے پانی آگ کو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ دو چیزیں شیطان کی طرف سے ہیں اور دو رحمان (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے، پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

"شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے اور تم کو بری بات کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی طرف سے گناہ معاف کردینے کا اور زیادہ دینے کا اور اللہ تعالیٰ وسعت والے خوب جاننے والے ہیں۔"

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک دفعہ ایک لاکھ اسی ہزار درہم کی دو تھیلیاں تھیں، جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھجوائیں تھیں، شام تک آپ نے وہ سارا صدقہ کردیا اور شام کو باندی نے بتایا کہ افطاری کے لئے کچھ نہیں تو فرمایا، پہلے کہہ دیتی تو کچھ خرید لیتے اور یوں زیتون کا تیل اور روٹی

لے کر روزہ افطار کرلیا اور ایک اور روایت کے مطابق ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ ستر ہزار درہم صدقہ کئے اور خود اپنی قمیص پر پیوند لگے ہوئے تھے۔

حدیث شریف کے مطابق ہر بھلائی صدقہ ہے اور آدمی کے جسم میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) جوڑ ہیں اور ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ ضروری ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طاقت کس کو ہے تو فرمایا: مسجد میں تھوک پڑا ہو، اس کو ہٹادو، یہ صدقہ ہے، راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز ہٹانا بھی صدقہ ہے اور کچھ نہ ملے تو چاشت کی نماز کے دو نفل سب کے قائم مقام ہوجاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

اس لئے کہ نماز میں ہر جوڑ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں حصہ لیتا ہے اور حرکت کرتا ہے۔

ہر قدم جو نماز کے لئے چلے، وہ صدقہ ہے، نماز صدقہ ہے، روزہ صدقہ ہے، حج صدقہ ہے۔ "سبحان اللہ" کہنا صدقہ ہے۔ "الحمدللہ" کہنا صدقہ ہے۔ "اللہ اکبر" کہنا صدقہ ہے، کسی کو سلام کرنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔

حضرت ضحاک رحمتہ اللہ علیہ نزال بن سبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت کے دروازے پر تین سطریں لکھیں ہیں۔

پہلی سطر ہے..... لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

دوسری سطر ہے..... امة مذنبة و رب غفور

ترجمہ:..... لوگ گنہگار اور پروردگار مغفرت والا ہے۔

تیسری سطر ہے..... وجدنا ما عملنا ربحنا ما قدمنا خسرنا ما خلفنا

ترجمہ:..... ہم نے تو اپنے اعمال کو پالیا اور جو آگے بھیجا، وہ نفع میں رہا جو پیچھے چھوڑ آئے، وہ خسارا اٹھایا۔

کہتے ہیں، جو پانچ چیزیں روک لیتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ بھی اس سے پانچ چیزیں روک لیتے ہیں۔

(۱)..... جو زکوٰۃ روک لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مال کی حفاظت روک لیتے ہیں۔

(۲)..... جو صدقہ روکتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے عافیت روک لیتے ہیں۔

(۳)..... جو عشر روکتا ہے، اس سے زمینوں کی برکت روک لیتے ہیں۔

(۴)..... جو دعا روکتا ہے، اللہ تعالیٰ قبولیت روک لیتے ہیں۔

(۵)..... جو نماز میں سستی کرتا ہے، حق تعالیٰ موت کے وقت اس سے لا الہ الا اللہ روک لیتے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق جو شخص اپنی صحت کی حالت میں ایک درہم خرچ کرتا ہے، وہ ان سو درہموں سے بڑھ کر ہے، جن کی وہ مرتے وقت وصیت کرتا ہے۔

ایک حدیث شریف کے مطابق سخاوت جنت کا ایک درخت ہے، جس کی ٹہنیاں دنیا میں جھک رہی ہیں، جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے، وہ ٹہنی اس کو جنت میں پہنچادیتی ہے اور بخل جہنم کے درختوں میں سے ایک درخت ہے، جس کی ٹہنیاں دنیا میں لٹک رہی ہیں، جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑتا ہے، وہ ٹہنی اس کو جہنم تک پہنچادیتی ہے۔ (کنز)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص اپنے بخل کی وجہ سے ملعون کے نام سے مشہور تھا، ان کے پاس ایک دن ایک شخص آیا، جو جہاد کا ارادہ رکھتا تھا، کہنے لگا، اے ملعون مجھے کچھ ہتھیار دے دے، جو جہاد میں میرے کام آئیں گے اور تیرے لئے دوزخ سے رہائی کا سامان ہوگا، اس نے منہ پھیر لیا اور کچھ نہ دیا، وہ آدمی واپس چل دیا، ملعون کو ندامت ہوئی، اسے آواز دے کر بلایا اور اپنی تلوار دے دی، وہ آدمی تلوار لے کر واپس لوٹا، راستے میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ان کے ساتھ ایک عابد بھی تھا، جو ستر برس سے عبادت میں

مشغول تھا، عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا، یہ تلوار کہاں سے لائے ہو، وہ شخص بولا، ملعون نے دی ہے، عیسیٰ علیہ السلام ملعون کے اس صدقے سے بہت خوش ہوئے، ادھر ملعون اپنے دروازے پر بیٹھا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عابد کے ساتھ وہاں سے گزرے، ملعون کے جی میں آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے عابد ساتھی کے چہرے کو ایک نظر دیکھ لوں، یہ اٹھ کر دیکھنے لگا تو عابد نے کہا کہ میں تو اس ملعون سے بھاگتا ہوں، کہیں اپنی آگ میں مجھے بھی نہ جلادے، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیج دی کہ تمہاری محبت کی وجہ سے میں نے بخش دیا ہے اور اسے یہ بھی بتاؤ کہ وہ جنت میں تیرا ساتھی ہوگا، عابد کہنے لگا، بخدا مجھے تو اس کے ساتھ جنت میں جانا گوارہ نہیں اور نہ ہی مجھے ایسا ساتھی پسند ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرے اس بندے کو کہو کہ تجھے میرا فیصلہ پسند نہ آیا اور میرے ایک بندے کو تو نے حقیر جانا، لہٰذا ہم نے تجھے ملعون اور دوزخی بنادیا ہے اور تیرے جنت کے محلات کا اس کے دوزخ والے مقامات سے تبادلہ کردیا ہے، اب میں نے تیرے جنت والے درجات اپنے اس بندے کے لئے اور اس کا دوزخ والا ٹھکانہ تیرے لئے طے کردیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے دو فقیر اور دو غنی کو وفات دی، اس کے بعد ایک غنی سے مطالبہ کیا کہ اپنے واسطے آگے کیا بھیجا اور اپنے عیال کے واسطے کیا چھوڑ آیا، اس نے عرض کیا، یا اللہ تو نے مجھے بھی پیدا کیا اور تو نے ان کو بھی پیدا کیا اور ہر شخص کی روزی کا تو نے ہی ذمہ لیا اور تو نے قرآن پاک میں فرمایا:

من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا.

اس بنا پر میں نے اپنا مال آگے بھیج دیا اور یہ بات محقق تھی کہ آپ ان کو روزی ہی دیں گے، ارشاد ہوا: اچھا جاؤ اگر تمہیں (دنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لئے میرے پاس کیا کیا (انعام و اکرام) ہے تو دنیا میں بہت خوش ہوتے اور بہت کم رنجیدہ ہوتے۔

اس کے بعد دوسرے غنی سے مطالبہ ہوا کہ تو نے اپنے لئے کیا بھیجا اور عیال کے لئے کیا چھوڑا، اس نے عرض کیا، یا اللہ میری اولاد تھی، مجھے ان کی تکلیف اور فقر کا ڈر ہوا، ارشاد ہوا، کیا میں نے تجھ کو اور ان سب کو پیدا نہ کیا تھا؟ کیا میں نے سب کی روزی کا ذمہ نہ اٹھایا تھا؟ اس نے عرض کیا، یا اللہ بے شک ایسا ہی تھا، لیکن مجھے ان کے فقر کا خوف ہی بہت ہوا، ارشاد ہوا کہ فقر تو ان کو پہنچا، کیا تو نے اس فقر کو ان سے روک دیا، اچھا جا، اگر تجھے (دنیا میں) معلوم ہو جاتا ہے کہ تیرے لئے میرے پاس کیا کیا (عذاب) ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔

پھر ایک فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تو نے اپنے لئے کیا جمع کیا اور کیا عیال کے لئے چھوڑا، اس نے عرض کیا، یا اللہ آپ نے مجھے صحیح سالم تندرست پیدا کیا اور گویائی بخشی، اپنے پاک نام مجھے سکھائے، اپنے سے دعا کرنا سکھایا، اگر آپ مجھے مال دے دیتے تو مجھے یہ اندیشہ تھا کہ میں اس میں مشغول ہو جاتا، میں اپنی اس حالت پر جو تھی، راضی ہوں، ارشاد ہوا کہ اچھا جاؤ، میں بھی تم سے راضی ہوں۔ (سبحان اللہ)

اگر تمہیں (دنیا میں) معلوم ہو جاتا کہ تمہارے لئے میرے پاس کیا ہے تو بہت زیادہ ہنستے اور بہت کم روتے۔

پھر دوسرے فقیر سے مطالبہ ہوا کہ تو نے اپنے لئے آگے کیا بھیجا اور عیال کے لئے کیا چھوڑا، اس نے عرض کیا، اللہ آپ نے مجھے دیا ہی کیا تھا، جس کا اب سوال ہے، ارشاد ہوا، کیا ہم نے تجھے صحت نہ دی تھی، گویائی نہ دی تھی، کان آنکھ نہ دیئے تھے اور قرآن پاک میں یہ نہ فرمایا تھا۔

ادعونی استجب لکم...... مجھ سے دعائیں مانگو، میں قبول کروں گا۔

اس نے عرض کیا، یا اللہ! یہ تو بے شک صحیح ہے، مگر مجھ سے بھول ہوئی، ارشاد ہوا کہ اچھا آج ہم نے بھی تجھے بھلا دیا، جا چلا جا، اگر تجھے پتہ ہوتا کہ تیرے لئے ہمارے ہاں کیا کیا عذاب ہے تو بہت کم ہنستا اور بہت زیادہ روتا۔ (کنز)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پہلی امتوں میں ایک بزرگ ریت کے ٹیلے پر گزرے، گرمی اور قحط سالی کا زمانہ تھا، وہ اپنے دل میں یہ تمنا کرنے لگے کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ غلے کا ڈھیر ہوتا تو میں اس سے بنی اسرائیل کو خوب کھلاتا، حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وقت کے نبی پر وحی کی کہ فلاں بزرگ کو بشارت سنادو کہ ہم نے تمہارے لئے اتنا ہی اجر و ثواب لکھ دیا، جتنا کہ ٹیلہ غلے کا ہوتا اور تم اس کو لوگوں میں تقسیم کردیتے۔ (تنبیہ الغافلین)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے ارشاد فرمایا کہ تم صدقہ بہت کثرت سے کیا کرو، میں نے عورتوں کو بہت کثرت سے جہنم میں دیکھا ہے، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کیا وجہ ہے، فرمایا: عورتیں لعنت (بددعائیں) بہت کرتی ہیں اور خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔ (مشکوٰۃ)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد کے بعد عورتوں نے اپنے کانوں کا زیور، گلے کا زیور وغیرہ سب صدقہ کردیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، قیامت کے دن فقراء مہاجرین اغنیاء سے چالیس سال قبل جنت جائیں گے۔ (مشکوٰۃ)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے۔

”اے اللہ، زندگی میں بھی مجھے مسکین رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت عطا کر اور میرا حشر بھی مسکینوں کی جماعت میں فرما۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مسکینی کی دعا کیوں کرتے ہیں، فرمایا، مساکین اغنیاء سے چالیس سال قبل جنت میں جائیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: مساکین کو نامراد واپس نہ کرو، چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، مساکین سے محبت رکھا کرو، ان کو اپنا مقرب بنایا کرو، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہیں اپنا مقرب بنائیں گے۔ (مشکوٰۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔

اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا...... ”اے اللہ! میری اولاد کا رزق قوت ہو۔“ یعنی بقدر کفایت ہو، زائد ہو ہی نہیں، جس کے چکر میں میری اولاد پھنس جائے۔

ایک ارشاد کے مطابق کوئی فقیر یا غنی قیامت میں ایسا نہ ہوگا، جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ دنیا میں اس کی روزی صرف قوت (یعنی بقدر کفایت) ہوتی۔ (احیاء)

بخاری شریف کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خدا کی قسم، مجھے تمہارے اوپر فقر و فاقہ کا خوف نہیں ہے، بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی وسعت ہو جائے، جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر ہو چکی ہے۔ پھر تمہارا اس میں دل لگنے لگے، جیسے ان کا لگنے لگا تھا، پس یہ چیز تمہیں بھی ہلاک کردے، جیسے کہ پہلی امتوں کو ہلاک کر چکی ہے۔ (مشکوٰۃ)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور ارشاد کے مطابق مال داری میں اس شخص کے لئے نقصان نہیں، جو اللہ سے ڈرتا رہے۔ (مشکوٰۃ)

سات خصلتیں صدقے کو بڑھانے کا ذریعہ ہیں:

(۱)...... پہلی یہ کہ صدقہ حلال مال سے دیا جائے۔

(۲)...... دوسری یہ کہ قلیل مال سے بھی بقدر ہمت دینا چاہئے۔

(۳)...... جلدی دینا کہ کہیں موقع نہ جاتا رہے۔

(۴)...... بہترین اور عمدہ مال دینا۔

(۵)...... ریا سے بچتے ہوئے چھپا کر صدقہ دینا۔

(۶)...... احسان نہ جتانا۔

(۷)...... اس کے بعد تکلیف نہ پہنچانا۔

ارشاد ہے:...... ”تم احسان جتا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو۔“

حدیث شریف میں ہے، روزی طلب کر (اللہ سے) صدقہ کے ذریعے سے (یعنی خیرات کرو، اس کی برکت کی وجہ سے، روزی میں ترقی ہوگی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بستی پر سے گزرے، وہاں ایک دھوبی رہتا تھا، بستی والوں نے آپ کے پاس شکایت کی کہ یہ ہمارے کپڑے پھاڑ دیتا ہے اور اپنے پاس روک کر بھی رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ اپنی کپڑوں والی گانٹھ سمیت واپس نہ آسکے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کردی، اگلے دن دھوبی حسب معمول کپڑے دھونے چلا گیا، تین روٹیاں ساتھ تھیں، قریب ہی پہاڑوں میں ایک عابد رہتا تھا، وہ دھوبی کے پاس آیا اور پوچھا کہ تیرے پاس کھانے کو روٹی ہے، اگر ہے تو اسے ذرا سامنے کردے، تاکہ میں اسے دیکھ سکوں، یا اس کی بو ہی سونگھ سکوں، کیونکہ ایک عرصے سے کھانا نہیں کھایا، دھوبی نے اسے ایک روٹی کھانے کو دے دی، عابد نے دعا دیتے ہوئے کہا، اللہ تعالیٰ تیرے گناہ معاف کردے اور تیرے دل کو پاک کردے، دھوبی نے دوسری روٹی بھی دے دی، وہ کہنے لگا، اللہ تعالیٰ تیرے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کردے، دھوبی نے تیسری روٹی بھی دے دی تو عابد بولا، اللہ تعالیٰ تیرے لئے جنت میں محل بنائے۔

شام ہوئی تو دھوبی صحیح سالم واپس پہنچ گیا، بستی والوں نے حیران ہوکر عیسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ دھوبی تو واپس آگیا ہے، آپ نے دھوبی کو بلایا اور فرمایا، سچ بتا کہ تو نے آج کیا عمل کیا ہے، اس نے کہا، ان پہاڑوں سے ایک عابد میرے پاس آیا، اس کے مانگنے پر میں نے تین روٹیاں اسے دیں، تو اس نے ہر روٹی کے بدلے میں مجھے دعائیں دیں۔

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اپنی کپڑوں والی گانٹھ کھول کر دکھا، اس نے کھولا تو دیکھا کہ ایک سانپ بیٹھا ہے، جس کے منہ میں لوہے کی لگام ہے، آپ نے سانپ کو پکارا تو اس نے لبیک یا نبی اللہ کہہ کر جواب دیا، فرمایا، تجھے اس شخص کی طرف نہیں بھیجا گیا تھا، کہنے لگا، بیشک، لیکن اس کے پاس ان پہاڑوں میں ایک عابد آیا اور اس سے روٹی مانگی اور ہر روٹی کے بدلے اسے دعائیں دیں اور ایک فرشتہ پاس کھڑا آمین کہتا رہا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا اور اس نے مجھے یہ لوہے کی لگام پہنا دی، عیسیٰ علیہ السلام نے دھوبی سے فرمایا، اس عابد پر صدقہ کرنے کی بدولت تیرے پچھلے سب گناہ معاف ہوگئے ہیں، اب نئے سرے سے عمل کر۔

ایک بار حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کچھ گوشت آیا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خادمہ سے فرمایا کہ یہ گوشت طاق میں رکھ دے، شاید حضرت گوشت نوش فرمائیں، اس نے طاق میں رکھ دیا، اتنے میں ایک سائل آیا اور دروازے پر کھڑے ہوکر آواز دی، بھیجو اللہ کے نام پر خدا برکت کرے، گھر میں سے جواب دیا، خدا تجھکو بھی برکت دے، یعنی اشارے سے منع کیا اور بجائے کچھ دینے کے دعا دی، وہ سائل چلا گیا، اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا، ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے، انہوں نے کہا، ہاں ہے اور خادمہ سے کہا، جا وہ گوشت آپ کے واسطے لے آ، وہ گوشت لینے گئی، دیکھتی کیا ہے کہ وہاں تو گوشت کا نام ونشان بھی نہیں ہے، فقط ایک (سفید) پتھر کا ٹکڑا رکھا ہے، آپ نے فرمایا، کیونکہ تم نے سائل کو نہ دیا تھا، اس لئے وہ گوشت پتھر بن گیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص عنایت و رحمت کا معاملہ تھا، اس لئے انہیں اس گوشت کی صورت کھلی نگاہوں میں تبدیل کر کے دکھا دی تاکہ وہ اس کے استعمال سے بچ جائیں۔

جعفر بن سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ایک دفعہ

بصرہ میں چل رہا تھا، ایک عالیشان محل پر گزر ہوا، جس کی تعمیر جاری تھی اور ایک نوجوان بیٹھا ہوا معماروں کو ہدایت دے رہا تھا کہ یہاں پر اس طرح بنے گا، وہاں اس طرح بنے گا، مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ اس نوجوان کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ شخص کیسا حسین نوجوان ہے اور کس چیز میں پھنس رہا ہے، اس کو اس تعمیر میں کیسا انہماک ہے، میری طبیعت پر یہ تقاضا ہے کہ میں اللہ جل شانہٗ سے اس کے لئے دعا کروں کہ وہ اس کو اس جھگڑے سے چھڑا کر اپنا مخلص بندہ بنالے، کیسا اچھا ہو اگر یہ جنت کے نوجوانوں میں بن جائے، جعفر چل اس نوجوان کے پاس، دونوں اس نوجوان کے پاس گئے، اس کو سلام کیا، وہ مالک رحمتہ اللہ علیہ سے واقف تھا، لیکن پہچانا نہیں، مگر جب تھوڑی دیر بعد پہچانا تو کھڑا ہوگیا اور سلام کیا اور کہنے لگا، کیسے تشریف آوری ہوئی، مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، تم نے اس مکان میں کس قدر روپیہ لگانے کا ارادہ کیا ہے، اس نے کہا، ایک لاکھ درہم، مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، اگر تم یہ ایک لاکھ درہم مجھے دے دو تو میں تمہارے لئے جنت میں ایک مکان کا ذمہ لیتا ہوں، جو اس سے بدرجہ بہتر ہوگا اور اس میں حشم خدم بہت سے ہوں گے، اس میں خیمے اور قبے سرخ یاقوت کے ہوں گے، جن پر موتی جڑے ہوں گے، اس کی مٹی زعفران ہوگی، اس کا گارا مشک کا بنا ہوگا، جس کی خوشبوئیں مہکتی ہوں گی، وہ نہ کبھی پرانا ہوگا، نہ ٹوٹے گا، اس کو معمار نہیں بنائیں گے، بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے امر کن سے تیار کیا ہوگا، اس نوجوان نے کہا، مجھے سوچنے کے لئے ایک رات کی مہلت دیں، کل صبح آپ تشریف لائیں تو میں اپنی رائے سے آگاہ کروں گا، حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ واپس آگئے اور رات بھر اس نوجوان کی فکر اور سوچ میں رہے، آخر شب بہت عاجزی سے دعا کی، جب صبح ہوئی تو ہم دونوں اس کے مکان پر گئے، وہ نوجوان دروازے سے باہر ہی انتظار میں بیٹھا تھا، جب مالک رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا تو بہت خوش ہوا، مالک نے پوچھا، تمہاری کل کی بات میں کیا رائے ہے، اس نے کہا، آپ اس چیز کو پورا کریں گے، جس کا کل آپ نے وعدہ کیا ہے، حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، ضرور، اس نے دراہم کے توڑے سامنے لاکر رکھ دیئے اور دوات قلم لاکر رکھ دیا۔

حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ نے پرچہ لکھا، جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا کہ یہ اقرار نامہ ہے کہ مالک رحمتہ اللہ علیہ بن دینار نے فلاں شخص سے ذمہ لیا ہے کہ اس کے اس محل کے بدلے میں حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں اس کا ایسا محل (جس کی اوپر صفات بیان کی گئی ہیں) ملے گا، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ عمدہ اور بہتر ہوگا، جو عمدہ سایہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کے قریب ہوگا، یہ پرچہ لکھ کر اس کے حوالے کردیا اور اس سے ایک لاکھ درہم لے کر چلے گئے، جعفر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ کے پاس شام کو اتنا بھی باقی نہ تھا کہ ایک وقت کے کھانے کا انتظام چل سکے، یعنی سارا مال صدقہ کردیا، اس واقعے کو چالیس دن بھی نہ گزرے تھے کہ ایک دن حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ بن دینار جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد کی محراب میں ایک پرچہ پڑا دیکھا، یہ وہی پرچہ تھا جو مالک رحمتہ اللہ علیہ نے اس نوجوان کو دیا تھا، اس کی پشت پر بغیر روشنائی کے لکھا ہوا تھا، یہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ کے ذمہ کی برأت ہے۔ جس مکان کا تم نے اس نوجوان سے ذمہ لیا تھا، وہ ہم نے اس کو پورا پورا دے دیا اور اس سے ستر گنا زیادہ دے دیا، حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ اس پرچہ کو پڑھ کر متحیر ہوئے، اس کے بعد اس نوجوان کے مکان پر گئے، وہاں مکان پر سیاہی کا نشان لگا تھا جو سوگ کی علامت ہوتا ہے اور رونے کی آوازیں آرہی تھیں، معلوم ہوا کہ اس نوجوان کا کل انتقال ہوگیا، اس کے غسل اور میت کا دریافت کیا تو بتایا گیا کہ اس نے ایک پرچہ دیا تھا کہ یہ اس کے کفن میں رکھ دیا جائے اور وہ رکھ دیا گیا۔

حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ نے وہ پرچہ جوان کے پاس تھا، دکھایا تو وہ کہنے لگے، ہاں یہ وہی پرچہ ہے، قسم کے اس ذات کی جس نے اسے موت دی ہے، یہ پرچہ میں نے خود اس کے کفن میں رکھا تھا، یہ منظر دیکھ کر ایک نوجوان اٹھا اور کہنے لگا، آپ مجھ سے دو لاکھ درہم لیں اور مجھے بھی پرچہ لکھ دیں، حضرت مالک رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، اب وہ بات دور چلی گئی، اب نہیں ہو سکتا، اللہ جل شانہٗ جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں، جب بھی مالک رحمتہ اللہ علیہ اس نوجوان کے بارے میں سوچتے رونے لگتے اور اس کے لئے دعا کرتے تھے۔ (روض)

حرف آخر:...... اللہ جل شانہٗ نے اس دنیا کو امتحان گاہ بنایا ہے، مال و دولت کی فراوانی ہو یا قلت، یہ سب حق تعالیٰ شانہٗ کی ایک آزمائش ہے، کبھی کبھی حق تعالیٰ شانہٗ جیبیں بھر دیتے ہیں، یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ اکڑتا ہے یا اس مال کو میری راہ میں لٹاتا ہوا عاجزی اختیار کرتا ہے، اس دنیا کی زندگی سے آپ اس طرح گزر جائیں کہ اس کو ایک مسافر خانہ اور سرائے سمجھیں اور اس کے خریدار نہ بنیں۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

☆......☆......☆

بدنظیری کے نقصانات

(۱)...... بدنظری اللہ کے حکم کے خلاف ورزی ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں۔ (۲)...... بدنظری فواحش اور بے حیائی کی پہلی سیڑھی ہے۔ (۳)...... بدنظری سے عبادت کی لذت ختم ہوجاتی ہے۔ (۴)...... بدنظری کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے وہ رحمت الٰہی سے دور ہے۔ (۵) بدنظری آنکھوں کا زنا ہے۔ (۶)...... بدنظری کرنے والوں کی صورتیں مسخ ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۷)...... بدنظری سے آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے۔ (۸)...... بدنظری سے علم الٰہی کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا نور گنہگاروں کو نہیں دیتے۔ (۹)...... بدنظری فتنوں کا دروازہ ہے۔ (۱۰)...... بدنظری چھپا ہوا مرض ہے جو دین و ایمان کو غارت کرتا ہے۔ (۱۱)...... بدنظری سے عبادت کی توفیق چھن جاتی ہے۔ (۱۲)...... بدنظری سے عبادت میں دلجمعی ختم ہوجاتی ہے۔

☆......☆......☆

ٹی وی

(۱)...... یہ آلہ معصیت ہے اس کو رکھنا اور استعمال کرنا ناجائز اور اس کے خریدنے پر مال خرچ کرنا بھی ناجائز ہے۔ (۲)...... جاندار کی تصویر بنانا، رکھنا، دیکھنا، دکھلانا، ناجائز اور ایسی مجلس اور کمرے میں جانا ناجائز ہے۔ (۳)...... اجنبی اور نامحرم مرد اور عورتیں دیکھی جاتی ہیں جو ناجائز ہے۔ (۴)...... میچ وغیرہ دکھائے جاتے ہیں جو لہو و لعب ہے۔ (۵)...... نامحرم عورتوں کی آواز سنائی جاتی ہے۔ (۶)...... گانے اور موسیقی کے پروگرام دکھائے جاتے ہیں۔ (۷)...... حرام کردہ چیزوں اور گناہوں کو فخر سے دکھایا جاتا ہے۔ (۸)...... گناہوں کے اس آلے پر اذان اور درس قرآن و حدیث تجوید تلاوت دکھلانا، سنوانا اور دین کی بے حرمتی کرنا اور دین کے ساتھ مذاق کرنا اور اسے دینی خدمت سمجھ کر خوش ہونا۔ (۹)...... یہ خدا تعالیٰ اور آخرت سے غافل کرتا ہے۔ (۱۰)...... شرم و حیا ختم کرتا ہے۔

......(انتخاب:...... ہما شجاعت، شادمان ٹاؤن، کراچی)......

نیا گھر



سجیہ تسنیم

بیٹی! تم نے سات جماعتیں تو پاس کرلیں، اتنا بہت ہے، اب کھانا پکانا اور سینا پرونا سیکھو، جو گھڑ بیٹیوں کے ڈھنگ ہیں اور اس کے بعد نگہت کی اماں نے ساری توجہ اس بات پر صرف کردی کہ نگہت کو کھانا پکانے اور سینے پرونے میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل ہوجائے، تاکہ کل جب وہ اپنے نئے گھر جائے، تو وہاں ہر قسم کی عزت کی مستحق ہو، وہ اسے دستکاری کے نئے نئے نمونے منگوا دیتیں۔

"یہ نمونہ میز پوش پر بناؤ۔ وہ پھول پلنگ کی چادر پر کاڑھو۔ اس قسم کا سلمہ تمہارے فلاں سوٹ پر خوب نکھرے گا۔" انہوں نے اُسے دینی تعلیم دلانے کی ضرورت کبھی محسوس نہ کی، صرف قرآن مجید ناظرہ پڑھوا کر وہ اپنے نزدیک اس ذمہ داری کے بوجھ سے سبکدوش ہوگئیں۔ نگہت کی زندگی اس طرح گزر رہی تھی کہ اس کے سامنے صرف تین کام اہمیت رکھتے تھے، اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا کھانا پکانا، نفیس سے نفیس قسم کی دستکاری سیکھنا اور اپنا جہیز تیار کرنا، جو نئے گھر میں عزت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا، اس کے خیال میں کوئی چوتھی چیز اس مقابل بھی ہی نہیں جس پر توجہ صرف کی جاتی، کسی فرصت کے وقت کوئی کتاب اٹھائی بھی تو وہی فحش افسانوں کا مجموعہ، یا کوئی بے ہودہ قسم کا ناول۔

نگہت کے والد شہر کے رؤسا میں شمار ہوتے تھے، دین سے بس کچھ یونہی سا لگاؤ تھا، جب جی چاہتا، بچوں کو نماز روزے کی ہدایت کر دیتے، نگہت کی والدہ کی طرح والد کے خیالات بھی اس کی شادی کے بارے میں بہت اونچے تھے، داماد بہت سی تنخواہ پاتا ہو، اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور بیٹی کا جہیز تو ایسا بنے کہ دنیا واہ واہ کر اٹھے اور نئے گھر والے دنگ رہ جائیں، وہ صوم و صلوٰۃ کے خاصے پابند تھے، مگر روپے پیسے کے معاملے میں دین کی مداخلت کے قائل نہ تھے، رشوت، سُود اور غبن کو جائز سمجھتے تھے اور نگہت کے جہیز کی فکر نے انہیں اور زیادہ "آزاد خیال" بنا دیا تھا۔

پڑوس میں ایک خدا ترس عورت نے محلہ کی لڑکیوں کو قرآن مجید با ترجمہ پڑھانے کا فیصلہ کیا، نگہت کی ایک عزیزہ زاہدہ نے نگہت کو وہاں لے جانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر نگہت کی والدہ نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا، انہیں شکایت تھی کہ آج کل کی "نئی ملانیاں" نعوذ باللہ ایک نیا دین ایجاد کر رہی ہیں، ان "ملانیوں" کو

بحثیں کرنے کے سوا کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں، مگر بزرگوں سے منہ لگنے کو ہر دم تیار رہتی ہیں۔

"میں تو کبھی نگہت کو تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گی۔" انہوں نے زاہدہ کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔

"کیا میں اسے بھی تم لوگوں کی طرح "وکیل" بنالوں کہ اٹھتے بیٹھتے بحثیں ہی چھانٹتی رہے۔ اس کا علم اللہ رکھے کافی ہے، قرآن مجید پڑھ لیا، سات جماعتیں پاس کرلیں، اب اور کیا چاہئے، بی بی اے تو تم معاف ہی رکھو۔ اسے تو ابھی نئے گھر جانا ہے، گھر میں جم کر نہ بیٹھے گی تو کیسے کام چلے گا۔"

زاہدہ کو ان باتوں سے صدمہ تو بہت ہوا، مگر وہ یہ کام صرف خدا کی خوشنودی کیلئے کررہی تھی، اس لئے خالہ کی سخت سست باتوں کا اس پر کوئی برا اثر نہیں ہوا، اس نے نرم لہجے میں پھر کہا:

"خالہ جان! محض قرآن کا ناظرہ پڑھ لینے سے یہ تو معلوم ہوتا ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احکام کیا دیئے ہیں، کوئی دور تو جانا نہیں، دیوار بیچ گھر ہے اور پھر آپ خالہ رقیہ کو اچھی طرح جانتی ہیں کہ کس اخلاق کی عورت ہیں، اگر آپ چند منٹ ...... نگہت کی اماں بھڑک اٹھیں، مجھے تمہارے وعظ کی ضرورت نہیں، قرآن کے علم اور عمل والے ہم نے بہت دیکھے ہیں، اللہ بخشے علم والے تو ہمارے پیر جی تھے، جو جو پیچیدہ مسئلے انہوں نے مجھے چھٹپنے ہی میں بتادیئے تھے، آج وہ ہمارے باوا کو بھی معلوم نہ ہوں گے، میں تو خود ہی نگہت کو سارا اسلام سمجھا سکتی ہوں، اسے کسی اور کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔"

زاہدہ چپ چاپ اٹھ آئی، زیادہ بحث کرنا بیکار معلوم ہورہا تھا، اس نے سوچا کہ پھر کسی وقت موقع سے بات چھیڑوں گی، مگر چند ہی ماہ بعد اس کے والد کا لاہور تبادلہ ہوگیا اور اسے لاہور آجانا پڑا۔

نگہت کی اماں اور نگہت بدستور اپنے چکروں میں پھنسی رہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے دنیا میں صرف ایک ہی کام اہم ہے اور وہ ہے نگہت کے جہیز کی تیاری، اور ملک میں ایک ہولناک فساد کا مواد پک رہا تھا، ہوشمند لوگ محسوس کررہے تھے کہ خدا جانے آئندہ چند ماہ میں ہندوستان کو کن حالات سے دوچار ہونا پڑے، مگر نگہت اور اس کی والدہ کو اس کی کیا خبر، انہیں تو ایک ہی بات کی فکر تھی کہ کسی طرح ایک اعلیٰ درجے کا جہیز تیار ہوجائے۔

شادی کے دنوں میں گھر میں ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا، نگہت کی والدہ سر جھاڑ منہ پھاڑ بوکھلائی پھر رہی تھیں، چاروں طرف کاموں کی بھرمار تھی اور وہ دوڑ دوڑ کر پاگل ہوئی جارہی تھیں، رخصتی میں دو دن رہ گئے تھے، مگر خرید و فروخت کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا، دن بھر کے کام سے فارغ ہوکے بستر پر لیٹیں، تو تین چار ضروری کام یک لخت یاد آگئے، نگہت کا ہاتھ کا پنکھا، خاصدان اور تیج بند سفید سفید چاندی کے اچھے نہیں لگتے، ان پر سونے کا ملمع ہوجائے، تو اچھا ہے...... اچھا سویرے جمیل کو بھیجوں گی، روپے تو اور خرچ ہوں گے مگر چیز بھی دیکھنے کے قابل ہوجائے گی، اسی ادھیڑبن میں نیند آگئی، ابھی سوئے ہوئے بمشکل آدھ گھنٹہ گزرا ہوگا کہ چیخ و پکار کی دلدوز آوازیں آنے لگیں، ساتھ ہی نعروں کا شور بھی شروع ہوگیا اور اس پُرامن بستی میں جہاں بیاہ کی تیاریاں ہورہی تھیں، یک لخت قیامت بپا ہوگئی۔

سونے والے چلاتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ "کیا ہوا؟ کیا ہوا؟"...... آہ! وہی ہوا، جس کا مدتوں سے خطرہ پیش تھا اور جس سے صرف مدہوش لوگ ہی بے پروا تھے، پڑوس سے ایک آواز آئی۔ "خاں صاحب! ابھی وقت ہے، جلدی کرکے بھاگ چلئے، سکھ ابھی عقب کے محلے میں قتل و خون کررہے ہیں، اتنی دیر میں ہم محلہ خالی کرسکتے ہیں۔"

آن کی آن میں بدحواس لوگ "ہائے اللہ!" کرتے گلیوں میں نکل آئے...... آہ! ان میں کتنے تھے، جنہوں نے زندگی میں پہلی دفعہ صدق دل سے اللہ کو پکارا تھا...... اور کتنے تھے، جو اس وقت بھی انہی دنیاوی اشیاء کے غم میں نڈھال ہورہے تھے، جنہیں انہوں نے ایمان دے کر خریدا تھا، تمام محلے کی عورتوں اور بچوں کو ایک گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار سے دھکیل دھکیل کر باہر سڑک کی طرف نکالا جارہا تھا، جوان مرد ہاتھوں میں ڈنڈے لئے ادھر ادھر پھر رہے تھے اور رات ان بدنصیبوں کے بخت کی طرح سیاہ تھی، بڑے بڑے گھروں والے اپنے بھرے پُرے گھر چھوڑ چھوڑ کر جلدی سے شہر کے باہر ایک جنگل میں جمع ہوگئے۔

اس کے بعد کیا ہوا؟...... وہی جو بے شمار مہاجر قافلوں کو پیش آیا، جگہ جگہ قتل و خون، دریا کی طغیانی، بارش کا زور، آخر مرتا کنتا خانماں برباد قافلہ لاہور پہنچ گیا۔

نگہت کے والد کیمپ میں انتقال کرگئے، ایک بھائی ہیضے کا شکار ہوگیا، دوسرا کرپان کے ایک زخم کے بگڑ جانے کے باعث جانبر نہ ہوسکا۔ نگہت کو متواتر صدموں اور دہشت نے تقریباً حواس باختہ کردیا، کئی ہفتہ بخار آتا رہا اور آخر زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔

والٹن کیمپ کے غمکدے میں ایک جاں بلب مریضہ زمین پر پڑی تھی اور ایک نیم پاگل عورت جھکی ہوئی غور سے اس کے چہرے کی طرف تک رہی تھی، مریضہ نے آہستہ سے آنکھیں کھول کر پاس بیٹھی ہوئی عورت کو دیکھا، اس کے ہونٹ ہلے اور زبان لڑکھڑائی، ماں...... میں...... "نئے گھر"...... جارہی ہوں...... مگر میرے ساتھ...... کچھ جہیز...... نہیں ہے...... تم عمر بھر...... میرا جہیز...... تیار کرتی رہیں...... مگر آج...... میں خالی ہاتھ جارہی ہوں...... ماں! تم نے...... میرے لئے...... وہ جہیز...... کیوں نہ تیار کیا...... جو آج کے دن میرے کام آتا؟...... آہ! میرے پاس...... کچھ بھی...... نہیں ہے...... "نئے گھر" والے...... مجھے...... کتنا حقیر سمجھیں گے؟ ایک ہچکی آئی اور نگہت اپنے "نئے گھر" سدھار گئی۔

☆......☆......☆

شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنے کے طریقے

☆......ہمارے مشائخ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایک آدمی اپنے دوست کو ملنے کے لئے جائے اور اس کے صحن میں ایک پالتو کتا ہو اور وہ بھونکے اور بندے کو کاٹنے کے لئے آئے تو اس سے بچنے کے لئے یہ طریقے ہیں۔

☆......ایک تو یہ کہ وہ واپس اپنے گھر کو آجائے، اس طرح اسے اپنے دوست کا وصل بھی حاصل نہ ہوگا۔

☆......دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کتے کے ساتھ لڑنا جھگڑنا شروع کردے۔ اس سے بھی وہ نقصان اٹھائے گا۔

☆......تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس وقت اپنے دوست کو پکارے کہ ذرا کتے کو آواز دے دیں۔ جب اس کا دوست کتے کو اشارہ کردے گا تو وہ دبک کر کونے میں بیٹھ جائے گا۔

☆......ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ شیطان اسی کتے کی مانند ہے۔ اگر ہم شیطان سے الجھ پڑیں گے تو ہم اپنا وقت برباد کریں گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کے مالک کو پکاریں کہ اے پروردگار! اس مردود سے ہمیں محفوظ فرمائیں۔ اللہ رب العزت کا اشارہ ہوگا تو یہ مردود دبک کر کونے میں بیٹھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے شر سے محفوظ فرمادیں گے۔ اس لئے اس کے فتنوں سے بچنے کے لئے روزانہ دعا کیا کریں۔ ہمارے مشائخ کا یہ معمول تھا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے روزانہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم عاجز اور مسکین ہیں، تو ہمارے ایمان کی حفاظت فرمادینا۔

(انتخاب:...... آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

مجید کہاں؟ بنولوں میں!

گھر میں اس مذاق نے برسوں میرا پیچھا نہیں چھوڑا

عبدالمجید سالک

بیماریوں کا کون شکار نہیں ہوتا، ان میں ایک بڑی بیماری یہ ہے کہ انسان نیند میں اٹھ کر چلنے پھرنے لگتا ہے، ڈاکٹر اور حکیم، سب مانتے ہیں کہ واقعی وہ سویا ہوا ہوتا ہے اور اس وقت اسے بالکل ہوش نہیں ہوتا، مگر یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ وہ آدمی کہیں گرتا ہے نہ کسی چیز سے ٹکراتا ہے، بارہا لوگوں نے دیکھا ہے کہ ایسا مریض مکان کی منڈیر پر سیدھا چلنے لگتا ہے لیکن کیا مجال جو اس کا ایک قدم بھی ادھر ادھر پڑے اور وہ گر جائے اگر وہ نیند میں نہ ہوتا تو کبھی منڈیر پر اس طرح بے دھڑک نہیں چل سکتا تھا۔

یورپ میں بھی اس مرض کے بہت بیمار ہیں، اخباروں اور رسالوں میں روزانہ ان کے قصے چھپتے رہتے ہیں، ایک آدمی نے بتایا "چند روز تک میرے کوٹ کی جیب سے ڈالر متواتر چوری ہوتے رہے، رات کو میں اپنا کوٹ کھونٹی پر ٹانگ کر سو جاتا اور جب صبح اٹھ کر دیکھتا تو کوٹ کی جیب سے ڈالر غائب ہوتے۔"

"میں بہت حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ میں فلیٹ میں تنہا رہتا ہوں، بیوی ہے نہ بچے نہ ملازم، تو پھر رات کو کون سا چور آتا اور میرے ڈالر چرا لے جاتا ہے؟ میں نے آس پڑوس والوں سے بات کی، وہ بھی یہ سن کر بہت حیران ہوئے، آخر ایک رات یہ راز کھل گیا، میرے فلیٹ کے پچھلی طرف ایک باغیچہ تھا، اس رات ایک آدمی نے مجھے وہاں نیند سے بیدار کیا۔"

"دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک چھری ہے اور میں باغ کے کونے میں بیٹھا گڑھا کھود رہا ہوں، جس آدمی نے مجھے نیند سے بیدار کیا وہ میرا پڑوسی اور دوست تھا، اسے وہاں دیکھ اور اپنے آپ کو باغیچے میں پا کر میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ میں باغیچے میں کس طرح آ گیا اور چھری سے گڑھا کھودنے کا کیا مطلب؟"

جب پڑوسی نے میرے سامنے وہ گڑھا اچھی طرح کھودا، تو اس میں سے وہ تمام ڈالر مل گئے جو کئی روز سے چوری ہو رہے تھے، میرے دوست نے ڈالر میری جھولی میں ڈالے اور مجھے اپنے فلیٹ پہنچا دیا۔

"جب میرے اوسان بحال ہوئے، تو مجھے بتایا، میں ڈاکٹری پڑھ رہا ہوں جب آپ نے مجھے اس عجیب و غریب چوری کا حال بتایا، تو مجھے شک گزرا کہ آپ کو سوتے میں چلنے کی بیماری ہے اور آپ اپنے چور خود ہی ہیں، میں نے صرف علم حاصل کرنے کے لئے آپ کے معاملے کی تفتیش شروع کر دی۔"

"آج میں اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا کہ آپ کے دروازے میں سے مجھے کسی کی آہٹ سنائی دی، میں جلدی سے اٹھ کر باہر نکلا، دیکھا کہ آپ ایک ہاتھ میں چھری اور دوسرے ہاتھ میں کچھ ڈالر لئے باہر نکلے، میں سامنے ہی کھڑا تھا، مگر آپ نے مجھے نہیں دیکھا، میں آہستہ آہستہ آپ کے پیچھے چلنے لگا، آپ باغیچے کے ایک کونے میں پہنچے اور آہستہ آہستہ بیٹھ کر ایک گڑھا کھودا۔"

"ابھی آپ نے ڈالر گڑھے میں نہیں رکھے تھے کہ میں نے آپ کو جھنجھوڑا اور آپ کا نام لے کر آواز دی، آپ نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ میں کہاں ہوں، باغیچے میں کس طرح آیا، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"دوسرے روز وہ دوست مجھے اپنے کالج کے بڑے ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور انہیں سارا قصہ سنایا، ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اس بیماری کو طبی اصطلاح میں "سومنا مبولزم" کہتے ہیں جس کا مطلب ہے نیند میں چلنا پھرنا، اس کے بعد انہوں نے مجھے نسخہ لکھ کر دیا، میں تقریباً چھ سات ہفتوں تک دوا استعمال کرتا رہا، آخر صحت یاب ہو گیا اور پھر عمر بھر مجھے ایسی کوئی بیماری نہیں ہوئی۔"

اخبار میں یہ قصہ پڑھ کر مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا، میری عمر چھ برس کے قریب ہوگی، ایک روز والدہ نے گجر بھتا (گاجروں کی کھیر) پکایا، میں نے ضد کی کہ میں ابھی گجر بھتا کھاؤں گا، والدہ نے کہا:

"بیوقوف، گجر بھتا ٹھنڈا ہونے پر کھاتے ہیں، گرم گرم کون کھاتا ہے؟"

میں ضد میں روتے روتے سو گیا، آدھی رات کے وقت اچانک میں نیند سے بیدار ہوا، مجھے اپنے بستر میں کوئی چیز چبھتی محسوس ہوئی، ہاتھ پھیر کر دیکھا تو انکشاف ہوا کہ میں بنولوں کے ٹوکرے میں بیٹھا ہوا ہوں، میں نے گھبرا کر والدہ کو آواز دی: "امی جی، امی جی۔"

انہوں نے میری آواز سنی، تو پہلے میری چارپائی پر مجھے تلاش کیا، بستر خالی دیکھا، تو بلند آواز سے دریافت کیا "مجید! تو کہاں بول رہا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "یہی بات میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ میں کہاں سے بول رہا ہوں؟"

والدہ ہنسنے لگیں اور بولیں۔ "آخر کچھ تو بتا کہ تو کہاں سے بول رہا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "امی! میں بنولوں میں ہوں!"

اس کے بعد والدہ نے آ کر مجھے ٹوکرے میں سے اٹھایا اور تھپک تھپک کر سلا دیا، صبح جب تمام گھر والے اٹھے، تو والدہ نے والد کو یہ قصہ سنایا، وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے اور کہنے لگے:

"چور کہیں کا، رات کو گجر بھتا مانگ رہا تھا، اس نے سوچا ہوگا کہ رات کا وقت ہے، سب سو رہے ہیں، اس وقت گجر بھتا پر شب خون مارنا ہے، سب سو رہے ہیں، اس وقت گجر بھتا پر شب خون مارنا چاہئے، وہ اندھیرے میں باورچی خانے کے بجائے بنولوں کے ٹوکرے میں گھس گیا، لیکن پکڑا گیا۔"

میں شرم سے روہانسا ہو گیا، اتنے میں دادا جان مسجد سے نماز پڑھ کر آ گئے، انہوں نے یہ واقعہ سنا، تو مسکراتے ہوئے کہنے لگے:

"یہ ہنسنے کی بات نہیں، اگر مجید رات کو سوتے میں اٹھ کر چلنے لگتا ہے، تو اس کا علاج کرانا چاہئے، یہ بیماری ہے، خدانہ کرے اگر یہ بڑھ گئی، تو کہیں کوئی بڑا حادثہ پیش آ جائے۔"

اسی روز والد مجھے علاقے کے مشہور معالج، ڈاکٹر عبدالرحمٰن کے پاس لے گئے، انہوں نے مجھے جلاب، پھر ایک سفوف دیا جس کی میں نے روزانہ چار خوراکیں کھائی تھیں، تین چار روز ایک میکسچر بھی پلایا گیا، تب کہیں جا کر میں ٹھیک ہوا، مگر گھر میں اس مذاق نے برسوں تک میرا پیچھا نہ چھوڑا: "مجید کہاں؟"

"بنولوں میں!"...... اور یہ میری چڑ بن گئی۔

☆......☆......☆

خبر دینے والے کی خبر بن گئی

تبسم محسن علوی

زندگی کی بعض حقیقتیں اتنی تلخ ہوتی ہیں جن کو زہر کی طرح پینا ہی پڑتا ہے، مگر یہ زہر دل کو کس وحشت زدہ مقام پر لے آتا ہے، اس کا اظہار لفظوں میں تو مشکل ہے، آج جو کچھ ہمارے وطن عزیز میں ہو رہا ہے، اس پر ہر صاحب دل پریشان اور وحشت زدہ ہے، میرا نام صباحت صدیقی ہے، میں سعودی عرب کے معروف سعودی گزیٹ اخبار سے وابستہ پاکستانی خاتون صحافی ہوں، میرے والد مظہر صدیقی صاحب بھی برسوں اس اخبار کو اپنا خون جگر پلاتے رہے ہیں، میں نے اپنے زندگی کے بچپن سے جوانی تک کے سنہرے دن اسی امن وامان کے گہوارہ ملک سعودی عرب میں گزارے ہیں، یہاں برسوں رہنے کے باوجود ہمارے دلوں میں اپنے پاک وطن کی محبت رتی برابر کم نہیں ہوئی، بلکہ میں پورے وثوق سے فخریہ کہہ سکتی ہوں، ہمارے دیس کی مٹی کی خوشبو میں وہ جادو ہے جو فاصلوں کی شدت کے باوجود ہر پاکستانی کے دل میں مہکتی رہتی ہے، برے سے برے حالات میں بھی یہی مٹی کی خوشبو ہم میں سے اکثر کو ہر سال ہی اپنے وطن کی طرف کھینچے لئے جاتی ہے، ہر حب الوطن پاکستانی کی آنکھ وطن عزیز کے بدترین حالات پر نم ہی رہتی ہے، اقتدار کے نشے میں چور سیاستدانوں نے وطن کو ایک تماشہ بنا کر ساری دنیا کے سامنے رکھ دیا ہے، لاقانونیت قانون بن کر رہ گئی ہے، پولیس کا ہر جوان جو ہماری جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کا ضامن سمجھا جاتا تھا، اب خواب وخیال بن کر رہ گیا ہے، انتظامیہ کا وجود تو بس ایک مذاق بن کر رہ گیا ہے، آج کل جو کچھ پاکستان میں ہو رہا ہے، اسے لکھتے ہوئے تو میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے، قلم کانپ رہا ہے، شاید اس لئے کہ میں جو کچھ پہلے لکھتی یا سنتی تھی، وہ حقیقی کہانی سمجھ کر دل کو بوجھل کر جاتی تھی، مگر آج جب مجھ پر بیتی ہے، تو مجھے اپنے ساتھ اور بھی ہزاروں لوگوں کی بے بسی رلانے لگی، جو میرے ہی جیسے حالات سے گزرے ہوں گے، واقعہ کچھ یوں ہے کہ دو سال پہلے میرا نکاح ہوا تھا، کیونکہ اب میرے والد حیات نہیں رہے، اس لئے میری امی کی خواہش تھی کہ پاکستان جا کر وہ میری رخصتی کے فریضہ کو بخیر وخوبی انجام دے دیں، ہر ماں کے دل میں ارمان ہوتا ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو رخصت کرتے ہوئے دعاؤں کے خزانے کے ساتھ ساتھ زیور، کپڑے، گھریلو سامان اور کیا کچھ دیں ڈالے اور یہی میری امی کے دل میں تھا کہ میری بچی کو رخصت ہوتے ہوئے اپنی یتیمی کا احساس نہ ہو، انہوں نے نہ جانے کب سے بڑے ارمانوں سے جمع شدہ اپنا زیور اور کچھ نیا اسٹائلش زیور میرے لئے خریدا، صاحب دل افراد خود سوچ سکتے ہیں کہ والد کی وفات کے بعد ایک بیوہ اور یتیم بچوں کا بغیر آمدنی کے گزارہ کتنا مشکل ہوگا، اس سلسلے میں سعودی گزٹ کی شکر گزار ہوں، ان کی محبت اور خلوص سے مجھے وہیں جاب مل گئی، مگر پھر بھی ابو کی زندگی والی اب نہ ہماری آمدنی رہی تھی، نہ ہی ویسے حالات، مگر پھر بھی الحمدللہ ہم ہزاروں سے بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں، خیر اپنی بے پناہ محنت کی کمائی کو اور امی جان کے جمع شدہ اور خریدے ہوئے زیورات کو میں نے بہت احتیاط کے ساتھ اپنے سفری بیگ میں رکھ لیا، مجھ سمیت میری امی اور چھوٹے بھائی کو میری شادی کے ساتھ اپنے وطن جانے کی بے پناہ خوشی تھی، اسی خوشی کے حصار میں جب ہم وطن عزیز کے سب سے بڑے، سب سے خوبصورت اور سب سے عظیم شخصیت کے نام سے موسوم قائداعظم محمد علی جناح کے جناح ایئر پورٹ پر پہنچے تو خوشیاں سمٹ کر ہمارے ہونٹوں اور آنکھوں میں سما گئیں، اپنے وطن کی خوشبو کو سانسوں میں اتارتے ہوئے ہم جناح ٹرمینل کے احاطے میں ٹیکسی کی تلاش میں آئے تو دو سادہ لباس میں ملبوس تعلیم یافتہ نوجوان ہماری جانب آئے اور اپنے کو قانون کے رکھوالے ظاہر کر کے مجھ سے درخواست کی، میں اپنا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ ان کو دکھاؤں، میں نے ان سے وجہ پوچھی؟ تو انہوں نے کہا کہ انہیں شک ہے کہ میرا تعلق کسی دہشت گرد گروپ سے ہے، میرے اور امی کے اوسان خطا ہو گئے، میں نے اپنے اندر توانائیوں کو یکجا کیا اور ان کو پاسپورٹ دکھانے کے لئے اپنے پرس کو کھولا ہی تھا کہ انہوں نے میرے پرس کو لمحہ بھر ہی میں میرے ساتھ ہاتھ سے چھین لیا اور برق رفتاری سے بھاگ کھڑے ہوئے میں تو لمحہ بھر کے لئے گنگ ہی رہ گئی، لرزتے کانپتے وجود کے ساتھ میں نے چیخنے کی کوشش کی مگر وہ شیطان صفت بھیڑئیے تو غائب ہو چکے تھے، میرے اردگرد کافی مسافر اپنی اپنی منزلوں پر پہنچنے کے لئے کھڑے تھے، میرے معاملہ کی جب ان کو سمجھ آئی تو وہ مدد کے دوڑے، مگر ڈاکو تو ہمیشہ پلاننگ کے ساتھ ہی ڈاکہ ڈالتے ہیں، وہ اپنی پلاننگ پر شاداں میری زندگی بھر کی پونجی زیورات سب ہی کچھ لے کر ہمیں خالی ہاتھ اشک بہانے کو چھوڑ گئے، میں نے اشکوں بھری آنکھوں اپنے قائد کے عظیم تر شہر کے عظیم تر ایئر پورٹ کو دیکھتے ہوئے یہی سوچا کہ یہ پاک سرزمین وہ پاک سرزمین ہے، جسے ہمارے عظیم تر قائد نے تو ہمارے دین وایمان ہماری جان ومال عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا کر دشمنوں اور مفاد پرستوں سے حاصل کیا تھا، اس پیار بھری دھرتی پر یہ کون لوگ بسنے لگے ہیں، جو اپنی بہنوں کے جہیز لوٹتے پھر رہے ہیں، جو اپنے ہی بھائیوں کو گن پوائنٹ پر ان کی مہینہ بھر کی حلال کی تنخواہ لوٹتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ اس مہنگائی کے دور میں ان بیچاروں کے گھروں میں مہینہ بھر چولہا کیسے جلے گا؟ اسکول کی فیسیں کہاں سے ادا ہوں گی، ماں کی دوا کیسے آئے گی، افسوس صد افسوس، ہمارا پیارا پاکستان صرف چند مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا ہے، جنہوں نے ظلم و بربریت کے کیسے کیسے تماشے نگاہوں میں سجا دیئے ہیں، ہر پاکستانی کا دل خون کے آنسو روتا ہے، محبت بھری میری سرزمین پر بارود و دھواں بھرنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ سرزمین ان کی بھی ہے، یہ وطن ان کا بھی ہے، اپنے ہی بھائیوں پر گولیاں برسانے والے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی جانوں، مالوں اور عزتوں سے کھیلنے والوں نے تو ہمارے خوبصورت شہروں کو جنگلوں میں تبدیل کر دیا ہے، جہاں بھیڑئیے گھومتے پھر رہے ہیں اور حفاظت کے رکھوالے گہری نیند میں سو رہے ہیں، یقین کریں، آج یہ میری آنکھوں میں رواں اشک صرف اپنی ہی بربادی پر ہی نہیں برس رہے ہیں بلکہ میرا دل پورے وطن عزیز کی بربادی کے لئے نوحہ خواں ہے۔ ☆☆

دودھ

ڈبوں کے دودھ میں جراثیم

پروفیسر روبینہ پروین

دودھ ایک مکمل غذا ہے، اس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے، اس کے غذائی اجزا لحمیات، نشاستہ، حیاتین، خامرے اور نمکیات کی متوازن مقدار میں موجودگی اس کو دوسری تمام غذاؤں سے ممتاز بناتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق دودھ کا ایک گلاس دن بھر کی لحمیات اور حیاتین ڈی کی ضروریات کو پورا کرتا ہے، جب کہ یہ کیلشیم اور فاسفورس کے حصول کا بھی بہترین ذریعہ ہے، اس کی انہیں غیر معمولی خصوصیات کی بنا پر دنیا بھر میں دودھ پر تحقیق کو تمام غذاؤں پر فوقیت حاصل ہے۔

دودھ کی پیداواری صلاحیت کے لحاظ سے پاکستان کو نہ صرف ایشیا بلکہ دنیا بھر میں اہم مقام حاصل ہے، اس ضمن میں اعلیٰ نسل کی نیلی راوی، کنڈی بھینس ہمارے ملک کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ برطانیہ اور چین کے مقابلے میں پاکستان میں دودھ کی پیداوار زیادہ ہے، باوجود اس کے پاکستان ہر سال کثیر زرمبادلہ خشک دودھ کی درآمد پر خرچ کرتا ہے۔ حالانکہ پیداواری بنیاد پر پاکستان کو نہ صرف خود کفیل ہونا چاہئے، بلکہ برآمدات کے ذریعہ سرمایہ لانا چاہئے۔ اس کی اصل وجوہات جوکہ اعلیٰ خصوصیات کے دودھ کی پیداوار میں رکاوٹ ہیں، اس میں ماحولیاتی آلودگی، ناقص غذا، باڑوں میں کام کرنے والے افراد کی جدید ٹیکنالوجی سے عدم آگہی، جانوروں میں بیماریوں کے پھیلاؤ کی روک تھام میں ناکافی سہولیات وغیرہ شامل ہیں۔ کراچی پاکستان کا ایک بڑا شہر ہے جبکہ اس شہر میں زیادہ تر باڑے ان جگہوں پر ہیں، جہاں صنعتی آلودگی اور سیوریج کے آلودہ پانی کی بہتات ہے جوکہ مختلف اقسام کے جراثیم جن میں بیکٹیریا، فنجائی اور دوسرے اقسام کے خوردبینی جراثیم شامل ہیں، پرورش کو بہترین ماحول دے رہے ہیں اور ہمارے ماحول کی فضائی، آبی اور زمینی آلودگی کا باعث بن رہے ہیں، حال ہی میں بین الاقوامی رسالہ میں وفاقی اردو یونیورسٹی کے طالب علم توقیر احمد راؤ کا تحقیقی مقالہ شائع ہوا ہے۔ جس کے مطابق کراچی کی فضا میں کینسر جیسے مہلک امراض پیدا کرنے والی فنجائی کے اسپور پائے جاتے ہیں، ان اسپور کی فضا میں موجودگی جلدی امراض اور نظام تنفس کی بیماریوں میں اضافے کا باعث بن رہی ہیں۔

ترقی پذیر ممالک میں غذائی اشیا میں جراثیم کی موجودگی کو ختم کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے، جدید ٹیکنالوجی کی عدم فراہمی کے باعث دودھ کو زیادہ عرصے تک تازہ

رکھنے اور جراثیم سے محفوظ رکھنا بھی ایک چیلنج ہے۔

ہمارے ملک میں لوگ زیادہ تر کھلا دودھ ابال کر پیتے ہیں جبکہ ماحولیاتی آلودگی اور جراثیم سے پاک دودھ کے حصول سے روشناسی نے عوام کو کھلے دودھ کے بجائے ڈبوں میں بند دودھ کی طرف ترجیح دینے پر مجبور کر دیا ہے، کیونکہ ان کمپنیوں کے دعوے نے عوام کو پاسچورائزڈ UHT دودھ کی طرف مائل کیا ہے جس کو بغیر ابالے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کی قیمت کھلے دودھ کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے، حال میں ہی مختلف کمپنیوں کے UHT دودھ پر تحقیق کے ذریعے پتہ چلا ہے کہ جوکہ کمپنیوں کے اس دعوے ،جراثیم سے پاک دودھ، کی نفی کرتا ہے اور کمپنیوں کو اپنی ٹیکنالوجی میں مزید جدت اور بہتری کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ان میں فضا میں موجود فنجائی کی موجودگی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ فضائی آلودگی کس حد تک ہماری غذاؤں پر بھی اثر ہو رہی ہے اور اس کے مضر اثرات عوام الناس کی صحت پر بذریعہ غذا بھی ثبت ہو رہے ہیں۔

میں نہ صرف استعمال کیا جاتا ہے، جو کہ ڈبوں کے دودھ پر لوگوں کو اعتماد کا منہ بولتا ثبوت ہے بلکہ اس دودھ کی مانگ میں روز بروز اضافہ بھی کر رہا ہے لیکن مندرجہ بالا تحقیق نے یہ بات آشکارہ کر دی ہے کہ ان کمپنیوں کے دعوے بالکل غلط ہیں اور یہ ڈبوں کے دودھ جو کہ بغیر ابالے استعمال ہو رہے ہیں، یہ انسانوں کو صحت بخشنے کے بجائے بیماریوں میں مبتلا کر رہے ہیں، اس طرح یہ کمپنیاں انسانی جانوں سے کھیل رہی ہیں، حالانکہ یہ تمام کمپنیاں جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ ہیں اور یہ عام روایتی طریقوں سے ہٹ کر جدید طریقوں سے دودھ اکٹھا کرتی ہیں اور پاسچرائزیشن کے عمل کے ذریعے تمام جراثیم کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان میں فنجائی کے اسپورز کی موجودگی ٹیکنالوجی کے استعمال میں لاپروائی ظاہر کر رہی ہے جوکہ ناقابل مذمت ہے، ان کمپنیوں کو اپنے پروڈکٹ کے معیاری بنانے کے لئے موثر کوالٹی کنٹرول کا نظام قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ ٹیکنالوجی کے درست استعمال کے لئے ہنر مند عملہ کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے، اس کے برعکس اگر یہ کمپنیاں اپنے دعوے میں راست ہیں تو یہ آلودہ دودھ نقالی کے ذریعے ان کمپنیوں کے نام فروخت کیا جانا شک و شبہات سے عاری نہیں، کیونکہ ہمارے یہاں تقریباً تمام چیزوں کی نقول موجود ہے، جن میں انسانی جان بچانے والی ادویات بھی شامل ہیں، لہٰذا ڈبوں میں دودھ پیک کر کے اصلی کمپنیوں کے نام پر فروخت کرنا کوئی بڑی بات نہیں، اس لئے ان اصل کمپنیوں کو چاہئے کہ یہ اپنی ہر پروڈکٹ کی فراہمی کو ہر علاقے میں ممکن بنائیں اور جعل سازوں کے خلاف بھرپور قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ نہ صرف یہ کمپنیاں بلکہ گورنمنٹ کی سطح پر بھی ان نقالوں کے خلاف کارروائی کی جائے، تاکہ دودھ جیسی غذا جو کہ بیمار، تندرست، چھوٹے بڑے تمام لوگوں کے لئے اشد ضروری ہے، اس کو صحیح معنوں میں صحت بخش بنایا جائے، لوگ جوان ڈبوں کے دودھ پر اعتماد کرتے ہیں، انہیں معیاری دودھ کے حصول کو یقینی بنایا جائے۔

> دودھ کی پیداواری صلاحیت کے لحاظ سے پاکستان کو نہ صرف ایشیا بلکہ دنیا بھر میں اہم مقام حاصل ہے، اس ضمن میں اعلیٰ نسل کی نیلی راوی، کنڈی بھینس ہمارے ملک کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

☆......☆......☆

مسلمانو! جواب دو......

اقراء صدیقہ

آگئی خوابیدہ جذبوں کو جگاتے کی گھڑی
جنگ کے میدان میں جوہر دکھانے کی گھڑی
گولیوں کے زخم سینوں پر سجانے کی گھڑی
اپنے پاکیزہ لہو میں ڈوب جانے کی گھڑی
دور تک فرعون کی افواج ہے پھیلی ہوئی
سر اڑانے کی گھڑی ہے سر کٹانے کی گھڑی
ساتھیو، آگے بڑھو آگے بڑھو
یہ نہیں ہے ہچکچانے، ڈگمگانے کی گھڑی
کون جانے زندگی پھر ملے یا نہ ملے
مرد آہن بن کے دنیا کو دکھانے کی گھڑی
ساری دنیا کہ مسلمانو! اٹھو کہ یہی
وقت کے فرعون کو نیچا دکھانے کی گھڑی
خون میں ڈوبے ہوئے جسموں سے آتی ہے صدا
ظالموں کے آگے ہے سر اٹھانے کی گھڑی
جانباز و جانثار و مردِ مومن کے لئے
ہے یہی تو جان کی بازی لگانے کی گھڑی
عمر بھر فرعون اب سو نہ سکے گا چین سے
مسکرانے کی گھڑی ہے مسکرانے کی گھڑی

وطن عزیز کے حالات کی خرابیاں بدستور بڑھتی جارہی ہیں، حالات کی سنگینی حد سے بڑھ گئی ہے، لیکن آج کا مسلمان غیرت سے محروم ہوچکا ہے، ملک کو نقصان پہنچانے والے عناصر بڑھتے ہی جارہے ہیں، لیکن شاید کوئی بھی نہ اٹھے کیونکہ ہر مسلمان خوابِ غفلت میں مدہوش پڑا ہے، شاید آج کا مسلمان یہ بھول گیا ہے کہ آج سے 65 سال پہلے ہمارے آباؤ اجداد نے جب اپنے خون کی ہولی کھیل کر یہ پیارا وطن حاصل کیا تھا، انہوں نے کتنی مشکلات کے سمندر پار کیے تھے، آج اسی ملک پر کوئی انگلی اٹھائے اور اس ملک سے نفرت کا برملا اظہار بھی کرے، لیکن آج کا مسلمان اس بات پر کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

ہندوستان کی لڑکی نے جو تقریر کی، وہ شاید کسی مسلمان کی غیرت کو چیلنج دے سکتی، شاید کسی مسلمان پر اس کا اثر پڑتا، لیکن مسلمان تو صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں، کیا وجہ ہے کہ تمام دوسری قومیں ہم پر غلبہ پانے لگی ہیں۔

اے کاش مسلمانوں کا سویا ہوا ضمیر جاگ جائے، یوں محسوس ہوتا ہے، شیطان نے تمام مسلمانوں کے ضمیر کو تھپکی دے کر سلادیا ہے، اس لڑکی نے اپنی تقریر میں جو نظم پیش کی تھی، ذرا ملاحظہ کیجئے۔

ہم ڈرتے نہیں ان بموں سے
ان جل پھونک ہتھکنڈوں سے
ہم ڈرتے نہیں طاس، قلندر اور شملہ جیسے سمجھوتوں سے
ان بھیڑیوں سے ڈر سکتی نہیں نبیوں کی اولاد نہیں
بھرت حون کے اس پانی کی ہے تم کو پہچان نہیں
ایٹم بم بنا کے تم کس وقت کو بھول گئے
1971/65 اور 1999ء کی جنگ کو تم بھول گئے
تم یاد کرو عبدالحمید نے 65 ٹینک جلا ڈالے
ہندوستانی نیٹو نے امریکی جیٹ جلا ڈالا
ڈھاکہ کے جنرل نیازی کو دودھ چھٹی کا پلا ڈالا
تم یاد کرو 90 ہزار وردی پاک جوانوں کو
تم یاد کرو شملہ سمجھوتا انڈیا کے احسانوں کو
پاکستان یہ کان کھول کے سن لے
یا پھر جنگ چھڑی تو سن لے
اب کے اس کا نام و نشان نہیں ہوگا
کشمیر تو ہوگا لیکن پاکستان نہیں ہوگا
لال کردیا تم نے لہو سے سری نگر کی گھاٹی کو
زہر پلا کر مذہب کا ان کشمیری پروانوں کو
قتل کردیا تم نے ان پھول جیسے جوانوں کو
کھلے پوسٹر، کھلے کھرانڈر اور کھلی من مانی ہے
ساری دنیا جان چکی یہ حرکت پاکستانی ہے
بہت ہوچکی مکاری بس
بہت ہوچکا حق کا کھیل
سمجھا دو ان کو ورنہ بھوک اٹھے گا پورا دیس
دیس اگر کھڑا ہوگیا تو تار تار مچ جائے گی
پاکستان کے ہر کونے میں ماتا پرما آجائے گی
کیا ہوگا انجام، اس کا عنوان نہیں ہوگا
کشمیر تو ہوگا، لیکن ہندوستان نہیں ہوگا
اے عوام!
یہ ایٹم بم چلانے کی ہمت کون دکھائے گا
اسے چلانے ان سے کہو کیا باپ تمہارا آئے گا
اب کی چتامت کر چہرے کا خول بدل دیں گے
اتحاد کی کیا بستی ہے پورا منگول بدل دیں گے
دھارا پر موڑ بدل کر لاہور سے گزرے گی گنگا
اسلام آباد کی چھاتی پر لہرائے گا بھارت کا جھنڈا
راولپنڈی اور کراچی تک سب کچھ غارت ہوجائیگا
ہندوندی کے آرپار پورا بھارت ہوجائے گا
پھر صدیوں تک اللہ جیسا کوئی شیطان نہیں ہوگا
(نعوذ باللہ من ذالک)
کشمیر تو ہوگا لیکن پاکستان نہیں ہوگا
کشمیر تو ہوگا لیکن پاکستان نہیں ہوگا

یہ واقعہ بھی تمام ان اوقات کی طرح دفن ہوگیا، جیسے پہلے واقعات ہوجاتے ہیں، کچھ احتجاج ہوتے ہیں اور پھر یہ بات وقت کے ساتھ ساتھ گم ہوتی چلی جاتی ہے اور تاریخ کے اوراق میں گم ہوجاتی ہے۔

اب اس ہندو لڑکی کے جواب میں کچھ اپنے ماموں اسرار الحق کے تاثرات پیش کرنا چاہتی ہوں۔

یہ بات بتادو کتوں کو
ہندو کے سارے بتوں کو
ان بوڑھوں کو ان بچوں کو
اس دیس کے گنگا جمنا کو
اس دیس کے ذرے ذرے کو
ہم خون کی ہولی کھیلیں گے
اور ہوش کے ناخن لے لیں گے
ہم جرأت اور ہمت والے
ہم لوگ بہت متوالے ہیں
امرتسر اور چندی گڑھ کو
اپنی پاداش میں لائیں گے
کشمیر ہمارا اپنا ہے
اس کو پنجاب بنائیں گے
ہم دلی کے ایوانوں میں

اسلام کا جھنڈا گاڑیں گے
(ان شاءاللہ)
پھر ہر گلی کوچے میں
پاکستان کا نام جگائیں گے
پھر رہتی دنیا تک
بھارت کا نام ونشان نہیں ہوگا
پورا بھارت سن لے پاکستان تو ہوگا
ہندوستان نہیں ہوگا
خون کی گنگا بہت بہی ہے
پیار کی گنگا بہنی ہے
رام کی گنگا بہت بہی
اسلام کی گنگا بہنی ہے
پورا دیس اسلام کا ہوگا
بھارت پاکستان کا ہوگا
ہر صوبے کا نام بدل کر
ہم اسلامی رکھیں گے
انقرہ سے دلی تک
اسلامی علم لہرائیں گے
ہندو کے مندر ڈھادیں گے
اسلام کی مسجد بنادیں گے
پھر ان شاء اللہ دنیا میں
کوئی بت بھگوان نہیں ہوگا
پورا بھارت سن لے پاکستان تو ہوگا
لیکن ہندوستان نہیں ہوگا
دودھ پہ پلتی کتیا نے میری عزت کو للکارا ہے
انڈیا کی گندی گالی نے میری غیرت کو للکارا ہے
اب جاگ اٹھا بچہ بچہ
انڈیا اب کے خود کو بچا
اب رام کا منتر نہیں چلے گا
کوئی مندر نہیں بنے گا
اب کے ایٹم بم چلے گا
بھارت شہر عنوان نہ ہوگا
پورا بھارت سن لے پاکستان تو ہوگا
لیکن ہندوستان نہیں ہوگا
کشمیر ہماری شہ رگ ہے
ہم دنیا کو بتلائیں گے
ہم چھین کے بھارت ہندو سے
اسلام کا نظام چلائیں گے
ہندو کی جڑیں اکھاڑیں گے
اسلام کی فصل اگائیں گے
پر اتنا بتادوں ہندوستان کا
نام و نشان نہیں ہوگا
پورا بھارت سن لے پاکستان تو ہوگا
لیکن ہندوستان نہیں ہوگا
ہندی باتیں اور رسمیں
جھوٹے وعدے اور قسمیں
سب کچھ غارت ہوجائیں گے
سب جھوٹے خداؤں کی ہم
آگ میں راکھ بنائیں گے
قانون چلا کر واحد کا اللہ کا ذکر کرائیں گے
پادری، سکھ، عیسائی، ہندو
سب کچھ غارت ہوجائیں گے
اسلام کا ہر قانون ہوگا
تحریک اسلام چلائیں گے
پھر نام نہ ہوگا ہندو کا
پھر ہر جا رام نہیں ہوگا
پورا بھارت سن لے پاکستان تو ہوگا
لیکن ہندوستان نہیں ہوگا
ہندو کی گائے ماتا کو
ہنڈواڑا میں دفنائیں گے
اور پڑی ضرورت گراس کی
تو ذبح کرا کے کھائیں گے

ہندو کی گندی تہذیبیں، ہم غارت کرادیں گے
لات، منات اور عزہ جیسے
خداؤں کو الٹا لٹکائیں گے
پھر کراچی سے انقرہ تک
جھنڈا اسلام کا ہوگا
اور بھارت کا نام ونشان نہیں ہوگا
پاکستان تو ہوگا لیکن ہندوستان نہیں ہوگا
پاکستان تو ہوگا لیکن ہندوستان نہیں ہوگا

پاکستان تو اسلام کے نام پر بنا ہے، پھر کیوں اس میں خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی نافرمانی ہورہی ہے؟ آخر لوگ دنیا کی لذتوں پر آخرت کی لذتوں کو ترجیح کیوں نہیں دیتے، ان حالات کے بعد پھر زندگی اپنی ڈگر پر چلنے لگتی ہے، کیا مسلمان یہ بھول جاتے ہیں کہ انہیں خدا کی عدالت میں بھی حاضر ہونا ہے۔

اے کاش! مسلمانوں میں کوئی بہادر پیدا ہو، صلاح الدین ایوبی جیسا، کوئی شجاعت رکھنے والا پیدا ہو محمود غزنوی جیسا، مسلمانوں کی بے حسی پر دل چیخ سا اٹھتا ہے۔

اے کاش! مسلمان صفات حسنہ اور اخلاق حمیدہ اپنالیں تو آج جو کیفیت اور صورت حال ہے وہ کافی تبدیل ہوتی، اب تو شہیدان وطن کا لہو آج کے مسلمان سے چیخ چیخ کے سوال کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے:

برباد کیوں ہوا یہ گلستان جواب دو
اے قاتلانِ غیرتِ ایمان جواب دو
کس دل سے تم نے ذلتِ اسلام کی قبول
کہتا ہے تم سے خونِ شہیداں جواب دو
لاکھوں کٹے تھے جس کی حفاظت کے واسطے
کیوں دے دیا وہ ہاتھ سے میدان جواب دو
کس پر بھروسہ کرکے کروڑوں عوام کو
چھوڑا ہے تم نے بے سروسامان جواب دو
کتنے دلوں میں اتری ہے سنگین کفر کی
کس کس کا سر ہے خون میں غلطاں جواب دو
کیا اس لئے اجاڑے تھے سہاگ قوم نے
کیا اس لئے تھی خون کی افشاں جواب دو
کس دل سے ملک وقوم کی تذلیل کی گئی؟
غداریوں کی شوق سے تکمیل کی گئی؟
ہر لب پر ہر سوال ہیں اس کا جواب دو
غارتِ گران خونِ شہیداں جواب دو

☆......☆......☆

دعا

اللہ تعالیٰ کو بندوں کا دعا کرنا بہت پسند ہے۔ دنیا میں کسی شخص سے بار بار کچھ نہ کچھ مانگا جاتا رہے تو وہ کتنا بڑا اسخی ہوا۔ بالآخر اکتا کر ناراض ہوجاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ ان سے بندہ جتنا زیادہ مانگے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اتنے ہی زیادہ خوش ہوں گے بلکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانگتا نہیں، اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا۔" اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ غلط نہیں ہوسکتا، اس لئے اس یقین کے ساتھ دعا مانگنی چاہئے کہ وہ ضرور قبول ہوگی۔ البتہ قبولیت کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض اوقات وہی چیز مل جاتی ہے، جو مانگی گئی تھی اور بعض اوقات وہ چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں بندے کے لئے مناسب یا فائدہ مند نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ بہتر اور مفید چیز دنیا و آخرت میں عطا فرمادیتے ہیں۔ اس طرح ہر دعا کے تین فائدے ہیں۔

☆......دعا کی قبولیت سے مرادیں پوری ہوتی ہیں۔
☆......ہر دعا پر ثواب ملتا ہے۔
☆......دعا کی کثرت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔

(انتخاب:......رضوان احمد، نیو کراچی)

سر بریدہ خواہشیں

محمد فیاض عزیز

اس محلے میں گریڈ سترہ کے دو ہی سرکاری افسران رہائش پذیر تھے، ایک اکمل صاحب تھے جو فاسٹ ڈیپارٹمنٹ میں تھے اور دوسرے شاکر صاحب جو انکم ٹیکس میں تھے۔

دونوں کے مکان اگرچہ کرایہ کے تھے، لیکن دونوں کے رہن سہن میں زمین آسمان کا فرق تھا، اکمل صاحب کے پاس اپنی ٹویوٹا کرولا تھی، بیٹا بھی اپنی بائیک پر کالج جاتا تھا، مکان بھی کافی کشادہ اور جدید سہولیات سے آراستہ تھا، ان کے ہاں مہینے میں ایک دو بار کوئی نہ کوئی فنکشن ہوتا رہتا تھا، جس میں سرکاری افسران کے ساتھ ساتھ معروف سیاسی و کاروباری شخصیات بھی شرکت فرمایا کرتیں، اکمل صاحب جو پیسے کے معاملے میں بہت کنجوس تصور کیے جاتے تھے، ان تقریبات میں بہت کھل کر پیسہ خرچ کرتے، ان کے برعکس شاکر صاحب اپنے نام ہی کی طرح بڑے صبر اور شکر کی زندگی گزار رہے تھے، وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ دو کمروں پر مشتمل ایک تنگ سے مکان میں رہتے تھے، ویگن یا بس کے ذریعہ دفتر جاتے تھے، بیٹے اور بیٹی کو بھی کالج جانے میں بسوں میں دھکے کھانے پڑتے تھے، گھر میں اے سی، ڈش، وی سی آر، فریج یا رنگین ٹی وی میں سے کوئی ایک چیز بھی موجود نہ تھی، بینک میں وہ آج تک اپنا ذاتی اکاؤنٹ تک نہ کھلوا سکے تھے، گاؤں میں ایک چھوٹے سے مکان کے علاوہ کوئی اور جائیداد بھی ان کے نام نہ تھی، لیکن ان ساری محرومیوں کے باوجود ایک دل آویز سی طمانیت بھری مسکراہٹ ہمیشہ ان کے چہرے پر کھلی رہتی تھی۔

محلے والوں کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک رہتے تھے، ضرورت مندوں کی مقدور بھر مدد بھی کرتے رہتے تھے، اس دور میں جب دولت ہی انسان کا ایمان بن گئی ہو، دولت ہی سے انسان کے چھوٹے اور بڑے ہونے کا اندازہ لگایا جانے لگا ہو، ان کا کردار، رہن سہن کا طریقہ اور قناعت پسندانہ رویہ بہت عجیب سا لگتا تھا، یا پھر لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا، اکثر لوگ انہیں ایک احمق شخص تصور کرتے تھے، وقت کے دھارے سے ہٹ کر چلنے والا ایک بیوقوف شخص جو ایک اچھی جاب اور سنہرے مواقع رکھنے کے باوجود خواہ مخواہ اپنے آپ کی اور اپنے بیوی بچوں کو اپنے بے سود قسم کے اصولوں کی بھینٹ چڑھائے ہوئے تھے، خود بھی اذیت برداشت کرتا تھا اور بیوی بچوں کو بھی اس کی تربیت دے رہا تھا، لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کسی نے آج تک ان کے چہرے پر دکھ یا پریشانی کا سایہ تک نہیں دیکھا تھا، ایک روشن اور طمانیت سے بھری مسکان ان کے چہرے پر جیسے چپک سی گئی تھی۔

گھر میں انہیں کچھ زیادہ سکون حاصل نہیں تھا، بیوی اکثر ان سے لڑتی جھگڑتی رہتی تھی، انہیں اپنی روش بدلنے کا مشورہ بھی دیا جاتا تھا، لیکن وہ بھی ایک ہی تھے، کیا مجال جو ٹس سے مس ہوتے، ان کا چہرہ غصے سے سدا عاری ہی رہتا اور زبان کرخت بات سے گریزاں، وہ بیوی کی جلی کٹی سن کر بھی مسکراتے رہتے اور اسے بھی قناعت سے زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے، اکمل کے ہاں جب بھی فنکشن منعقد کیا جاتا، ایک اہم سرکاری عہدہ پر فائز ہونے کے باعث انہیں بھی مدعو کیا جاتا، لیکن وہ اکثر اس قسم کی تقریبات میں شریک ہونے سے پہلو تہی کرتے، البتہ ان کی بیگم بہت شوق سے ان میں شرکت کرتیں اور جب بھی وہ ایسی کسی تقریب سے واپس لوٹتیں، بیچارے شاکر صاحب کی شامت آجاتی۔

''کیا مل گیا ہے آپ کو اس افسری سے اس بڑے عہدے اور اختیار سے؟ ایک چھوٹا سا گھر تک تو بنا نہ سکے، جسے ہم اپنا گھر کہہ سکتے، کوئی چھوٹی موٹی گاڑی تک نہ خرید سکے، بچے اسکول کالج جانے کے لئے کیسے پھیروں، بس اسٹاپوں پر خوار ہوتے ہیں، چلچلاتی دھوپ کو برداشت کرتے ہیں، لڑکی بیل کی طرح بڑھتی جا رہی ہے، لیکن آپ کو تو جیسے کچھ احساس ہی نہیں، اپنی ایمانداری کی پڑی ہے، آخرت سنوارنے کا سودا سمایا ہے سر میں، اس زندگی میں کوئی کتنا ہی سسک سسک کر زندہ رہنے پر مجبور ہو، آپ کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، آپ کے اصول زندہ رہیں، ہم زندہ رہیں نہ رہیں، آپ کی عاقبت خراب نہ ہو، دوسروں کا جینا عذاب ہوتا رہے آپ کی بلا سے۔''

اتنی توہین آمیز اور کڑوی باتیں سننے کے بعد بھی غصے کی کوئی ایک جھلک، نفرت کی کوئی ایک پرچھائی ان کے چہرے پر سایہ نہ کر پاتی، وہ اپنی مسکراہٹ اور بھی گہری کر لیتے، جس سے بیگم اور بھی جل بھن اٹھتیں، ان کا جی چاہتا کہ وہ اس مسکراہٹ کو ان کے چہرے سے نوچ ڈالے، لیکن ان کا بس نہ چلتا۔

''دیکھو شازیہ بیگم، میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ خود کو ہلکان مت کیا کرو، تم کیوں گھلتی ہو اس فکر میں، خواہ مخواہ اپنی صحت خراب کر بیٹھو گی اور پھر میری تنخواہ میں تو پہلے ہی گزارا بمشکل ہو رہا ہے، پھر تو دوائی کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔'' وہ بات کو مزاح میں ٹالنے کی کوشش کرتے، لیکن بیگم اور بھی بپھر اٹھتیں۔ ''ہاں یہ تو ہوگا، مجھے یقین ہے، کوئی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتا رہے، تم اپنے پتھر جیسے اصولوں کو ہی پوجتے رہو گے، اس سنگدلی کے ساتھ جیتے رہو گے۔''

ہاں بیگم، تم بھی اپنی جگہ ٹھیک ہی کہتی ہو، میں تمہیں اور بچوں کو زیادہ سکھ نہیں دے سکا، لیکن کیا کروں، میں بھی مجبور ہوں، اپنی فطرت سے، اپنی تربیت سے، میں نے ہمیشہ خود کو اور اپنے بچوں کو لقمہ حرام سے بچایا ہے اور مجھے اس پر کچھ پچھتاوا بھی نہیں کہ میں تم سب لوگوں کے لئے زندگی کی وہ سہولتیں حاصل نہیں کر پایا، جن کے پیچھے لوگ اندھوں کی طرح بھاگ رہے ہیں، حرام حلال کی تمیز تک کھو بیٹھے ہیں، حالانکہ یہ سب سراب ہے، دھوکہ ہے، حرام سے کمایا ہوا مال ایک آگ ہے، لیکن ہر کوئی اس آگ سے لپٹنا چاہتا ہے، اس میں جل مرنے کا خواہشمند ہے، سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی لوگوں نے آنکھوں پر پٹیاں باندھ لیں ہیں، اپنے ضمیر اپنے ایمان تک کو سلا بیٹھے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا انجام اچھا نہیں، تم بھی وقتی مشکلات سے گھبرا کر اس سراب کے پیچھے بھاگنا چاہتی ہو، حالانکہ مجھے یقین ہے کہ یہ جو تھوڑی بہت مشکلات ہیں، یہ بھی نہ رہیں گی، قدرت ہمیں کسی آزمائش سے دوچار نہیں کرے گا۔

یہ مشکل بھی تو تم نے خود کھڑی کر رکھی ہے اپنے لئے، مصائب کا ایک تصور جاگزیں کر لیا ہے تم نے اپنے ذہن میں۔''

''ذرا اپنے دل میں شکر اور قناعت کا جذبہ پیدا کر کے تو دیکھو، اپنے سے کم سطح پر زندگی گزارنے والوں کی طرف بھی ایک نگاہ ڈالو، پھر کوئی مشکل، مشکل نظر نہیں آئے گی۔ تمہیں تو اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہے،

عزت، وقار، فرمانبردار اولاد، صحت، سکون اور ایک روشن اور تابناک مستقبل کی امید۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"بس بس ختم کریں خود کو فریب میں مبتلا رکھنے والی ان باتوں اور امیدوں کا تذکرہ، انسان کی عزت، عظمت اور بڑائی کا معیار اب صرف پیسہ ہے، صرف پیسہ، جس کے پاس جتنا زیادہ ہے، اتنی ہی معاشرے میں اس کی عزت ہے۔"

"یہ سب جھوٹ ہے، سراب ہے، دھوکہ ہے، شازیہ بیگم عزت کا معیار اگر روپیہ پیسہ ہی ہوتا تو دنیا کا ہر اسمگلر، منشیات فروخت، ہر غنڈہ موالی معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا، لیکن ایسا نہیں ہے، نہ خدا کے سامنے، نہ مخلوق کے ہاں، اگر کچھ لوگ کسی خوف یا مجبوری کے باعث ان کی عزت کرتے بھی ہیں تو اس سے حقیقت بدل نہیں جاتی۔"

"آپ کچھ بھی سمجھتے رہیں، اپنے خود ساختہ اصولوں کے خول میں بند رہیں، حقائق چھپ تو نہیں سکتے، جیب میں پیسہ نہ ہو تو انسان لاکھ گنوں کا مالک ہو، ہزار خوبیوں سے متصف ہو، علم کا سمندر ہو، کردار کے بلند ترین مرتبے پر پہنچا ہوا ہو، کوئی گھاس نہیں ڈالتا ہے، اس کے بچے کو اچھے اسکول میں داخلہ نہیں ملتا، بیمار پڑ جائے تو اسپتال میں توجہ نہیں ملتی، اچھی جگہ اولاد کے رشتے نہیں ہو پاتے، اس کا کوئی فن تسلیم نہیں کیا جاتا، اپنا کوئی جائز کام بھی آسان طریقے پر نہیں نکال سکتا، اس کے نصیب میں دنیا کے لاکھوں کروڑوں غریبوں کی طرح رونا اور کڑھنا، بسوں میں دھکے کھانا، سڑکوں کی دھول پھانکنا اور موسموں کی سختیاں برداشت کرنا ہی لکھا ہوتا ہے، رینگ رینگ کر چلنا، سسک سسک کر زندہ رہنا اور پھر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانا، یہی مقدر ہے اس معاشرے میں ہر بے مایہ انسان کا......"

"ایسا ہے ضرور ایسا ہے لیکن یہ سچ نہیں ہے، یہ محض ہمارا ایک ناقص رویہ ہے، جسے ہم اپنا المیہ بھی کہہ سکتے ہیں، یہ ہم پر مسلط کردہ ایک فرسودہ، غیر مساویانہ اور جابرانہ نظام کا شاخسانہ ہے، جو قوم ایک اعلیٰ، ارفع نظام حیات رکھنے کی دعوے دار ہو، لیکن اس پر عمل کرنے میں پس و پیش سے کام لے، فلاح کے راستے دوسروں کے نظام ہائے زندگی میں تلاش کرتی پھرے، اس معاشرے میں اس قسم کے رویوں کا پروان چڑھ جانا عین فطری امر ہے، لیکن سچ کیا ہے؟ اور جھوٹ کیا، اچھا کیا ہے؟ اور برا کیا؟ کوئی کب تک ان میں امتیاز کرنے سے بے بہرہ رہ جائے گا، آخر جیت سچ ہی کی ہوگی......"

"ہمیں تو کچھ مل نہیں پایا آپ کے ان اعلیٰ اور بے ثمر اصولوں سے......"

"تم سمجھنا نہ چاہو تو الگ بات ہے، ورنہ میں کوئی نئی بات نہیں کر رہا، شاکر صاحب نے بھی کسی قدر بے زاری سے جواب دیا، اس وقت رضوان ہاتھ میں ریکٹ لئے اپنے کمرے سے باہر آیا۔"

"امی آپ کیوں ہلکان کرتی رہتی ہیں میرے پاپا کو، وہ جو کہتے ہیں، ٹھیک ہی تو کہتے ہیں......"

"اے ہٹ بڑا آیا باپ کی طرفداری کرنے والا، میں اگر ان سے لڑتی ہوں تو تم لوگوں کے بھلے کے لئے، وگرنہ اپنی تو جو گزرتی تھی، رو دھو کے زیادہ گزر گئی ہے، جو تھوڑی رہتی ہے، وہ بھی گزر جائے گی۔"

"امی ہمارا بھلا اس میں ہے، جیسے ہمارے پاپا کر رہے ہیں، وہ ہمارا برا تو نہیں سوچ سکتے ناں......!"

"اچھا، اچھا، تم بھی وہی کچھ کرنا جو تمہارے پاپا کر رہے ہیں اور اپنے ہونے والوں کو بھوکا ننگا رکھ کر انہیں اپنی دیانت اور زریں اصولوں کے جھوٹے دلاسے دیئے رکھنا۔" شازیہ بیگم غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گئیں اور باپ بیٹا کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"آئیں ابو کھیلنے کا وقت نکلا جا رہا ہے، ایک ایک بازی ہو جائے۔"

"ہاں بھئی کیوں نہیں تم جاؤ تھوڑا چھڑکاؤ کرو، میں شوز پہن کر اور رضوانہ کو لے کر آتا ہوں۔"

"اسے رہنے دیں، ابو کھیلنا تو اسے آتا نہیں، بس چیختی رہتی ہے اور بے ایمانی کرتی ہے۔"

"نہیں بیٹا، ایسے نہیں کہتے، وہ بیچاری پریکٹس نہیں کرے گی تو سیکھے گی کیسے اور سیکھے گی نہیں تو جیتے گی کیسے؟ اور جب جیتے گی تو بے ایمانی کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

"ابو آپ کی باتیں میں تو سمجھنے سے رہا......"

"سیدھی سی بات ہے بیٹا، جیتنے کی خواہش انسان کی فطرت میں شامل ہے اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لئے وہ سبھی کچھ کر گزرنے پر تیار ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ بے ایمانی بھی...... کہو اب کچھ سمجھے مری بات؟"

شاکر صاحب نے زیر لب مسکراتے ہوئے پوچھا اور رضوان ایک بار پھر شانے اچکا کر رہ گیا، انہی دنوں کسی کی شکایت پر اچانک اینٹی کرپشن والوں کا چھاپہ پڑا اور اکمل صاحب کو گرفتار کر لیا گیا، زندگی کے ایک ایک پل سے خوشیاں کشید کرنے والے گھرانے کے ہر فرد پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی، چند دن کی محکمانہ انکوائری کے بعد انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا اور اینٹی کرپشن والوں نے مزید تفتیش کے لئے ریمانڈ پر اپنی تحویل میں لے لیا، کچھ عرصہ ایک عدالت میں مقدمہ چلتا رہا اور جرم ثابت ہونے پر انہیں تین سال قید بامشقت کے ساتھ ساتھ دس لاکھ روپے کا جرمانہ بھی عائد کیا گیا اور اپنی آمدن سے بڑھ کر جتنے بھی اثاثے انہوں نے بنائے تھے، وہ بھی ضبط کر لئے گئے، کرایہ کا مکان انہوں نے محض دکھاوے کے لئے لے رکھا تھا، جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اس شہر میں ان کے تین بنگلے تھے جو سب کے سب کرایہ پر اٹھے ہوئے تھے۔

اس مقدمے کے فیصلے کی خبر شہر کے ایک موقر جریدے میں جلی حروف میں شائع ہوئی، اہل محلہ نے بھی اس مقدمہ میں بڑی دلچسپی لی، خصوصاً رضوان نے عدالتی فیصلے کی خبر کو پڑھ کر زبردست جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور جگہ جگہ اس نے اس دن کے اخبار کو مفت تقسیم کروایا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایسی ہی کسی خبر کے انتظار میں تھا، اخبار کا ایک پرچہ وہ گھر بھی لے آیا اور اونچی آواز سے یہ خبر سب کو پڑھ کر سنانے لگا، شاکر صاحب نے اسے منع بھی کیا کہ اسے اس خبر کو یوں اچھالنا نہیں چاہئے، لیکن وہ رکا نہیں، خبر سنانے کے بعد وہ ماں کی طرف مڑا اور گہرے طنزیہ لہجے میں بولا۔" امی دیکھا آپ نے رشوت اور ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے کا انجام ہے، مجھے فخر ہے کہ میں ان کا بیٹا ہوں، جو اپنے دوستوں میں، اپنے کالج میں اور اپنے محلے والوں کے درمیان سر اٹھا کر چلتا ہے، اکمل صاحب کے بیٹے امجد کی طرح کونے کھدروں میں سر چھپاتا نہیں پھرتا۔"

"اور بھائی مجھے بھی اپنے پاپا پر فخر ہے امید ہے امی اب تو ان سے جھگڑا نہیں کیا کریں گی۔" رضوانہ بھی پر جوش لہجے میں بولی۔

"بہت خوب بیٹا، مجھے بھی تم دونوں پر فخر ہے، شکر ہے خدا کا، میری محنت رائیگاں نہیں گئی، لیکن اس میں میرا کوئی کمال نہیں، یہ اس رزق حلال کا کمال ہے، جو تمہاری رگوں میں خون بن کر گردش کر رہا ہے اور یہی فرق ہے سچ اور جھوٹ میں، اچھائی اور برائی میں، امید ہے اب یہ فرق اس گھر کے ہر فرد پر بخوبی واضح ہو چکا ہوگا۔"

شاکر صاحب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو سبھی کھلکھلا کر ہنس پڑے، ٹھیک ہے بھئی آج تم لوگ جتنا چاہو، مجھے نشانہ بنا کر باتیں کر سکتے ہو، میں اپنی ہار تسلیم کئے لیتی ہوں، شاید میں نے ہی کچھ غلط روشنی اختیار کر لی تھی، مجھے خوشی ہے تم میں ہر طرح کے مشکل حالات میں شکر گزاری کے جذبے کے ساتھ زندہ رہنے کا حوصلہ بھی ہے اور جرات بھی اور قناعت اور شکر گزاری کا یہ جذبہ ایسی انمول دولت ہے، جسے نہ کوئی چور ڈاکو چرا سکتا ہے اور نہ کوئی اہلکار چھاپہ مار کر بحق سرکار ضبط کر سکتا ہے۔" شازیہ بیگم نے بڑے فلسفیانہ انداز میں یہ بات کہی تو سبھی ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

☆......☆......☆

ملا دو پیازہ

عبدالکافی ادیب

ملا دو پیازہ ایک ایسی دل چسپ اور تاریخی شخصیت گزری ہے جو اپنی لطیفہ گوئی اور ظرافت کی وجہ سے مشہور تھی۔ ملا دو پیازہ کا اصلی نام ابوالحسن اور باپ کا نام ابوالمحاسن تھا۔ وہ عرب کے مشہور شہر طائف میں پیدا ہوا تھا۔

ابوالحسن (ملا دو پیازہ) بچپن ہی سے نہایت ذہین اور چالاک تھا، چھ برس کی عمر میں محلے کے مکتب میں داخل ہوا، اپنی شرارتوں سے ہم جماعتوں کو ہنساتا رہتا تھا، کبھی کبھی اپنے ہم جماعتوں کو پریشان کرنے کے لئے ان کے جوتے کہیں چھپاتا یا کتابیں ایک دوسرے کے بستوں میں رکھتا اور پھر خاموشی سے ایک جگہ بیٹھ کر ان کی دوڑ دھوپ اور پریشانی کا تماشا دیکھتا تھا۔

دس برس کی عمر کو پہنچا تو ماں مرگئی، باپ نے دوسری شادی کرلی، شروع ہی سے سوتیلی ماں کا سلوک ابوالحسن کے ساتھ اچھا نہ تھا، وہ خود بھی پرلے درجے کی جھگڑالو عورت تھی، کسی نہ کسی بہانے ابوالحسن کو باپ سے پٹواتی رہتی تھی۔ ابوالحسن چپ چاپ صدمے برداشت کرتا رہا۔ آخر تنگ آکر اس نے بھی بدلہ لینے کی ٹھانی اور مختلف حربوں سے اپنی سوتیلی ماں کو پریشان کرنے لگا۔

ایک دن موقع پاکر ابوالحسن نے صندوق سے ماں کے ریشمی قیمتی کپڑوں کو نکال کر چاقو سے بری طرح کتر ڈالا اور پھر ایک چوہا پکڑ کر کپڑوں میں لپیٹ کر صندوق میں بند کردیا۔ دو تین روز بعد اتفاق سے سوتیلی ماں کو ایک دعوت میں جانے کے لئے ریشمی کپڑوں کی ضرورت پڑی۔ اس نے صندوق کھول کر کپڑے نکالے تو کپڑوں سے ایک چوہے کو نکلتے دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ اپنے قیمتی کپڑوں کا بیڑا غرق دیکھ کر وہ چیخ چیخ کر رونے لگی اور ساتھ ساتھ ابوالحسن کو بھی کوسنے لگی کہ گھر میں اس کی موجودگی سے نحوست پھیلی ہوئی ہے، ابوالحسن ایک کونے میں کھڑا خوش ہوتا رہا۔

ایک روز تو ابوالحسن نے حد کردی، ہوا یوں کہ محلے میں ایک نیم پاگل عورت کسی بھی گھر میں گھس کر گھنٹوں بیٹھی رہتی تھی، ابوالحسن کی سوتیلی ماں کو اس بات کا علم نہیں تھا، ایک روز جب ماں گھر میں موجود نہیں تھی، پاگل عورت اس کے ہاں آکر بیٹھ گئی۔ اتفاق سے ابوالحسن اور اس کا باپ ابوالمحاسن بھی گھر میں موجود تھے، انہوں نے پگلی کو کچھ کھانے کے لئے دیا، سوتیلی ماں کو ستانے کے لئے ابوالحسن کو ایک موقع ہاتھ آیا، وہ بھاگم بھاگ سوتیلی ماں کو اطلاع دینے گیا کہ باپ نے ایک عورت سے شادی کرلی ہے اور وہ عورت گھر میں بیٹھی ہوئی ہے، یہ سن کر سوتیلی ماں سب کچھ بھول کر اپنے گھر آئی، ایک اجنبی عورت کو گھر میں بیٹھا دیکھ کر اسے یقین آگیا کہ واقعی اس کے شوہر نے دوسری شادی کرلی ہے، بس پھر کیا تھا، اس عورت کو بالوں سے پکڑ کر مارنے لگی، پگلی بھی طاقت میں اس سے کم نہیں تھی، اس نے بھی اپنے بچاؤ میں ہاتھ دکھانے شروع کیے، ابوالحسن کا باپ انہیں چھڑانے آیا تو بیوی نے پگلی عورت کو چھوڑ کر اس کی خبر لی، اس چیخ و پکار سے محلے بھر کے لوگ آکر تماشا دیکھنے لگے، باپ نے جو یہ منظر دیکھا تو شرم و ندامت کے مارے سب کچھ چھوڑ کر گھر سے بھاگ نکلا اور دوبارہ واپس نہیں آیا۔

ابوالحسن کو اپنی حماقت پر رہ رہ کر افسوس ہونے لگا، اب تو سوتیلی ماں اسے اور بھی پریشان کرنے لگی، چنانچہ ابوالحسن باپ کی تلاش میں گھر سے نکل کر شہر چلا گیا، چند روز باپ کی تلاش جاری رکھی، مگر مایوسی ہوئی، گھر واپس جانا ہی نہیں چاہتا تھا، اس لئے ایک قافلے کے ساتھ ہولیا، جو ایران جارہا تھا، اس وقت ابوالحسن کی عمر پندرہ برس تھی، ایران میں اس کا جی نہیں لگا تو دہلی چلا آیا، جب وہ دہلی شہر پہنچا تو رات کا وقت تھا، رات بسر کرنے کے لئے وہ جامع مسجد میں ٹھہر گیا، اسے قرآن پاک کی بے شمار آیات حفظ تھیں، لہٰذا وہ مسجد میں تلاوت کرنے لگا، نمازیوں نے بہت تعریف کی اور اسے ملاجی کے نام سے پکارنے لگے، اسے مسجد میں بیٹھے بیٹھے مفت کا کھانا ملنے لگا، ملا بچپن سے ہنسوڑ تھا، اس لئے اپنی دل چسپ باتوں سے بہت سے لوگوں کے دل موہ لئے، لوگ اسے دعوتوں میں بلانے لگے، خاص کر امیر لوگ تفریح کی غرض سے ملا کو اکثر بلانے لگے اور اس کی دل چسپ باتوں اور لطیفوں سے لطف اٹھانے لگے۔

ایک روز کسی کے ہاں دعوت تھی، ملا بھی دعوت میں شریک تھا، کھانے میں پلاؤ بھی تھا، ملا نے زندگی میں پہلی بار پلاؤ دیکھا تو اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ ساتھی نے کہا: ”پلاؤ۔“ ملا نے دوبارہ پوچھا: ”پلاؤ کیا چیز ہوتی ہے۔“

اس کے ساتھی کو مذاق سوجھا، بولا: ”دو پیازہ ہوتی ہے۔“ واہ واہ سبحان اللہ! دو پیازہ بھی کیا عمدہ کھانا ہے، آہا۔“ ابوالحسن چٹخارے لے کر کھانے لگا، دعوت میں موجود لوگ اس کی دل چسپ حرکتوں کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔

اس روز کے بعد ابوالحسن کو جب بھی کسی دعوت میں بلایا جاتا تو وہ دو پیازہ کھلانے کی فرمائش ضرور کرتا، چنانچہ اسی وجہ سے ابوالحسن ”ملا دو پیازہ“ کے نام سے مشہور ہوگیا۔

مشہور مغل بادشاہ اکبر اعظم کا دور تھا، اکبر کے مشہور نورتن فیضی نے ملا دو پیازہ کی شہرت سنی تو اسے اپنے ہاں بلوالیا، فیضی کی مردم شناس نظروں نے ملا دو پیازہ کی ظریفانہ خوبیوں کو فوراً بھانپ لیا، چنانچہ فیضی کے ذریعے سے ملا دو پیازہ بھی اکبر اعظم کے ساتھیوں میں شامل ہوگیا، بیربل بھی اکبر اعظم کے نورتنوں میں سے ایک تھا، وہاں ملا دو پیازہ اور بیربل کی آپس میں دل چسپ نوک جھونک رہتی تھی، ایک مرتبہ بیربل، اکبر اعظم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ملا دو پیازہ کسی سوچ میں ڈوبا زمین کی طرف دیکھتا ہوا ناک کی سیدھ میں آرہا تھا۔

بیربل نے پوچھا: ”ملاجی! کیا ڈھونڈ رہے ہو؟“

ملا نے جواب دیا: ”مدت ہوئی میرا باپ گم ہوگیا ہے، اسے ڈھونڈتا ہوں۔“

بیربل نے کہا: ”اگر میں بتادوں تو کیا دو گے؟“

ملا بولے: ”سارے کا سارا تمہارا۔“

ایک دفعہ بیربل نے بادشاہ سے ایک فیل بان (ہاتھی چلانے والا) کے خلاف شکایت کرتے ہوئے کہا: ”جس نام کے آخر میں لفظ بان ہوتا ہے وہ نہایت شریر اور دھوکے باز ہوتا ہے، مثلاً فیل بان، گاڑی بان، ساربان۔“ ملا دو پیازہ بھی قریب بیٹھا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس سے نہ رہا گیا، فوراً تائید کرتے ہوئے بولا۔ ”سچ کہتے ہو مہربان۔“

ایک بار ایک نجومی بادشاہ سے کہہ رہا تھا کہ صبح کے

وقت دوکوے ایک ساتھ بیٹھے دیکھنا بڑا نیک شگون ہے، بیربل نے نجومی کی بات کی تائید کی، مگر ملا نے نجومی کی بات کی مخالفت کرتے ہوئے کہا: "بادشاہ سلامت! اس بات کو آزمانا چاہیے۔"

بادشاہ نے بیربل کو حکم دیا کہ جب کبھی دوکوے ایک جگہ ساتھ بیٹھے دیکھو تو ما بدولت کو فوراً اطلاع دو۔ بیربل بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں موقعے کی تلاش میں تھا کہ صبح کو دوکوے ایک ساتھ کہیں بیٹھے ہوں تو بادشاہ کو اطلاع دی جائے۔ ایک دن اس نے صبح ہی صبح دوکوے ایک ایک جگہ بیٹھے دیکھے تو بادشاہ کو خبر کرنے دوڑا۔ اس وقت بادشاہ گہری نیند سو رہا تھا۔ بیربل نے اسے جگایا۔ جاڑے کا موسم تھا، گرم بستر سے اٹھنے کو بادشاہ کا جی نہیں چاہ رہا تھا، مگر نجومی کی بات کا خیال آتے ہی مجبوراً اٹھا اور بیربل کے ساتھ موقعے پر پہنچا، مگر اسے وہاں ایک ہی کوا نظر آیا، اب تو بادشاہ غصے میں آ گیا، بیربل کو خوب سنائیں، دراصل ایک کوا اڑ گیا تھا، اسی روز ایک امیر شخص نے بادشاہ کی خدمت میں ایک نہایت ہی قیمتی تحفہ پیش کیا، ملا دو پیازہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: "قبلہ عالم! اگر حضور کو صبح کے وقت دوکوے ساتھ بیٹھے نظر آتے تو یقیناً یہ تحفہ نہ ملتا۔ جس شخص نے دوکوے ایک ساتھ دیکھے، اس کا حال حضور سے پوشیدہ نہیں۔" یہ اشارہ بیربل کی طرف تھا۔

بیربل بے حد شرمندہ ہوا اور بادشاہ نے خوش ہو کر ملا کو انعام و اکرام سے نوازا۔

اکبر اعظم، ملا کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا، ایک دفعہ سفر کے دوران ملا دو پیازہ بیمار پڑ گیا، بادشاہ مجبوراً اسے ہنڈیا نامی ایک گاؤں میں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گیا، شاہی حکیموں نے ملا دو پیازہ کا علاج کیا، مگر افاقہ نہ ہوا، آخر ۱۶۰۰ عیسوی میں ساٹھ سال کی عمر میں اسی گاؤں میں ملا کا انتقال ہو گیا، اس موقعے پر ایک ظریف نے کہا: "واہ بھئی دو پیازہ! مرے بھی کہاں، ہنڈیا میں۔"

☆......☆......☆

نماز کے فرائض

نیت باندھنے کے بعد سلام پھرنے تک ہماری نماز میں درج ذیل چھ کام فرض ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی رہ جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ سجدہ سہو سے بھی نماز درست نہ ہوگی، بلکہ دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔

(۱)......تکبیر تحریمہ کہنا۔ (۲)......قیام کرنا۔ (۳)......قرأت کرنا۔ (۴)...... رکوع کرنا۔ (۵)......سجدہ کرنا۔ (۶)......آخری رکعت میں تشہد کی مقدار بیٹھنا۔

☆......☆......☆

نماز کے واجبات

نماز میں چودہ واجبات ہیں، اگر ان میں سے کوئی چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنا ہوگا، اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔

قیام:......(۱) کھڑے ہونے کی صورت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔ (۲) سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی کم از کم تین آیات پڑھنا۔ (۳) نماز ترتیب سے پڑھنا۔ (۴) رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔ (قومہ کرنا)۔ (۵) دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔ (جلسہ کرنا)۔ (۶) سکون اور اطمینان سے نماز پڑھنا۔ (۷) اگر نماز دو رکعت سے زائد ہو تو دوسری رکعت کے بعد پہلا قعدہ کرنا۔ (۸) دونوں قعدوں میں ایک بار تشہد پڑھنا۔ (۹) فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے مقرر کرنا۔ (۱۰) نماز کو سلام کے ساتھ ختم کرنا۔ (۱۱) نماز وتر میں دعائے قنوت کرنا۔ (۱۲) نماز کی ترکیب میں الحمد شریف، سورۃ سے پہلے پڑھنا۔ (۱۳) عیدین کی نمازوں میں زائد تکبیریں کہنا۔ (۱۴) جہری نمازوں میں امام کا بلند آواز سے اور سری نمازوں میں خاموش آواز سے تلاوت کرنا...... (انتخاب:......حیدر شاہ)

پاکستانی خواتین اور مغربی خواتین

عطیہ نثار

عورت کو "نصف بہتر" اور خواتین کو ملک کی "نصف آبادی" ضرور کہا جاتا ہے لیکن عملی زندگی میں ان باتوں کی اہمیت ایک سماجی و سیاسی نعرے سے زیادہ نہیں اور نعروں کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ نعرے فضا میں بلند کر کے بھول جانے کے لئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ عملی زندگی میں نصف بہتر ابھی تک "نصف کمتر" اور نصف آبادی "نصف بوجھ" سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین کے مزاج، رویوں، رجحانات اور بالخصوص ان کے مسائل میں غفلت عام ہے، اس ضمن میں سیاسی و سماجی تنظیموں کا تو ذکر ہی کیا۔ ذرائع ابلاغ یہاں تک کہ تعلیمی و تحقیقی ادارے بھی خواتین کے حقیقی رجحانات اور مسائل سے غیر متعلق نظر آتے ہیں اور اس سلسلے میں کوئی علمی یا تحقیقی سرگرمی شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔

گزشتہ دنوں خواتین کے رجحانات اور ان کے مسائل سے واقفیت کے لئے خالصتاً سیاسی بنیادوں پر ایک ملک گیر سروے کیا گیا، یہ سروے ویمن کمیشن کی طرف سے کیا گیا تھا، اس سروے سے معاشرے میں نہ صرف یہ کہ خواتین کے مقام اور مسائل پر روشنی پڑتی ہے بلکہ ہمارے معاشرے میں خواتین کی سوچ اور فکر بھی سامنے آتی ہے۔ سروے میں جواب کنندہ کی حیثیت سے شامل 57 فیصد غیر شادی شدہ اور 48 فیصد شادی شدہ ہیں، آمدنی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سروے میں شامل خواتین کی کم سے کم آمدنی 1700 سو روپے اور زیادہ سے زیادہ آمدنی 5000 ہزار روپے ماہانہ تھی، یہ اعداد و شمار سروے کی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کا ثبوت ہیں۔

گزشتہ 50 سال سے مسلم معاشروں کا ایک بہت بڑا نفسیاتی، ذہنی اور معاشرتی مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہر رویے اور رجحانات کا موازنہ مغربی معاشروں سے کرتے ہیں، ایسا کرتے ہوئے ہم بھول جاتے ہیں کہ موازنے میں زندگی کے بنیادی حقائق کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ہم یہ حقیقت بھی فراموش کر دیتے ہیں کہ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں میں خیر و شر، حسن و قبیح اور پسندیدگی و ناپسندیدگی کے معیارات اور پیمانے مختلف ہو سکتے ہیں اور ضروری نہیں کہ جو چیز اہل مغرب کے لئے خوب ہو وہ ہمارے لئے بھی خوب ہو، فہم کے اس نقص سے نہ صرف یہ کہ مسلم معاشروں میں مغرب کے حوالے سے ایک ہولناک احساس کمتری پیدا ہوا ہے بلکہ بعض مفروضوں نے حقائق کا درجہ حاصل کیا ہے، مثال کے طور

پر مذہبی دنیا میں یہ رائے عام ہے کہ مسلم معاشروں میں خواتین انتہائی کمزور (Power Less) ہیں، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خواتین کی کوئی رائے ہے ہی نہیں اور اگر رائے ہے بھی تو اسے کوئی وقعت حاصل نہیں اور یہ کہ مسلم معاشرہ دراصل ہولناک حد تک مردوں کی گرفت (Male Dominated) ہے، وغیرہ وغیرہ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم معاشروں میں خواتین اپنے دائرے میں ہمیشہ انتہائی طاقتور رہی ہیں اور وہ آج بھی ان دائروں میں فیصلہ کن کردار ادا کررہی ہیں، زیر نظر سروے اس حقیقت کو پوری شدت اور وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے لاتا ہے۔

سروے کے تحت جب خواتین سے پوچھا گیا کہ آپ کے گھر میں شادی کے فیصلے کا انحصار کس چیز پر ہے تو 57 فیصد خواتین نے جواب دیا کہ سارے فیصلے مردوں اور عورتوں کے مشترکہ فیصلے اور رائے سے ہوتے ہیں، 24 فیصد خواتین نے کہا کہ اس سلسلے میں خواتین کے فیصلے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے جبکہ 17 فیصد نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں مرد کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے، صرف ایک فیصد اس مسئلہ پر ابہام کا شکار تھیں اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کہا جاسکتا ہے کہ مشترکہ فیصلہ دراصل اکثر صورتوں میں مرد کا فیصلہ ہوتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس حقیقت کو کس طرح نظر انداز کیا جائے کہ ہمارے معاشرے میں صرف 17 فیصد مرد شادی کے سلسلے میں حتمی حیثیت کے حامل ہیں اور اس کے مقابلے میں 24 فیصد خواتین شادی کے معاملے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں، اس صورتحال کی وضاحت ایک اور سوال کے جواب سے ہوتی ہے، سروے کا ایک سوال یہ تھا کہ بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں بنیادی فیصلے کون کرتا ہے، اس سلسلے میں 25 فیصد نے کہا کہ فیصلہ مشترکہ ہوتا ہے جبکہ 40 فیصد نے کہا کہ خواتین کی رائے حتمی ہوتی ہے اور 14 فیصد نے کہا کہ اس سلسلے میں مرد کے فیصلے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

جب خواتین سے پوچھا گیا کہ عام استعمال کی اشیاء کے سلسلے میں گھر کے اندر کس کی رائے کو فوقیت حاصل ہے تو 33 فیصد خواتین نے کہا کہ فیصلہ مشترکہ ہوتا ہے جبکہ 53 فیصد خواتین نے جوابدیا کہ اس سلسلے میں خواتین کی رائے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے جبکہ صرف 14 فیصد مرد اس ضمن میں فیصلہ کن کردار کے حامل بتائے گئے۔ سوال یہ ہے کہ ان حقائق سے کیا ثابت ہوتا نظر آتا ہے؟ یہ مفروضہ کہ مسلم معاشروں میں خواتین کی کوئی وقعت نہیں یا یہ کہ خواتین بعض بنیادی شعبوں اور دائروں میں مغربی دنیا کی خواتین سے بھی زیادہ فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔

ہمارے معاشرے بالخصوص شہری معاشرے میں یہ خیال عام ہے کہ ملازمت پیشہ خواتین کی بڑی تعداد محض شوقیہ ملازمت کرتی یا یہ کہ خواتین میں ملازمت کا بڑھتا ہوا رجحان ان کی آزادی کا مظہر ہے لیکن سروے کے نتائج اس مفروضے کو بھی چیلنج کرتے نظر آتے ہیں، مثلاً خواتین سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ ملازمت کیوں کرتی ہیں تو 56 فیصد خواتین نے کم آمدنی کو اس کا ذمہ دار قرار دیا۔ 18 فیصد خواتین نے ملازمت کی وجہ یہ بتائی کہ ان کا کوئی سرپرست ہی نہیں ہے، 6 فیصد خواتین کے سرپرست تو ہیں مگر وہ کسی نہ کسی قسم کی معذوری کا شکار ہیں، 15 فیصد خواتین نے کہا کہ وہ محض اپنی صلاحیت اور اہلیت کو مزید بہتر بنانے کے لئے یہ کام کرتی ہیں، صرف تین فیصد خواتین نے کہا کہ وہ محض وقت گزاری کے لئے ملازمت کرتی ہیں۔ یہ حقائق اس بات کا اظہار ہیں کہ پاکستانی معاشرے کی خواتین کا ذہنی ونفسیاتی سانچہ ابھی تک مغربی خواتین کے سانچے سے بہت مختلف اور ہماری مذہبی وسماجی اقدار کے مطابق ہے۔

اس کی تصدیق مزید سوالات وجوابات اور رجحانات سے ہوتی ہے، مثال کے طور پر ہمارے معاشرے میں ملازمت پیشہ خواتین وہ کسی بھی شعبے سے کیوں نہ وابستہ ہوں، ان کے لئے ملازمت کے حوالے سے مقامی نمونے یا رول ماڈلز صرف دو ہیں یعنی استاد اور ڈاکٹر، خواتین سے سوال پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک استاد کی ملازمت کے بارے میں کیا رائے ہے تو 80 فیصد خواتین نے اسے بہترین قرار دیا۔ ڈاکٹر کا پیشہ پسندیدگی کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر ہے جبکہ 80 فیصد خواتین نے اشتہارات میں ماڈل کی حیثیت سے کام کو ناپسندیدہ قرار دیا۔

ملازمت پیشہ خواتین کے حوالے سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ ان کی بڑی اکثریت کسی نہ کسی قسم کے حجاب یا پردے کو پسند کرتی ہے اور نہ صرف پسند کرتی ہے بلکہ وہ ملازمت کے لئے گھر سے نکلتی ہے تو کسی نہ کسی انداز میں حجاب کو اپناتی ہیں، ہمارے معاشرے کی 75 فیصد ملازمت پیشہ خواتین حجاب کو پسند کرتی ہیں، البتہ اس سلسلے میں پسند کے اعتبار سے درجوں کا فرق ہے، مثلاً 39 فیصد خواتین مکمل حجاب کے ساتھ گھر سے نکلتی ہیں اور 14 فیصد خواتین نقاب والی چادر استعمال کرتی ہیں اور 22 فیصد چادر استعمال کرتی ہیں، البتہ 25 فیصد نے اس سلسلے میں پوچھے گئے سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ حقائق اور اعداد وشمار اس اعتبار سے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں کہ 1947ء سے آج تک خود ریاست یا حکومت نے حجاب کے اسلامی رجحان کو معاشرے میں رائج اور راسخ کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا بلکہ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات ورسائل وجرائد میں بے حجابی کو آئیڈیل، پسندیدہ اور روشن خیالی وآزادی کی علامت کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ چنانچہ ملازمت پیشہ خواتین کی اکثریت اگر حجاب کی قائل ہے اور اسے برت رہی ہے تو یہ بات اس امر کی علامت ہے کہ مذہبی اقدار وتہذیبی روایات پر معاشرے کا یقین اب تک مستحکم اور توانا ہے اور وہ ریاستی مدد کے بغیر بھی مغربیت کی بے پناہ یلغار کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خواتین کے بعض حقوق کا تحفظ ایک اہم مسئلہ ہے اور اس حوالے سے ملازمت پیشہ خواتین کی صورتحال بھی اچھی نہیں۔ مثلاً خواتین سے جب یہ پوچھا گیا کہ ان کے شوہر نے ان کا مہر دیا ہے اور وہ نان نفقہ کی ذمہ داری پوری کرتے ہیں تو صرف 4 فیصد خواتین ایسی تھیں، جنہوں نے کہا کہ ہاں اس نے مہر دیا ہے اور نان نفقہ بھی دیا جاتا ہے۔ 10 فیصد خواتین ایسی ہیں جنہیں کچھ نہ کچھ مہر اور نان نفقہ دیا جاتا ہے، 19 فیصد خواتین نے جواب دیا کہ انہیں مہر اور نان نفقے کا نصف فراہم ہوا ہے۔

خواتین پر تشدد ایک بڑا مسئلہ بن کر سامنے آیا ہے لیکن اس کے مضمرات عیاں ہوئی ہے کہ 53 فیصد خواتین کے نزدیک تشدد کی وجہ ناخواندگی ہے، 17 فیصد خواتین کے نزدیک اس کی وجہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت ہے، 6 فیصد کے نزدیک اس کا سبب منشیات کا استعمال ہے جبکہ 5 فیصد مشترکہ خاندانی نظام کو اس کا ذمہ دار سمجھتیں ہیں، البتہ 19 فیصد خواتین ایسی ہیں جنہوں نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

جہیز بھی معاشرے کا ایک اہم مسئلہ ہے لیکن اس سلسلے میں ملازمت پیشہ خواتین کے ردعمل کی سطحیں مختلف ہیں۔ مثلاً 35 فیصد خواتین نے جہیز کو بہت اہم قرار دیا ہے جبکہ 40 فیصد کے نزدیک جہیز بہت اہم نہیں، صرف اہم ہے۔ 10 فیصد خواتین ایسی ہیں جو جہیز کو زیادہ اہم نہیں سمجھتیں، البتہ خواتین کی اکثریت یعنی تقریباً 79 فیصد خواتین کا خیال ہے کہ جہیز پر پابندی سے بہت سے معاشرتی مسائل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

سماجی تحقیق فی زمانہ بہت اہم ہوگئی ہے اور اسے بھی اس علمی زندگی کی ترجیحات میں سرفہرست ہونا چاہئے لیکن بدقسمتی سے معاشرے کو سطحیت کی جانب دھکیل دیا گیا ہے، چنانچہ ہماری زندگی حقائق کی بجائے مفروضوں اور نعروں پر استوار کی گئی ہے، تاہم ویمن کمیشن نے اس حوالے سے معاشرے کی نصف آبادی کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا ہے۔ یہ سروے اس سلسلے میں پہلی بڑی کوشش ہے اور امید ہے کہ یہ کوشش ایک مستقل ادارے کی صورت اختیار کرلے گی۔

☆......☆......☆

ایمان کی روشنی



ہادیہ رحمان

آسمان پر بادل اٹھکیلیاں کررہے تھے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ایک عجیب سا احساس دلارہی تھی، رات ہونے والی بارش نے ٹھنڈک میں اضافہ کردیا تھا، میں اس وقت گھر کے چھوٹے سے لان میں موجود تھی اور قدرت کی بنائی ہوئی خوبصورت چیزوں سے محظوظ ہورہی تھی کہ ماہم روتی ہوئی میری طرف آئی، میں نے چونک کراسے دیکھا تو وہ روتے ہوئے اپنے بھائی کی شکایت کرنے لگی، جو کچھ فاصلے پر گیند بلا کھیل رہے تھے، مجھے گھورتا دیکھ کر حمدان بول اٹھا۔

''امی جان! کھیل میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے، اگر اسے گیند لگ گئی تو اس میں میرا کیا قصور؟''

حمدان نے ٹھیک ہی کہا ہے ماہم! کھیل میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے، میں ماہم کے امڈتے آنسو اپنے دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے بولی۔ اتنے میں ڈوربیل بج اٹھی تو ادھم بھاگتے ہوئے دروازے پر پہنچا اور فوراً دروازہ کھول دیا، دروازے پر دس سالہ فالس کھڑی تھی۔

''اندر آجاؤ بیٹا...... دروازے پر کیوں کھڑی ہو!''

میرے کہنے پر وہ فوراً اندر آگئی، یہ ماہم کی دوست اور ہم عمر تھی، ماہم اپنا رونا بھول کر اس کے ساتھ کھیلنے لگی، جبکہ کچھ اندیشوں کے ساتھ میں فالس کے سنہری بالوں کو تکنے لگی۔

فالس ایک انگریز بچی تھی اور انگریزوں کو میں نے کبھی بھی پسند نہیں کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ میں اپنے بچوں کو انگریزوں سے دور ہی رکھتی تھی، مگر نجانے اس لڑکی میں کیا بات تھی کہ میں اسے اپنے گھر آنے اور ماہم سے کھیلنے سے روک نہیں سکتی تھی، کچھ دیر بعد میں کچن میں آگئی اور شام کا کھانا بنانے لگی۔

''ابو جان! کل ہم جھیل کی سیر کو ضرور جائیں گے، آپ کو معلوم ہے نا کہ موسم کتنا خوشگوار ہے، ان دنوں میں سیر کرنے کا کچھ اور ہی مزہ ہوتا ہے، لہٰذا ہم کل جھیل کی سیر کرنے ضرور چلیں گے۔'' رات کو ان کے ابا جان جب کام سے واپس آئے تو تینوں اپنے بابا کے پیچھے پڑگئے۔

''اچھا بابا...... ٹھیک ہے ہم کل ضرور جھیل کے سیر کو جائیں گے۔'' ان کے ابا جان نے گویا بچوں کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔

''ہُپ ہُپ ہُرّے! اب مزہ آئے گا۔'' تینوں خوشی سے ''ابا جان زندہ باد'' کے نعرے لگانے لگے۔

جھیل پر جانے کی تیاری نے صبح صبح ہی سے شروع کردی، غیر ملک میں رہنے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انسان کو سب کچھ خود ہی کرنا پڑتا ہے، ورنہ خاندان میں رہتے ہوئے کاموں کا اتنا بکھیڑا نہیں ہوتا، مجھے چند سال پہلے گزرے دن یاد آنے لگے، جب ہم پاکستان میں تھے، موسم بہار کے دوران ایسا ہی پروگرام ادھم کے بابا اور ان کے بھائیوں نے مل کر بنایا تھا، خوشگوار موسم کی وجہ سے انہوں نے ریموں ہیڈ جانے کا پروگرام بنایا، ہیڈ پر جانے کیلئے چیزیں فوراً ہی تیار ہوگئی تھیں، کیونکہ میری جٹھانی، دیورانی اور میں نے کام آپس میں بانٹ لئے تھے۔

''امی جان! آپ ایک عدد کیچپ کی بوتل بھی ساتھ میں رکھ لیجئے گا۔'' ادھم کی آواز سے میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا۔

''کیوں بھئی...... کیا تم وہاں کیچپ کی بوتل چاٹو گے۔'' میں نے کباب ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں امی جان! بلکہ ٹماٹر کیچپ کے بغیر کباب کھانے کا مزہ نہیں آئے گا۔'' ادھم نے یہ کہتے ہوئے چاولوں کا بڑا دیگچہ اٹھایا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

ضروری سامان گاڑی میں رکھنے کے بعد ہم سب اپنی اپنی جگہ پر براجمان ہوگئے، جبکہ حمدان کے ابو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی، تین چار گھنٹے بعد ہم جھیل کو دور سے دیکھ رہے تھے، تھوڑی دیر بعد ہم جھیل کے قریب پہنچ گئے، جھیل کا نیلا پانی آنکھوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا، جبکہ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے موسم کو خوشگوار بنا رہے تھے، میں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو کافی فیملیاں نظر آئیں۔ بچے جھیل کے پانی میں اٹھکیلیاں کررہے تھے، میں بھی جھیل کے کنارے ریت میں ننگے پاؤں چلنے لگی، بچے بار بار مجھے مجبور کررہے تھے کہ میں ان کے ساتھ جھیل کے پانی میں اتروں، میری طرف سے ناں، ناں سننے پر وہ اکیلے ہی کھیلنے لگے۔

حمدان کے بابا بھی بچوں کے ساتھ تھے جبکہ ماہم میرے ساتھ ریت پر ہی چل رہی تھی، ریت پر چلتے چلتے میں نے جو بائیں طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک جانا پہچانا سا چہرہ نظر آیا، اگلے لمحے ہی میں اسے پہچان چکی تھی، وہ فالس تھی، مجھے دیکھتے ہی وہ بھاگی ہوئی میری طرف آئی۔

''ماہم! تم بھی یہاں آئی ہو؟'' وہ ماہم سے ہم کلام تھی۔

''بیٹا! کس کے ساتھ آئی ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ماما، ڈیڈی کے ساتھ۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''کہاں ہیں وہ؟'' میں نے اشتیاق سے پوچھا، کیونکہ میں اس کے گھر کبھی نہیں گئی تھی اور نہ اس کی امی سے ملی تھی۔

''وہ رہیں ماما اور ڈیڈی!'' اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو گلابی سکرٹ میں ملبوس ایک خوبصورت خاتون جوس کا ڈبہ منہ سے لگائے کرسی پر بیٹھی تھی جبکہ ساتھ ہی دوسری کرسی پر ایک خوبرو نوجوان موجود تھا۔

میں نے دوبارہ فالس کو دیکھا تو وہ ہو بہو مجھے اپنی ماں جیسی لگی، اس کی ماں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور منہ دوسری طرف کرلیا، میں جان گئی تھی کہ وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتی...... کچھ دیر بعد فالس اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔

''بھئی، کھانا تو لگاؤ...... بڑی بھوک لگ رہی ہے۔'' حمدان کے بابا نے کہا تو میں نے ایک پرسکون جگہ دیکھ کر وہاں دسترخوان لگانے کا ارادہ کیا، بچے میرے ساتھ دسترخوان لگانے میں مدد کرنے لگے۔

☆......☆......☆

''ادھم! اٹھ جاؤ، عصر کی نماز کا وقت ہوگیا ہے۔'' میں نے ادھم کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

دراصل اسکول میں ہونے والے امتحان کے بعد وہ

تھک گیا تھا اور آج کل سو کر اپنی تھکن اتار رہا تھا، ماہم نماز پڑھ رہی تھی اور حمدان اپنے بابا کے ساتھ ورک شاپ گیا تھا، اتنے میں ڈور بیل بج اٹھی، میں نے جا کر دروازہ کھولا تو فالس تھی، میرے پیچھے پیچھے وہ اندر آ گئی، فالس کو دیکھ کر ادھم فوراً اٹھ بیٹھا اور واش روم میں گھس گیا، بیڈ کی چادر درست کرتے ہوئے میں دیکھ رہی تھی کہ فالس بڑی توجہ سے ماہم کو نماز پڑھتے دیکھ رہی ہے۔

میں اکثر نوٹ کرتی کہ وہ بعض اوقات مجھے بھی بڑی توجہ سے دیکھ رہی ہوتی، آج بھی یہی ہوا، ماہم کے ساتھ کھیلتے کھیلتے وہ اچانک مجھے دیکھنے لگی، اسے اس طرح دیکھنے پر مجھے الجھن سی ہوتی تھی، آخر میں نے ہمت کر کے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"بیٹا! تم مجھے، اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟" میرے پوچھنے پر ماہم نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"وہ آنٹی! دراصل مجھے آپ کی کالی کالی آنکھیں بڑی پیاری لگتی ہیں اور......" اس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"اور کیا بیٹا!" میں نے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اور...... آپ کے چہرے پر یہ پھیلا سکون اور مسکراہٹ...... میں نے آج تک اپنی ماما کے چہرے پر یہ سکون نہیں پایا، شاید وہ اکثر ٹینشن میں رہتی ہیں، اسی لئے وہ سکون سے محروم ہیں!" بچی کی بات سن کر میں مسکرا اٹھی اور اس کے سفید گال پر پیار کیا، میں جانتی تھی کہ مغربی معاشرہ اپنے بچوں کو وہ پیار و محبت نہیں دیتا جو مشرقی معاشرے میں والدین دیتے ہیں، مغربی معاشرے میں زندگی ایک لگی بندھی سی ہوتی ہے اور والدین کے پاس اپنے بچوں کے لئے ٹائم نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

آج موسم میں خنکی نہیں تھی، اس لئے میں نے مارکیٹ جانے کا ارادہ کیا، میں مارکیٹ رات کو جایا کرتی تھی، کیونکہ رات کے وقت دکانیں طرح طرح کی روشنیوں سے جگمگا رہی ہوتی تھیں اور سب سے بڑی بات کہ حمدان کے بابا رات ہی کو واپس لوٹتے تھے، اسی لئے انہیں گھر چھوڑ کر میں ماہم کو لے کر حمدان یا ادھم کے ساتھ جاتی تھی۔ آج جب میں ایک پاکستانی کلاؤتھ سینٹر میں داخل ہوئی تو حسب معمول رش کم تھا، حمدان اور ادھم کے کپڑے خریدنے کے بعد مجھے مالٹے رنگ کا ریشمی کپڑا بے حد پسند آیا، کپڑے پر دھاگے کی کڑھائی نے اسے مزید خوبصورت بنا دیا تھا، میں نے دکاندار کو دو سوٹ کاٹنے کا آرڈر دیا، دکاندار دو سوٹوں کا کپڑا کاٹنے لگا تو ماہم بول پڑی۔

"امی! یہ دو سوٹ کس کے لئے ہیں۔"

"بیٹا! ایک آپ کا اور دوسرا فالس کا!" میں نے پیسے دکاندار کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

"واہ! اب مزہ آئے گا...... ہم دونوں ایک جیسے سوٹ پہن کر بہنیں لگیں گی۔"

شام کو جب فالس آئی تو ماہم نے سوٹ والی بات اسے بتا دی، فالس کچھ شرماتی ہوئی میرے پاس آئی اور سوٹ کو غور سے دیکھنے لگی...... میں اس وقت ماہم کا سوٹ سی رہی تھی۔

"آنٹی! یہ سوٹ کب تک سل جائیں گے؟" فالس نے پوچھا۔

"کل تک ان شاء اللہ، یہ سوٹ سل جائیں گے۔" میری بات سن کر وہ بھاگ کر ماہم کے پاس گئی اور دونوں کھیلنے میں مگن ہو گئیں۔

اگلے دن جب فالس آئی تو میں نے اسے یہ سوٹ پہنایا، ماہم پہلے ہی سوٹ پہن چکی تھی، فالس پہلی مرتبہ شلوار قمیص پہن رہی تھی، اس لئے وہ کچھ جھجک رہی تھی، ماہم نے اسے کچھ دلاسہ دیا تو وہ پہننے پر رضا مند ہو گئی، شلوار قمیص میں وہ کوئی شہزادی لگ رہی تھی، اس کا گورا رنگ چمک اٹھا تھا اور کندھوں پر بکھرے سنہری بال اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے، بچی نے سوٹ پہن تو لیا تھا، لیکن انجانے اندیشوں سے میرا دل دھڑک رہا تھا، اگلے دن تو وہ نہ آئی، لیکن جب تیسرے دن آئی تو وہی انگریزی لباس میں ملبوس تھی، میرے پوچھنے پر بتانے لگی کہ ماما نے وہ سوٹ پہننے پر پہلے تو مجھے ڈانٹا، پھر سوٹ اتروایا اور کوڑے میں پھینک دیا۔

یہ سن کر میرا دل ٹوٹ سا گیا، میں نے بڑی محبت سے اس کے لئے یہ سوٹ بنایا تھا، اس کے بعد میں نے اس کے لئے کوئی چیز نہیں خریدی، دن تیزی سے گزرتے جا رہے تھے، بچے چھوٹی کلاسوں سے بڑی کلاسوں میں چلے گئے، اسی دوران ہم سب پاکستان کا ایک چکر بھی لگا آئے، ماہم اب مدرسے جانے لگی تھی، یہاں وہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔

جب سے ماہم مدرسے جانے لگی تھی، تب سے فالس کا ہمارے گھر آنا جانا تقریباً ختم ہو گیا تھا، ماہم نے بتایا تھا کہ فالس اب کالج جانے لگی ہے، ایک دن میں کسی کام سے سپر مارکیٹ گئی تو وہاں مجھے فالس نظر آئی، انگریزی لباس میں ملبوس وہ ایک لڑکے کے ساتھ کھڑی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی، مجھے افسوس ہوا کہ فالس بھی مغربی معاشرے کی بے حیائی میں بہہ گئی ہے، نجانے کیوں اسے اس طرح دیکھ کر میں اس کی ہدایت کی دعائیں کرنے لگ جاتی تھی، میرے دل کے گوشے سے آواز آئی تھی کہ کاش فالس مسلمان ہو جائے...... یہ اسلام قبول کر لے!!

یہ سردیوں کے دن تھے اور پاکستان سے میری بہنیں اور والدہ آئیں ہوئی تھیں، میں ان کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی کہ ڈور بیل بج اٹھی، میں اٹھ کر دروازے پر گئی تو فالس تھی، ایک لمحے کے لئے تو میں حیران رہ گئی اور اسے پہچان نہ پائی، اس نے ماہم کا پوچھا تو میں اسے اندر لے آئی، میری بہنیں اتنی خوبصورت اور جوان لڑکی کو حیران بھری نظروں سے تکنے لگیں۔

"آنٹی! ماہم کہاں ہے؟" سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ پریشان سی ہو گئی تھی۔

"بیٹا! وہ مدرسے گئی ہے...... کیا اس سے کوئی کام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی...... وہ دراصل میں کچھ اسلامی بکس لینا چاہتی تھی، پہلے میں نے سوچا کہ مارکیٹ سے لے لوں، پھر خیال آیا کہ آپ کے گھر بھی کافی بکس موجود ہیں، ماہم نے مجھے بتایا کہ بھائی ادھم اور حمدان کتابوں کے بڑے شوقین ہیں، وہ اکثر اسلامی بکس لاتے رہتے ہیں، کیا مجھے اسلامی بکس مل جائے گی؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"کیوں نہیں بیٹا، ضرور...... ایک منٹ ٹھہریں، میں لاتی ہوں۔" میں لپک کر دوسرے کمرے میں گئی اور الماری سے ایک کتاب نکال لائی۔

"آنٹی! بہت بہت شکریہ! میں چند دنوں میں یہ بک واپس کر جاؤں گی۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے گھر سے نکل گئی۔

"انیسہ! کون تھی یہ؟ کہاں سے آئی تھی؟ کیا اسے اردو بھی آتی ہے؟" فالس کے جانے کے بعد سب نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"یہ ماہم کی بچپن کی سہیلی تھی فالس...... قریب ہی گھر ہے اس کا، ہمارے ساتھ رہ کر اسے اردو بولنی ہی آ گئی ہے۔" میں نے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ماشاء اللہ! بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔" میری بہنیں اس کی تعریفیں کئے جا رہی تھیں۔

"بھئی باہر نکل کر دیکھو، یورپ اس قسم کے حسن سے بھرا ہوا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

کچھ دن بعد فالس آئی تو کچھ پریشان سی تھی، میں اس وقت گھر میں اکیلی تھی۔

"بیٹا! کیا بات ہے آپ پریشان لگ رہی ہو؟" میرا اتنا کہنے کی دیر تھی کہ اس کے آنسو چھلک پڑے۔

"آنٹی! میں ایک الجھن میں مبتلا ہوں، مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں کیا کروں؟ جب میں نے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا ہے تو میرے دل کی حالت ہی بدل گئی ہے، مجھے اپنا مذہب (یہودیت) اسلام کے سامنے مشکوک سا لگتا ہے...... میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ قرآن پاک ایک سچی کتاب ہے۔" اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو قرآن پاک کا ترجمہ کس نے لاکر دیا۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے کہ میں قرآن پاک کے ترجمے تک کیسے پہنچی...... میں آپ کو مختصر طور پر بتاتی ہوں۔" اس نے لمبا سانس لیا اور پھر کہنے لگی۔

"مغربی معاشرہ جیسا کہ آپ جانتی ہیں، انسان کی خواہشات کا مجموعہ ہے، میں بھی اس بے حیائی اور فحاشی کے سیلاب میں بہہ گئی تھی، میرا بھی ایک بوائے فرینڈ تھا، میں بھی کلبوں اور ڈانس پارٹیوں میں شرکت کرتی تھی، لیکن ایک بات میرے سینے میں بہت چبھتی تھی کہ یہ مسلمان ان کلبوں میں شرکت کیوں نہیں کرتے؟ کس چیز نے انہیں بے حیائی کے سیلاب میں بہہ جانے سے روک رکھا ہے؟ میں آپ کے گھر کے بارے میں بھی اکثر سوچتی تھی کہ ماہم بھی میری طرح ایک لڑکی ہے، آخر وہ میری طرح زندگی کو بھرپور انجوائے کیوں نہیں کرتی، کبھی بھائی حمدان اور ادھم کے چہرے یاد آتے، جو مجھے دیکھتے ہی جھک جاتے تھے تو کبھی آپ کا پرسکون چہرہ نگاہوں کے سامنے آتا تو میں سوچ میں پڑ جاتی کہ ان کے پاس وہ کون سی چیز ہے، جس کی وجہ سے وہ ہماری طرح کی آزادی نہ ہونے کے باوجود پرسکون رہتے ہیں۔ میں نے ڈانسوں میں بھی حصہ لیا، کلبوں میں بھی شرکت کی، اپنی زندگی کو بھرپور طریقے سے گزارا، لیکن جو مزہ اور سکون مجھے آپ کے گھر میں ملتا تھا، وہ سکون ان چیزوں میں نہ پا سکی...... بعض اوقات تو میں ماہم کو خوش قسمت خیال کرتی کہ اسے محبت کرنے والے والدین اور خیال رکھنے والے بھائی ملے ہوئے ہیں۔ بس یہی چیز تھی جو مجھے قرآن پاک کے ترجمے تک لے آئی، ترجمہ پڑھنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہ مسلمان اپنی قید کی سی زندگی میں اتنے خوش کیوں ہیں، ان کے بھائی اپنی گردنیں اسلام کی خاطر کٹوادینے کے لئے تیار کیوں رہتے ہیں، میں جان گئی تھی کہ جس قوم کا رشتہ اور تعلق اللہ اور رسول سے مضبوط ہوجائے، وہ کبھی نا امید نہیں ہوتے، بلکہ سکون وچین سے مالا مال ہوتے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی۔

"بیٹا! تمہارے خیالات جان کر بہت خوشی ہوئی ہے، اب تمہارا اسلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے کہا۔

"آنٹی! اسلام کے بارے میں، میں اتنا ہی کہوں گی کہ یہ انسان کے لئے ایک راہنما دین ہے۔ اچھا، اب میں چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی، میرے روکنے کے باوجود وہ تیزی سے گھر سے نکل گئی۔

"اللہ تعالیٰ! تو اسے ہدایت دے دے۔" میرے دل سے اس کے لئے بے اختیار دعا نکلی۔

☆......☆......☆

یہ ایک سرد دن تھا، ٹھنڈی ہوا نے ماحول مزید سرد بنا دیا تھا، میں اس وقت کمرے میں بیٹھی کتاب کا مطالعہ کررہی تھی جبکہ دوسرے کمرے میں ادھم اسٹڈی کررہا تھا، اس کا میڈیکل کا آخری سال چل رہا تھا، اتنے میں ڈوربیل بج اٹھی، ادھم دروازے پر گیا، میرا خیال تھا کہ اس وقت ادھم کا کوئی دوست آیا ہوگا، لیکن میرا اندازہ اس وقت غلط ثابت ہوا، جب اسلامی کپڑوں میں ملبوس ایک لڑکی ہلکی سی آہٹ کے ساتھ میرے کمرے میں داخل ہوئی، میں نے ذرا غور کیا تو وہ فالس تھی۔

"فالس! یہ تم ہو؟" اسلامی کپڑوں میں ملبوس دیکھ کر

میں نے بے اختیار کہا۔

"آنٹی! پہلی بات تو یہ کہ میرا نام فالس نہیں، بلکہ فاطمہ ہے اور دوسری بات یہ کہ میں اسلام قبول کرچکی ہوں۔" اس نے اپنا ہاتھ سلام کے لئے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بے اختیار اسے گلے سے لگالیا۔

"بیٹا! آپ کو بہت بہت مبارک ہو!" فرط مسرت سے میرے آنسو نکل آئے۔

"خیر مبارک آنٹی! اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں جلدی سے کچن کی طرف بڑھی اور کافی تیار کرکے لے آئی۔

"فاطمہ! تمہارے گھر والوں نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔" میں نے اس کی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"آنٹی! گھر والوں نے تو بے حد برا منایا اور بہت تنگ کیا، لیکن...... جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ یورپ میں 18 برس کے بعد فرد ہر قسم کے کاموں کے لئے آزاد ہوتا ہے، اگر کوئی اس پر ظلم کرے تو وہ آسانی سے قانون کا سہارا لے سکتا ہے، لہٰذا مجھے بھی مجبور ہوکر قانون کا سہارا لینا پڑا، اب میں اپنے گھر کی بجائے اسلامک سینٹر میں رہتی ہوں اور وہیں پڑھتی بھی ہوں۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"تو پھر آپ کا خرچہ وغیرہ؟" میں نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑا۔

"کھانا وغیرہ تو وہی دیتے ہیں، لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا کہ ان پر بوجھ بنوں، میں صبح کے ٹائم ایک جگہ پر ملازمت کرتی ہوں اور شام کو مدرسے میں دین کی تعلیم حاصل کرتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے کافی کا کپ پکڑلیا۔

"آنٹی! ماہم کہاں ہے؟" فاطمہ نے کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"ماہم مدرسے گئی ہے، اس کا آخری سال چل رہا ہے، اس لئے پڑھائی کی وجہ سے وہ دیر سے گھر لوٹتی ہے۔" میں نے کہا۔

"آنٹی! یہ میرا فون نمبر رکھ لیجئے، جب ماہم آئے تو میری بات کرادیجئے گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا، اس کے جانے کے بعد میں نے یہ خوشخبری ادھم کو سنائی، جسے سن کر وہ بہت خوش ہوا۔

☆......☆......☆

ایک دن میں لان میں گلاب کے پھولوں کی کیاریاں ٹھیک کررہی تھی کہ دروازہ زور زور سے بجنے لگا، میں نے جاکر دروازہ کھولا تو ایک انگریزن کھڑی تھی۔

"مجھے انیسہ سے ملنا ہے۔" اس نے کہا۔

"جی، میرا نام ہی انیسہ ہے۔" میں نے کہا تو اس نے ایک لفافہ میری طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے حیرت سے لفافے کو الٹ پلٹ کردیکھا۔

"آپ اسے کھول کر پڑھ لیں، آپ کو آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ فوراً دروازے سے ہٹ گئی، دروازہ لاک کرکے میں باہر کرسی پر ہی بیٹھ گئی اور لفافہ کھولنے لگی، اندر انگریزی میں مختصر سی عبارت لکھی ہوئی تھی، میں نے پڑھا تو لکھا تھا:

"میڈم انیسہ! آپ نے میری بیٹی کو گمراہ کردیا ہے، آپ نے اسے اپنے مذہب میں داخل کرکے اچھا نہیں کیا، میں آپ سے اتنا ہی کہتی ہوں کہ میری بیٹی کا پیچھا چھوڑ دیں، ورنہ میں کچھ بھی کرسکتی ہوں۔"

"فالس کی ماما......"

یہ پڑھ کر ایک لمحے کے لئے تو میں پریشان ہوگئی، لیکن اگلے لمحے میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، میں جانتی تھی کہ اسلام قبول کرنے پر ایسی دھمکیاں تو ملا ہی کرتی ہیں، شام کو جب سب گھر والے اکٹھے ہوئے تو میں نے وہ خط انہیں دکھایا، خط پڑھنے کے بعد ابو حمدان کہنے لگے۔ "مجھے اس خط سے خطرے کی بو آرہی ہے، اب بہتر تو یہ ہے کہ آپ فاطمہ کو گھر آنے

سے روک دیں۔"

"لیکن ابا جان! ہمیں اس مشکل میں اس کی مدد کرنی چاہئے، اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہئے۔" تینوں بچے بول اٹھے۔

"بچوں! میں نے یہ نہیں کہا کہ اسے اکیلا ہی چھوڑ دو، میں نے صرف اتنا کہا ہے کہ اسے اپنے گھر آنے سے منع کردو، ورنہ معاملہ بگڑ سکتا ہے، ہاں! اگر وہ آپ سے ملنا چاہے تو آپ اسلامک سینٹر جا کر اس سے مل سکتے ہیں...... بہرحال ہمیں احتیاط سے کام لینا ہوگا۔" ابو حمدان کی بات سن کر مجھے قانون کا خیال آیا، لیکن اگلے لمحے ہی یہ خیال آیا کہ قانون اگرچہ سب کے لئے ہے، لیکن اس نازک معاملے میں یہ لوگ قانون کو بالا طاق رکھتے ہوئے کچھ بھی کرسکتے ہیں، لہٰذا میں نے ابو حمدان کی بات سے اتفاق کرلیا، کچھ دنوں بعد میں اور ماہم، فاطمہ سے ملنے گئے تو وہ مجھے پریشان سی لگی، میرے پوچھنے پر کہنے لگی کہ آنٹی! میرے گھر والے مجھے بہت تنگ کررہے ہیں، میری وجہ سے بے چارے مدرسے والے بھی پریشان ہیں، میں سوچ رہی ہوں کہ یہاں سے نکل کر کہیں اور چلی جاؤں۔" میں اسے دلاسا دے کر واپس آگئی، لیکن انجانے خوف سے میرا دل بھی دھڑک رہا تھا، پھر ایک خیال کے آتے ہی میری آنکھیں چمکنے لگیں، اگر ایسا ہوجاتا، جیسا کہ میرا خیال تھا تو فاطمہ کی مشکل حل ہوسکتی تھی۔

جب میں نے اپنا خیال ابو حمدان کے سامنے رکھا تو کچھ دیر تو وہ سوچ میں ڈوبے رہے، پھر گویا ہوئے۔

"اہیہ! ایسا کرکے ہم بری طرح پھنس جائیں گے، اس کے گھر والوں کو ہم پر ظلم کرنے کا موقع مل جائے گا، بہتر تو یہ ہے کہ اس کی شادی کسی نومسلم انگریز سے کرائی جائے۔"

"لیکن کسی نومسلم سے شادی کرکے بھی وہ چین سے نہیں بیٹھ پائے گی، جبکہ ہم ادھم سے اس کی شادی کرکے اسے پاکستان بھی لے کر جاسکتے ہیں، پاکستان جاکر وہ آسانی سے سکون کی زندگی گزار پائے گی۔" میں نے ابو حمدان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ویسے بات تمہاری ٹھیک ہے، تم اس سے بات کرکے دیکھ لینا۔" یہ کہہ کر انہوں نے بات سمیٹی۔

پہلے تو میں نے ادھم سے بات کی، اس کی اجازت لینے کے بعد میں مدرسے جا پہنچی، پہلی نظر میں تو میں اسے پہچان نہ پائی تھی، اس کا گورا رنگ زرد سا ہوگیا تھا اور آنکھوں میں وہ پہلی سی چمک بھی کہیں رخصت ہوگئی تھی۔ جب میں نے شادی کی بات اس کے سامنے رکھی تو کچھ دیر تو وہ خاموش رہی، پھر اچانک مجھ سے لپٹ گئی۔

"آنٹی! ان حالات میں مجھے آپ لوگوں کی بہت ضرورت ہے، میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔" یہ بات سن کر میرا دل خوشی سے جھوم اٹھا اور کچھ ہی دنوں بعد وہ دلہن بن کر میرے آنگن میں اتر آئی، زیادہ وقت تو وہ میرے ساتھ گھر پر ہی گزارتی تھی، کبھی کبھی وہ ماہم کے ساتھ مدرسے چلی جاتی تھی، وہ میرے ساتھ بڑے اچھے طریقے سے رہتی اور باتوں میں اکثر پاکستان کی تعریف کرتی رہتی اور پاکستان جانے کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کرتی۔

پاکستان تو میں بھی جانا چاہتی تھی، عارضی طور پر نہیں بلکہ مستقل طور پر، کیونکہ بچے بڑے ہوچکے تھے، ان کی شادی کا بھی مسئلہ تھا، ان کی شادی میں اپنے خاندان میں کرنا چاہتی تھی، اسی لئے وقفے وقفے سے میں ابو حمدان کو پاکستان سٹل ہوجانے کا کہا کرتی تھی، ابو حمدان یہ کہہ کر ٹال جاتے کہ کاروبار کو پاکستان میں سٹل کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، وہ جلد ہی ہمیں پاکستان لے جانا چاہتی تھی، دراصل ہوا کچھ یوں کہ ایک دن میں گھر میں اکیلی بیٹھی کپڑے سی رہی تھی جبکہ ماہم

اور فاطمہ مدرسے گئی تھیں، حمدان گھر پر ہی تھا کہ اچانک دروازہ زور زور سے بجنے لگا، حمدان نے جاکر دروازہ کھولا تو پولیس کے آدمی گھر میں داخل ہوگئے، ان کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا، شکل و صورت سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ فاطمہ کے بابا ہیں، پہلے تو انہوں نے حمدان سے الٹے سیدھے سوال کئے اور پھر سارے گھر کی تلاشی لینے لگے، مجھے دیکھتے ہی وہ آدمی پولیس والوں سے بلند آواز میں کہنے لگا۔

"یہی ہے وہ عورت، جس نے میری بیٹی کو گمراہ کیا ہے۔" ایک لمحے کے لئے میرا دل ڈوبنے لگا کہ یہ جو اتنے غصے میں ہے، مجھ پر حملہ ہی نہ کر بیٹھے، وہ تو شکر ہے کہ پولیس والوں نے مجھے کچن میں بند کردیا اور سارے گھر کا سامان الٹنے پلٹنے لگے، کافی دیر بعد جب وہ خالی ہاتھ گھر سے نکلے اور حمدان نے کچن کا دروازہ کھولا تو میں نے سکھ کا سانس لیا وہ تو شکر ہے کہ فاطمہ گھر پر نہیں تھی، ورنہ وہ فاطمہ کو ساتھ بھی لے جاسکتے تھے۔

رات کو جب سارے اکٹھے ہوئے اور حمدان نے ساری بات بتائی تو سب ہی سوچ میں پڑ گئے، سب سے زیادہ پریشان فاطمہ تھی۔

"حمدان کہنے لگا کہ ہمارا یہاں مزید رہنا خطرے کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ وہ دوبارہ بھی آسکتے ہیں۔" حمدان کی بات درست نکلی، کچھ دن بعد پولیس والے دوبارہ آدھمکے، اس مرتبہ فاطمہ بھی گھر پر ہی تھی، دروازہ کھولنے سے پہلے میں نے اندازہ لگایا کہ پولیس والے ہیں، میں نے فوراً فاطمہ کو دوسرے دروازے سے باہر بھیج دیا اور اسے تلقین کی کہ وہ مدرسے چلی جائے، اس مرتبہ بھی انہیں خالی ہاتھ جانا پڑا، لیکن جاتے جاتے وہ آدمی مجھے غلیظ گالیاں دے گیا، اب یہاں رہنا ہمارا دوبھر ہوگیا تھا، اس لئے پاکستان جانے کا ارادہ کرنا ہی پڑا، ابو حمدان نے جیسے تیسے کرکے اپنی ورک شاپ اونے پونے داموں بیچی اور ہم پاکستان آگئے۔ یہاں ہمارا اپنا ہی الگ گھر تھا، لہٰذا رہائش کا کوئی مسئلہ نہ تھا، ہم خالی ہاتھ ہی پاکستان پہنچے تھے، لیکن پہلے سے بینک میں موجود رقم نے ہمیں دوسروں کے آگے ہاتھ ہاتھ پھیلانے سے بچالیا تھا، پھر بھی رشتہ دار ابو حمدان کی کاروبار سیٹ کرنے میں بھرپور مدد کررہے تھے، ادھم کو جلد ہی ایک اسپتال میں نوکری مل گئی جبکہ حمدان کی ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت کے لئے ہمیں کچھ انتظار کرنا پڑا۔

جلد ہی میں نے حمدان اور ماہم کی شادی سادگی کے ساتھ اپنے خاندان میں کردی...... فاطمہ یہاں آکر بہت خوش تھی، کبھی کبھی تو وہ میرے رشتہ داروں کے بے پناہ پیار و محبت سے گھبرا سی جاتی تھی اور کہتی تھی۔

"امی جان! آپ مشرقی لوگ کس قدر خوش قسمت ہیں کہ آپ پیار و محبت کرنے والے خاندان سے جڑے رہتے ہیں، آپ لوگوں کا کوئی بھی کام بغیر مشورے سے نہیں ہوتا بلکہ سب ہی ایک دوسرے کی عزت کرتے ہیں۔"

میں اس کی بات سن کر مسکرا اٹھتی تھی، شادی کے دو سال بعد اس کی پیاری سی، گول مٹول، نیلی آنکھوں والی بیٹی پیدا ہوئی تو میں نے اور میری چھوٹی بہنوں نے اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اس خدمت سے وہ دل سے ہم سب کی معترف ہوچکی تھی اور اکثر شریر لہجے میں کہا کرتی۔

"یہ مغربی نام نہاد ادارے جو حقوق نسواں کا شور مچاتے ہیں اور مشرقی معاشرے کو بدنام کرتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں خود کو بطور نمونہ پیش کروں اور کہوں کہ اگر تم لوگ پیار و محبت والی بہترین زندگی گزارنا چاہتے ہو تو مشرقی لوگوں سے شادی کرو۔ کیونکہ یہ لوگ پیار و محبت کی زنجیر میں اس قدر جکڑے ہوئے ہیں کہ مغربی لوگ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔"

☆......☆......☆

یادیں

اقرا بنت محمد احمد



کچھ رشتے خونی اور نسبی نہ ہونے کے باوجود بہت قیمتی اور معتبر ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات خونی رشتوں سے بھی بڑھ کر اہم ہوجاتے ہیں، انہی رشتوں میں سرفہرست رشتہ جو بہت پاکیزہ، معصوم، مضبوط اور بہت قیمتی ہے، وہ استاد شاگرد کا رشتہ ہے، جو ہر قسم کے ذاتی مفاد سے پاک، ایک روحانی رشتہ ہے، یہی وجہ ہے کہ استاد کبھی اپنے شاگرد کو نہیں بھول سکتے اور شاگرد اپنے استاذ کو بھول جائے، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا...... اللہ رب العزت کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بھی اس عظیم رشتے سے نوازا ہے، الحمدللہ تمام معلمین و معلمات بہت ہی شفیق و مہربان ملے، ان ہی میں سے ہماری نگران شائستہ باجی اور میری عزیز ترین باجی سلمٰی باجی جان ہیں۔ میری دونوں باجیوں کو اللہ رب العزت نے نا صرف حسین صورت بلکہ حسین سیرت سے بھی نوازا ہے...... یہ 2010ء گرمیوں کے دنوں کی بات ہے جب میں اور میری بہن امی کے ساتھ تجوید کے سلسلے میں مدرسے میں آئے، دنیاوی تعلیم تو ہم نے حاصل کرلی تھی، لہٰذا میں نے میٹرک اور بہن نے انٹر کے بعد دنیاوی تعلیم کو خیر آباد کہا اور مدرسے میں قرآن پاک تجوید سے پڑھنے آگئے۔ یہاں پر نگران باجی اور سلمٰی باجی سے پہلی بار ملاقات ہوئی، پہلے ہی دن نگران باجی کے مختصر بیان کا یہ اثر ہوا کہ ہمارا پہلا اور آخری یہی فیصلہ تھا کہ جانا ہے تو بس یہیں جانا ہے اور یوں ہمارا داخلہ ہوگیا، نگران باجی ہمیں تجوید پڑھاتیں اور سلمٰی باجی سے ہم نے اپنی خواہش کا اظہار کرکے عربی سیکھنی شروع کی، میری دونوں معلمات کو اللہ رب العزت نے گفتار کا غازی بھی بنایا ہے، نگران باجی کے درس و بیانات کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ آئے تو ہم تجوید کے لئے تھے لیکن اگلے ہی سال یعنی 2011ء میں ہم نے باجی کی دعاؤں اور ان کی کوششوں سے چار سالہ عالمہ کورس میں داخلہ لے لیا اور یوں اپنی معلمات سے کبھی نہ ٹوٹنے والا بہت مضبوط استاد و شاگرد کا رشتہ جڑ گیا، نگران باجی اپنی مثال آپ ہیں، بہت خوش اخلاق و مہربان لیکن بارعب شخصیت ہیں، بارعب ہونے کے باوجود ہم نے کبھی انہیں غصے میں نہیں دیکھا، پہلے سال میں بہت شفقت سے بہشتی زیور پڑھائی، ابتدائی طالبات ہونے کی وجہ سے ہمارے ذہنوں میں سوالات کے انبار ہوتے تھے، جن میں کچھ ایسے بھی کہ سننے والا اکتا جائے، لیکن نگران باجی نے کبھی اکتاہٹ کا اظہار بھی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ بہت محبت سے تسلی بخش جواب دیا، نگران باجی نا صرف فقہ پڑھاتی تھیں بلکہ اللہ رب العزت نے درس و بیان کا سلسلہ بھی ان سے جوڑے رکھا، نگران باجی کا ہماری کلاس میں صرف ایک ہی گھنٹہ تھا مگر ہمارے سوالات اور درس و بیان کی وجہ سے ہم کافی دیر انہیں اپنی کلاس میں روک لیتے تھے، باجی نا صرف ذریعہ علم تھیں بلکہ عمل کی طرف بھی ابھارتی تھیں، فرائض و نوافل، دعائیں، تسبیحات، نفلی روزے، صدقہ کرنے کی ترغیب، جھوٹ، غیبت، چغلی سے بچنا وغیرہ ان سب پر بہت پابندی سے عمل کرواتی تھیں، لیکن اچھے لوگوں کی محبت بہت مشکل سے نصیب ہوتی ہے اور ان کی رفاقت میں آزمائشیں بھی آتی ہیں، ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ وفاق کے امتحان سے پہلے ہی نگران باجی کی شادی ہوجانے کی وجہ سے ہم مزید ساتھ نہ رہ سکے، جس کا بہت دکھ تھا، اس دن تمام طالبات بہت اداس اور غمگین تھیں، لیکن باجی ہمت کا پہاڑ بن کر سب کو حوصلہ دے رہی تھیں، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہماری نگران باجی کو خوش و خرم رکھے۔ (آمین)

جدائی کا غم نہ کرنا فقط اتنا خیال رکھنا
نئے آنے والوں میں ہمیں فراموش نہ کرنا

نگران باجی کے جانے کے بعد محبت و شفقت، عجز و انکساری کا پیکر سلمٰی باجی جان سے ہمارا درس و بیان کا سلسلہ جڑا، ویسے تو ہر جمعرات کو مدرسے میں مختلف اساتذہ کا بیان ہوتا تھا مگر روز بیان کا سلسلہ باجی جان سے جڑا ہوا تھا، باجی جان ہمیں علم النحو، تجوید قرآن پاک کے ساتھ ساتھ عربی کی کتاب لسان القرآن بھی پڑھاتی تھیں، ہم تو چاہتے تھے کہ باجی ہماری کلاس سے نہ جائیں لیکن ایسا ممکن نہیں تھا کیونکہ دوسری کلاسوں میں بھی گھنٹہ لینا ہوتا تھا، باجی جان نے ہماری تربیت میں بھی بہت محنت کی، ہر چیز کا سلیقہ سکھایا، یہاں تک کہ استاذ کو قلم کس طرح دینا ہے یہ تک سکھایا، باجی جان خود بھی بہت صبر اور برداشت کرنے والی تھیں اور ہمیں بھی اسی کی نصیحت کرتی تھیں، وہ اکثر کہتی کہ ”جو خاموش رہا اس نے نجات پائی“ اس حدیث پر عمل کریں، ہمیشہ کامیاب رہیں گی، طالبات کو باجی جان سے بہت محبت تھی، جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ باجی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے مدرسہ نہیں آئیں، ایک ہفتہ گزر گیا، تمام طالبات بہت پریشان ہوئیں، انٹر کام کی ایک آواز پر سب طالبات فوراً آتیں کہ شاید باجی آگئیں، لیکن اس وقت بہت مایوس ہوجاتیں جب باجی کو نا پاتیں، یہ تو بس ایک واقعہ ہے جو میں نے آپ سے شیئر کیا، ورنہ میرے پاس تو یادوں کے خزانے ہیں، جن میں بخاری شریف کی تقریب کی یادیں بہت سہانی ہیں، ویسے تو باجی کے ساتھ گزرا ایک ایک دن ہی ہمارے سنہرے دنوں میں سے ہے لیکن تکمیل بخاری شریف کی یادیں بہت یادگار ہیں، ہم ابتدائی طالبات تھے، اس لئے اپنی عالمیہ کی طالبات کی تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے اور باجی جان ہمارا حوصلہ بڑھا رہی تھیں، مدرسے کی صفائی، تقریب کے لئے شیٹس تیار کرنا، نعتیں، نظمیں، تقاریر، غرض ہر چیز میں آگے آگے تھے، دورۂ حدیث کی طالبات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب بنوانے کی فرمائش کی، یہ محترم فرمائش بھی ہمارے حصے میں آئی، لہٰذا باجی کا حکم ہوا کہ کل یہ تیار ہوجانا چاہئے، ہم نے پہلے کبھی شجرہ نسب دیکھا بھی نہیں تھا لیکن خیر باجی جان کا حکم تھا اور ہمارے لئے پتھر کی لکیر، لہٰذا گھر آکر فوراً بھائی سے کہہ کر نیٹ سے شجرہ نسب کی تصویر نکلوائی اور موبائل میں ڈلوائی، پھر راتوں رات اسے تیار کیا، کیونکہ لائٹ بھی ہمیں آزمانا چاہتی تھی، اسی لئے پوری شیٹ ہم نے موبائل سے دیکھ کر تیار کی اور صبح باجی کی خدمت میں پیش کی، جس کو باجی جان نے بہت سراہا، یوں ہمیں اپنی محنت کا صلہ ملا، تقریب کے لئے باجی جان نے ہمیں ایک تقریر دی۔ ”ختم نبوت“ جس کی

تیاری بھی باجی جان نے ہی کروائی، بہت ہی زبردست تقریر تھی، اس کی تیاری میں بھی بہت مزہ آیا، تقریر کی تیاری کے وقت، بس ہم اور ہماری تقریر ہوتے اور باآواز بلند شروع ہو جاتے، لیکن تب، جب کسی استاد کا گھنٹہ نہیں ہوتا، بخاری شریف کی تقریب کا دن ہمارے لئے بہت ہی یادگار ہے ہر لحاظ سے۔

یا رب نگاہ بد سے بچائیوں اس حسین محفل کو
بلبل بہت خوش ہیں دیکھ کر ان پھولوں کو باغ باغ

لیکن ان حسین دنوں کو یادوں میں بدلنا تھا سو بدل گئے اور پھر پہلا سال بہت سی یادوں اور کچھ اپنوں کی جدائی دے کر گزر گیا اور ہم وفاق میں نمایاں کامیابی کے ساتھ درجہ خاصہ میں پہنچ گئے یہاں بھی اپنی عزیز ترین باجی جان کا ساتھ رہا، لیکن طبیعت کی ناسازی اب باجی کو مزید اجازت نہیں دے رہی تھی، لہٰذا مدرسہ چھوڑنے سے کچھ پہلے باجی استعفیٰ لکھ کر ناظم صاحب کو دینا چاہ رہی تھیں، اس وقت وہ درجہ عالمیہ میں پڑھا رہے تھے، جب طالبات کو پتہ چلا کہ باجی جان استعفیٰ دے رہی ہیں تو سب طالبات عالمیہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئیں اور باجی سے استعفیٰ نہ دینے کی درخواست کرنے لگیں اور جب تک ناظم صاحب چلے نہ گئے، ہم نے باجی کو جانے نہیں دیا، یہ باجی سے محبت ہی تھی جو ہم ان کے جانے کے تصور سے ہی کانپ جاتے تھے، حالانکہ باجی جان کی طبیعت کی ناسازی کا ہمیں علم تھا اور ہم باجی جان کا بہت خیال رکھتے تھے، لیکن خدا کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے، لہٰذا 29 اکتوبر 2011ء کی صبح ہمارے لئے بہت غمگین ثابت ہوئی، اس دن ہم اپنی باجی جان سے آخری ملاقات کر رہے تھے، آج باجی استعفیٰ دے رہی تھیں۔

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
کوئی چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

مجھے وہ دن بہت اچھی طرح یاد ہے، ہر آنکھ پرنم، ہر چہرہ پریشان اور غمزدہ تھا، ہر طالبہ بہت روئی اور میرا جو حال تھا وہ صرف میرا خدا ہی جانتا ہے، ہمیں باجی جان سے بے حد محبت تھی، ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

انہیں ڈھونڈتی ہیں نگاہیں ہماری
جو خود چھپ گئے ساری محفل سجا کے
وہ اٹھے تو افسردگی چھائی ایسی
دیے بزم کے بجھ گئے جھلملا کے

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ میری سلمیٰ باجی جان اور نگران باجی کو صحت اور خوشیوں والی زندگی نصیب کرے اور تمام معلمین و معلمات کو آخرت میں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

معلمات تو گزر ہی جائیں گی ہر منزل غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا
آتی رہے گی سدا ان کے انفاس کی خوشبو
مدرسہ ان کی یادوں سے مہکتا ہی رہے گا

☆......☆......☆

خدا کی خلافت والا جوہر

انسان کا ضروریات کو پورا کرنا صفتِ حیوانیت کے تقاضے کی وجہ سے ہے اور اس کا عبادت کرنا فرشتوں سے مشابہت کی وجہ سے ہے اور اس کا اخلاق برتنا خدا کا خلیفہ ہونے کی وجہ سے ہے، اخلاق دنیا کے ہر آدمی کو مرغوب اور محبوب ہیں، چنانچہ اخلاق کی طرف پوری دنیا کا سرنگوں ہوتا ہے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم ہو یا دہریہ ہو۔

دنیا کے انسانوں کو حیوانیت سے نکال کر عبادت کے ذریعے فرشتوں کی جماعت میں لا کر عبادات میں طاقت پیدا کر کے اخلاق تک پہنچانا اور خدا کا خلیفہ بنانا، یہ نبیوں والی نعمت ہے جس کا حصول دعوت دین کے ذریعہ ہوگا، انبیاء کرامؑ نے انسانوں کو حیوانیت سے نکال کر عبادت کے ذریعہ اخلاق تک پہنچایا اور خدا کی خلافت والے جوہر ان میں اجاگر فرمائے۔



گھر کہانی

اجنبی لوگ

اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی

کافی دیر سے میرے سامنے سے وہ عورت گزر رہی تھی، کبھی بچی کو پانی دیتی تو کبھی اپنی بہن کو دیتی، باہر اٹھا کر لے جاؤ رو رہی ہے، اب مجھے یاد آیا، یہ خالہ حلیمہ کی بیٹی ہے، جو امی جی کی سہیلی تھی اور خالہ حلیمہ اکثر ہمارے گھر آتی تھی، ہم بھی کھیلنے چلے جاتے تھے ان کے گھر، پھر خالہ حلیمہ دوسرے گاؤں شفٹ ہو گئی تھی، امی نے بتایا تھا، خالہ کے شوہر نے دوسرے گاؤں میں مسجد بنائی ہے، تو اب وہ ہمیشہ کے لئے شفٹ ہو گئے، خالہ حلیمہ کے آٹھ بچے تھے، بڑی دو جوان بیٹی تھی، پھر چار لڑکے تھے، آخر میں دو چھوٹی جڑواں بچیاں تھی، جو اس وقت ایک سال کی ہوں گی، پھر کبھی ہم خالہ حلیمہ کو نہ دیکھ سکے، شاید ان کا گاؤں دور تھا، جہاں وہ آباد ہوئے یا پھر مصروفیات کی وجہ سے وہ نہ آسکی تھی، ہم جب دسویں کلاس میں تھے اور لڑکا بھی نوکری کرتا تھا، سنا تھا وہ پہلے بھی شادی کر چکا تھا، مگر بیوی سے بن نہ سکی، پانچ سال کے بعد طلاق دی تھی، اب دوسری شادی ہماری کزن سے طے ہو چکی تھی، بارات کا دن آیا، ہم بھی تیار ہو کر دلہن کے پاس تھے، جب خالہ حلیمہ کو دیکھا جو آٹھ سالوں میں کافی کمزور تھی، امی نے فوراً خالہ حلیمہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی، ہمارا گھر بھی ساتھ تھا، امی اور خالہ تو گھر چلی گئی تھی اور میرے سامنے وہ عورت تھی جو خالہ حلیمہ کی بیٹی لگتی تھی، میں نے جب دیکھا وہ اب اکیلی ہے تو اس کے پاس چلی گئی، سلام کے بعد پوچھا، آپ خالہ کی بیٹی ہیں تو وہ اثبات میں جواب دے کر پوچھنے لگی، تم مریم ہو، جی جی، میں نے خوش ہو کر کہا، بڑی ہو گئی ہو پہلے تو بچی تھی، جب دیکھا تھا آپ شام کو اداس تھی، میں نے کہا، خالہ حلیمہ نے کچھ کہا ہے، بولی ہاں، وہ بہت پریشان تھی، پھر اس طرح سنائی داستان۔

خالہ حلیمہ کی بڑی بیٹی کا رشتہ باپ نے اپنے قریبی دوست کے اصرار پر طے کر دیا تھا اور لڑکا نوکری کرتا تھا، باادب تھا، مگر شادی کے معاملے میں باپ سے کہا کہ شادی اپنی مرضی سے کرے گا، مگر باپ نے کہا، میرے دوست کی بیٹی ہی میرے گھر کی بہو بنے گی، تم انکار نہ کرو، تو خالد نے باپ اور ماں کے اصرار سے میری بیٹی سے شادی کی، لیکن وہ دل سے راضی نہ تھا، شاید وہ کبھی بھی میری بیٹی حمیرا سے بات نہ کرتا، حتیٰ کہ گھر سے باہر رہنے لگا، کبھی دو ماہ بعد آتا بھی تو اپنی ماں سے مل کر جاتا تھا، باپ سے کہتا کہ تمہاری پسند کی ہے، بہو اب گھر اسی

طرح آباد ہوگا، بھلا ماں باپ بھی اچھی طرح کھانا، کپڑا اور سامان سب دیتے، خیال رکھتے بہو کا، مگر خالد نے گویا حمیرا سے بات تک نہ کی، آخر سب لوگ باتیں کرنے لگے، خالد کا زبردستی نکاح ہوا، وہ راضی نہ تھا، جب کیوں رشتہ طے ہوا تھا، آخر ماں باپ کی باتیں دکھ درد کو دیکھ کر خالد نے ایک ماہ چھٹی لی، گھر میں رہنے لگا، حمیرا ابھی دو سال بعد کچھ خوش نظر آئی تھی، مگر خالد پھر چلا گیا تھا، حمیرا نے چند دن بعد بتایا، وہ ماں بننے والی ہے، تو سب خوش تھے، خالد اب بچہ سے خوش ہو کر گھر بسانے کی کوشش کرے گا، مگر جب بچی پیدا ہوئی، دو سال بعد خالد گھر کی طرف واپس آیا اور حمیرا کو طلاق دے دی، اب حمیرا کا قصور کیا تھا، جو اپنے بھی بیگانے بن گئے، بچی کا خرچ وہ کپڑے سی کر کرتی ہے، مگر گھر کے افراد ہی اس کو ماں باپ کے گھر رہنے نہیں دیتے، جیسے وہ کوئی اجنبی ہو، بھائی طعنہ دیتے ہیں بچی کو کیوں لائی ہو، بچی ان کو واپس کرو اور حمیرا اپنی بچی سے جدا رہ نہیں سکتی، سب کھانا کھا کر آخر میں بچا ہوا حمیرا اور بچی کو دینا پسند کرتے، میں کیا کروں، بیٹے مجھے بھی حمیرا کی مدد کرنے پر باتیں سناتے ہیں، سب بچیوں کو گھر میں رکھنا، حمیرا کی طرح اب کیا کروں، حمیرا خاموشی سے گھر کے سارے کام کر کے لوگوں کے کپڑے سی کر بچی کی دوا لیتی ہے، یا کھانے کی کوئی چیز لیتی ہے، مگر وہ مسلسل باتوں کے طعنہ بھی سن لیتی ہے، اب وہ باپ بھی کہتا ہے، حمیرا تیرا خرچ دوں یا تیری بیٹی کا، میرے سات بچے اور بھی ہیں، کس طرح کماؤ تمہارے لئے، اب خالد نے دو ماہ بعد ہی دوسری شادی کر لی تھی، وہ اب بڑا خوش ہے، مگر اپنی بیٹی کا کبھی خیال نہ کیا کہ خرچ کچھ دیا کروں، اب خالد کے ماں باپ تو دوسرے بیٹے کے ساتھ شہر چلے گئے، کبھی آتے بھی نہیں جو خرچ دیں، اب میری دو بیٹیاں ابھی کنواری ہیں، ان کی فکر کروں یا حمیرا کی، بس یہ سوچ مجھے کمزور کر رہی ہے، ماں باپ کی بھی خواہش ہوتی ہے بچے اپنے گھروں میں

والدین کے ساتھ حسن سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھائی کا حکم دیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور والدین سے حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہیں، نہ ان کو جھڑکو اور اُن سے احترام و عزت سے بات کرو اور اُن کے سامنے اپنے کندھے جھکائے رکھو اور یہ کہو کہ پروردگار ان پر رحم کیجیے۔ جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن کی حالت میں پالا تھا۔ حدیث شریف میں ہے، ماں باپ کو محبت کی نظر سے دیکھنے کا ثواب مقبول حج اور عمرہ کے برابر ہے۔

☆......☆......☆

پڑوسی کے حقوق

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اگر پڑوسی بھوکا ہو تو اس کو کھانا کھلانا فرض ہے۔

☆......☆......☆

خوش اخلاقی کے متعلق احکامات

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن مومن بندے کے ترازو میں خوش خلقی سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش گو اور بے ہودہ شخص کو سخت ناپسند فرماتے ہیں۔

☆......☆......☆

آباد ہو کر سکون کی زندگی گزاریں، مگر جب مقدر بچوں کا برا بن جائے تو دکھ درد ماں کو ہی ہوتا ہے، خالہ حلیمہ کی کہانی سن کر بڑا دکھ ہوا، اب قصور کس کا ہے، خالد کا یا خالد کے باپ کا یا حمیرا کا یا حمیرا کے باپ کا یا بچی کا۔

☆......☆......☆

یادیں ان کی دل میں رہیں گی



بنت محمد اشفاق

جمعرات کی شام غم لے کر آئی تھی، اس کا اندازہ صرف جامعہ کی طالبات کو ہی تھا، اس دن ہمارے وفاق کے پیپر ختم ہوئے تھے اور جامعہ کے سالانہ پیپروں کا نتیجہ سنایا گیا تھا، ایک طرف اچھا رزلٹ آنے کی خوشی تھی تو دوسری طرف ایسا غم تھا کہ جس کو بتاتے ہوئے ہماری زبانیں گنگ اور قلم خشک ہو جاتے ہیں۔ ہمارے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ دن بھی ہمیں دیکھنا پڑے گا، اس وقت جب غم کی گھٹا چھائی ہوئی تھی، اچانک میرا ذہن ماضی کی یادوں میں کھو گیا۔

☆......☆......☆

امی یہ دیکھیں، اخبار میں آیا ہے کہ پرسوں جامعہ حمیرۃ للبنات میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہو رہی ہے اور اس دن جامعہ کی انچارج معلمہ باجی رضوانہ کا بھی فون آیا تھا، وہ بھی دعوت دے رہی تھیں کہ جلسہ پر آنا ہے آپ لوگوں نے، ابو سے آپ کہئے گا کہ ہمیں لے چلیں جلسے پر، اور جب جانے کی اجازت مل گئی تو ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، اگلا سارا دن میرا اپنے خاندان کی تمام عورتوں کو یہ اطلاع دیتے گزرا کہ کل جامعہ حمیرۃ للبنات میں جلسہ ہے تو آپ لوگوں نے بھی ہمارے ساتھ جانا ہے، اللہ اللہ کر کے اگلا دن آیا اور ہماری رشتہ دار جن عورتوں نے جانا تھا، ساری صبح صبح ہمارے گھر جمع ہو گئیں اور تقریباً آٹھ بجے ہم سب روانہ ہوئے،

کیونکہ ہم گاؤں میں رہتے تھے اور ادھر نہ ہی کوئی جامعہ تھا اور نہ ہی کبھی کوئی دینی اجتماع ہوا تھا عورتوں کا، اب پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تھی اس نورانی مجلس میں شرکت کی، جب ہم جامعہ پہنچے تو وہاں کا ماحول تلاوت کلام پاک سے معطر تھا، جس سے تقریب کی ابتدا ہو رہی تھی، وہاں پر ہم نے سب کو ہی علم، عمل، ممتاز اخلاق و کردار اور مثالی کمالات و فضائل سے آراستہ پایا، وہاں کی معلمات میں ہم نے وہ چیز دیکھی جس سے مردہ دلوں میں روح پھونکی اور از سر نو جان ڈالی جاتی ہے۔

وہاں کی ایک طالبہ کی شخصیت بہت چھا جانے والی تھی، اپنے عمل کی بدولت وہ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئی تھی۔

محبت کی پیکر شرافت کا مظہر
سخن اس کا شیریں حیا اس کا جوہر

کا مصداق تھی وہ طالبہ، پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ درجہ عالیہ کی طالبہ بنت عبدالطیف ہے۔

☆......☆......☆

باجی السلام علیکم! وعلیکم السلام! جواب دیتے ہوئے جب باجی نے اپنا چہرہ اوپر کیا تو یہ دیکھتے ہوئے میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی، کیونکہ یہ وہی نورانی چہرہ تھا جس کو دو سال پہلے ہم نے جلسہ پر درجہ عالیہ کی طالبہ کے روپ میں دیکھا تھا اور آج دو سال بعد جب میں داخلہ لینے آئی تھی جامعہ میں تو وہی طالبہ جامعہ کی بڑی باجی بن چکی تھیں، کچھ دن گزرنے پر ہی یہ بات عیاں ہوگئی کہ یہ باجی ظاہری اور باطنی خوبیوں اور کمالات کی پیکر، بہترین صفات و حسنات کا مجموعہ، شریعت پر کاربند اور علم و عرفاں اور رشد و ہدایت سے مزین ہیں، بہت زیادہ پیار کرنے والی، بہت مہربان اور شفیق ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک قدرتی رعب عطا فرمایا ہے کہ اتنی مہربان ہستی جنہوں نے ہمیں کبھی ڈانٹا نہیں تھا، پھر بھی ان سے ڈر لگتا ہے، وہ ایسے ہیں گویا:

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

وہ واقعی میں انبیاء کی وارث کہلانے کی حقدار ہیں، سچ کی پرستار اور دوسروں کو بھی حقیقت بتانے والی ہیں۔

ہے حقیقت بس وہی جو تونے کردی تھی عیاں
اور سب کچھ وقت کی آنکھوں میں تھا مثل سراب

ہماری الحمدللہ تمام معلمات باجیاں اور اساتذہ کرام ایسے ہیں کہ ان کی صحبت اور نشست و برخاست میں بھی طالب علم و عمل کو بہت کچھ حاصل ہو جاتا ہے، یہ ہمیشہ چہرے پر مسکراہٹ سجانے والے ہیں کہ:

اہل دل شدت غم سے کہیں گھبراتے ہیں
اوس پڑتی ہے تو پھول اور نکھر جاتے ہیں

یہ ہمیں علم کی روشنی کے ساتھ ساتھ عمل کے نور سے منور کرتے رہتے ہیں، ہر چھوٹی سی چھوٹی بات میں بھی ہماری رہنمائی کرتے ہیں، ان کا چلن زندگی کے سفر میں چراغ راہ کی حیثیت رکھتا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کا دل صرف اسلام کے لئے دھڑکتا ہے، ان کی زندگیاں پرخلوص جدوجہد کا مرقع ہیں، اسلام کے لئے اپنی تمام تر کوشش کرنا ان کی زندگی کا منتہا ہے، ہمارا پہلا سال ان عظیم شخصیتوں کے ساتھ جن کی بے لوث مخلصانہ جدوجہد انسانوں کی زندگی میں دینی انقلاب برپا کر دیتی ہے، بہت اچھا گزرا، قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداؤں سے ذہن تروتازہ رہتے تھے، لیکن یہ سال بھی جاتے جاتے ہمیں یہ دکھ دے گیا کہ ہماری دو باجیاں جامعہ چھوڑ گئیں۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
سدا خوش رہو ہم دعا کر چلے

ان باجیوں کی پیاری نصیحتیں ہمیشہ یاد رہیں گی کہ نماز اور تہجد کی ہمیشہ پابندی کرنا، پردہ کا خصوصی اہتمام کرنا، تسبیحات وغیرہ بھی کیا کرو، اگر اب پڑھائی کے دوران عمل نہ کیا تو بعد میں نہیں ہو سکے گا، اپنے آپ کو روحانی بیماریوں یعنی غصہ، حسد، کینہ وغیرہ سے پاک کرلو، اپنے اخلاق اچھے کرلو، سنوار لو، کیونکہ دوسروں پر طعنہ بازی کرنے یا ان کا دل دکھانے سے آپ لوگوں کی علم و عمل میں کی ہوئی ساری محنت اکارت چلی جائے گی اور دوسروں کی باتیں برداشت کرنا سیکھو، اپنے کام ہمیشہ خود اپنے ہاتھ سے کیا کرو، اور پڑھائی میں بھی خوب محنت کرنی ہے، تکرار لازمی کیا کرو، اس سے سبق پختہ ہوتا ہے اور آخر میں انہوں نے تین نصیحتیں کیں کہ ان کو پلو باندھ لو کہ ہم نے جو پڑھایا ہے اس پر عمل کرنا، ہمارے لئے روحانی ہدیہ بھیجتی رہنا اور ہمیں دعاؤں میں یاد رکھنا اور اس طرح ہماری یہ عظیم باجیاں اپنی خوبصورت یادیں ہم میں چھوڑ کر چلی گئیں۔

پھر چھٹیوں کے بعد اگلے سال درجہ خاصہ میں آگئے، ابتدا بہت اچھی ہوئی لیکن ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ ہمارے استاد محترم غلام فرید صاحب جو اس مدرسہ فکر کے علمبردار تھے جس کی بنیادیں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمود الحسنؒ نے رکھی تھیں، وہ چند وجوہات کے پیش نظر جامعہ چھوڑ گئے۔

وہ حلم اور وہ تواضع اور وہ طرز خود فراموشی
خدا بخشے جگر کو لاکھ انسانوں کا انساں تھا وہ

وہ ہمیشہ ہمیں کہا کرتے تھے کہ خود کو مٹی میں ملاؤ گے تب جاکر کچھ ملے گا، یہ نہ کہا کرو کہ ایسے کرنے سے ہمارے کپڑوں کی استری خراب ہوتی ہے، یا یہ ہوتا ہے یا وہ ہوتا ہے اور وہ مطالعہ کی بہت سخت تاکید کیا کرتے تھے کہ راتوں کو اپنے مطالعہ سے روشن رکھا کرو، علم مطالعہ کرنے سے آتا ہے، شروحات سے رٹا لگانے سے نہیں اور وہ ادب کرنے کا بہت کہتے تھے کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں، کے پیش نظر کہا کرتے تھے کہ اساتذہ اور معلمات کا تو ویسے بھی ادب کرنا ہی ہوتا ہے، طالبات کا بھی ادب کیا کرو، ان کے جوتے سیدھے کیا کرو، کہتے تھے کہ اگر مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے شاگردوں کے جوتے اٹھا سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے، وہ جامعہ کی ہر چیز یہاں تک کہ پنسل، تپائیاں اور دریوں وغیرہ کے بھی ادب کی بہت تلقین کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

یہ چوٹ اگرچہ بہت گہری تھی لیکن جانے والوں کو کون روک سکتا ہے، اس کے بعد پھر ہم لوگ پڑھائی میں مگن ہوگئے، ہمارے اساتذہ کرام اور باجیاں بہت محنت سے پڑھاتے رہے اور ہمارے لئے دعائیں کرتے رہے، جس کی وجہ سے ہمارے قدم بھی آگے بڑھتے رہے، چونکہ سال کے آخر میں ہماری باجی محترمہ بنت لیاقت نے جامعہ چھوڑنا تھا، اس لئے انہوں نے پہلے سے ہی بتا دیا تھا تاکہ ہم لوگ اپنے ذہنوں کو تیار کرلیں ان کی جدائی کے لئے، یہی وہ باجی ہیں جنہوں نے ہمیں الفاظ کے دروبست سے آشنا کیا، جنہوں نے ہمیں اپنے قدموں پر بٹھایا اور بتایا کہ جرات کسے کہتے ہیں، یہ باجی ہمیشہ ہمیں کہا کرتی تھیں کہ اپنی نیتوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتی رہا کرو، دین کے ہر کام میں صرف اللہ کی رضا مقصود ہو، دنیا کو دکھلاوا مقصود نہ ہو، اس حدیث مبارکہ کو ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھا کرو کہ انما الاعمال بالنیات، اور رات کو سوتے وقت اپنا محاسبہ کیا کرو اور اپنے دن بھر کے ہونے والے گناہوں پر توجہ کر کے سویا کرو۔

ہماری بڑی باجی یعنی بنت عبدالطیف نے سارا سال، لیکن سال کے آخر میں خصوصاً ہم درجہ خاصہ پر بے لوث اور مخلصانہ محنت کی، ہمیں اپنی نگرانی میں بٹھا کر پڑھاتیں اور تکرار وغیرہ کراتی تھیں، ہم سے کہا کرتی تھیں کہ باجیوں کی غیر موجودگی میں بھی ایمانداری سے تکرار کیا کرو، کیونکہ اصل ادب ہی وہی ہوتا ہے جو اساتذہ کی غیر موجودگی میں بھی کیا جائے اور ان کی بات مانی جائے اور باجیوں کو دھوکہ مت دیا کرو، کیونکہ اساتذہ کے ٹھکرائے ہوئے کو کوئی در پناہ نہیں دیتا، انہوں نے ہم پر بہت محنت کی تھی لیکن ہمیں معلوم نہیں تھا کہ:

چمن کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا ہے

کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

جب یہ باجی ہمیں جامعہ کا کوئی کام بتاتی تھیں تو ہماری خوشی کی انتہا نہیں ہوتی تھی اور اس پر میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ اکثر اس ناچیز کو بھی باجی کی خدمت کا موقع ملتا تھا اور یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات تھی، یہ سال بھی اب اپنے اختتام کو پہنچ گیا تھا، جس دن وفاق کے پیپر ختم ہوئے اور چھٹیاں ہوئی تھیں ہم باجیوں کے پاس دفتر میں گئیں، تاکہ سارا سال کی غلطیوں کی معافی طلب کرلیں خاص طور پر باجی بنت لیاقت سے، کیونکہ ہمیں پتہ تھا کہ انہوں نے جامعہ چھوڑ دینا ہے، ان کی جدائی بھی گراں گزر رہی تھی لیکن ہم پر قیامت صغریٰ اس وقت قائم ہوئی جب بڑی باجی سے کسی بات پر ایک طالبہ نے کہا کہ باجی آپ سے ڈر لگتا ہے تو انہوں نے کہا کہ آج آخری دن ہے بس پھر تمام ہیبت اور ڈر ختم ہوجائے گا، تب ہمیں پتہ چلا کہ یہ باجی بھی اگلے سال نہیں آئیں گی، اس وقت طالبات ان کی جدائی کے خیال سے تصویرِ غم بن کر رہ گئیں تھیں، کیونکہ یہ ہماری وہ باجی تھیں جن کی انفرادیت ہر محفل میں نمایاں رہتی تھی، آپ اپنی ذات میں بھی ایک انجمن تھیں اور انجمن آپ کی ذات کے بغیر ایک ویرانہ تھی جس میں بھیڑ تو ہوتی تھی لیکن سخن آرائی کا لطف نہیں ہوتا تھا، باجی کی روزمرہ ملاقات سے جو چیز ان کے ملنے والوں پر نمایاں ہوتی ہے وہ ان کی بے داغ سیرت ہے، ان کی زندگی میں کوئی غلو اور کوئی فریب نہیں ہے وہ مشاہدہ کی کسوٹی پر خالص سونے کی طرح نکھرتیں اور مطالعہ کے افق پر عید کے چاند کی طرح مسکراتی ہیں۔

باجی اپنے اصولوں پر کبھی سمجھوتا نہیں کرتی تھیں، جب بولتیں تو تمام طالبات کے دل ان کے الفاظ کی جولانگاہ ہوتے تھے، وہ بدلتی نہیں تھیں بلکہ سب کے دلوں کو مسخر کرتیں اور ان کے دماغوں کو جگمگاتی تھیں، اظہار کا حسن ان کے نطق کا شیدا تھا، ہوا کی لہریں ان کے نطق سے خوشبو حاصل کرتی تھیں، الفاظ ان کے منہ سے ایسے نکلتے جیسے موتی ہوں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

☆......☆......☆

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

اب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان عاشقوں سے جدائی کا وقت آگیا تھا جن سے بچھڑنے کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتیں تھیں، جو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں، جن کی محبت ہماری رگوں میں خون کی طرح دوڑتی ہے جن کی تعریف سے ہماری زبان اور قلم عاجز ہیں، بس ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ:

یہ فخر تو ہے حاصل برے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں

گویا کہ اب بھی ان کی صدائے بے تاب بازگشت بن کر جامعہ میں گونج رہی ہیں کہ:

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

ہماری قسمت میں نہیں تھا کہ ان کی سرپرستی میں رہیں، لیکن اب صرف دعائیں ہی کرسکتے ہیں، الحمدللہ علیٰ کل حال۔

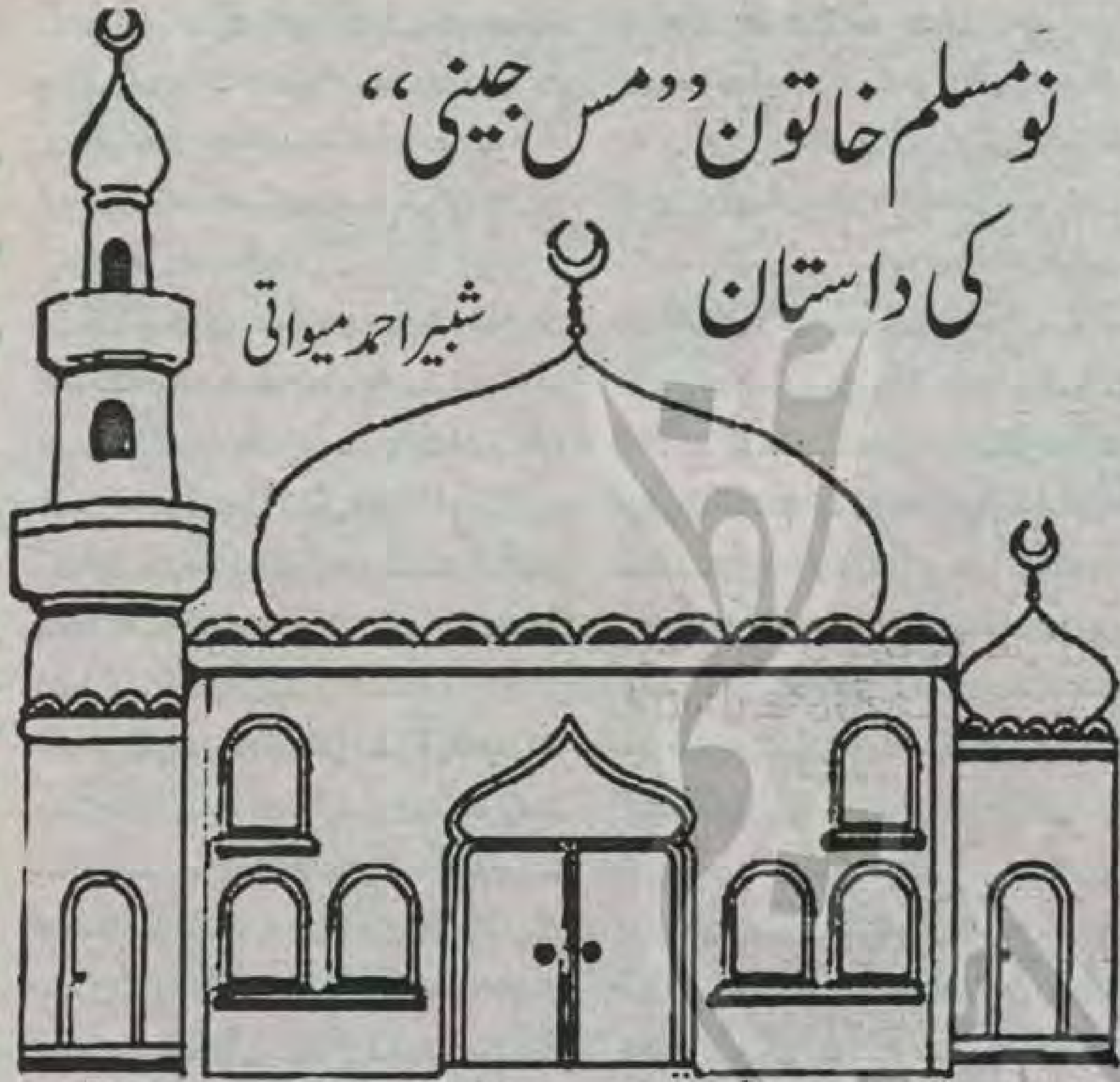
اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ جو ہمارے اساتذہ کرام اور باجیاں ہیں اور جو نئی آئیں گی اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی قدر و عظمت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ ان کے علم و عمل سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

کچھ سبق لے قدر کر یہ وقت ہے باقی ابھی
سایہ فگن ہیں وہ جن کی زیارت آنکھوں کی ضیا
سرپرستی ہے اکابر کی تجھے حاصل ابھی
شفقت احباب ہے تیری طرف مائل ابھی

☆......☆......☆

نومسلم خاتون "مس جینی" کی داستان

شبیر احمد میواتی



جنگ آزادی کی یادگار تحریک ریشمی رومال کے آخری بزرگ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے تلمیذ رشید مجاہد اسلام حضرت مولانا عزیر گل کاکا خیل" اسیر مالٹا کسی تعارف کے محتاج نہیں، مولانا کی دوسری شادی ایک نومسلم انگریز خاتون "مس جینی" سے ہوئی، جو بعد میں "مدر" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہ پاک باز خاتون اخلاص وللہیت، عملی شغل وانہماک، قرآن کریم سے تعلق کا ایک تابناک مثالی کردار چھوڑ کر گئیں، مرحومہ نے اپنی ایک انگریزی تصنیف "دی بیلنسڈ وے" (صراط مستقیم) میں اسلام کی طرف آنے سے پہلے کی زندگی اور بعد کے حالات تفصیل سے لکھے تھے۔ یہ کتاب آج سے ۶۴ سال قبل ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

ان کے حالات ماہنامہ الفرقان لکھنؤ نے حیدرآباد سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ "قرطاس وقلم" کے حوالے سے مذکورہ کتاب سے اخذ کرکے ذیل کے مضمون کی شکل میں شائع کئے تھے، جنہیں ذیل میں شائع کیا جارہا ہے۔

محترمہ لکھتی ہیں:

"میں اپنے والد چارلس ایڈورڈ اسٹیفورڈ اسٹیل کی ساتویں لڑکی ہوں۔ میں ۱۸۸۵ء میں حیدرآباد (سندھ) میں پیدا ہوئی۔ میرے والد بڑے انصاف پسند اور بات کے پکے انسان تھے۔ انہیں ہندوستان اور ہندوستانی لوگوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ کبھی کبھی تو وہ خود کو سندھی کہہ دیا کرتے تھے۔ ہماری خاندانی نسبتیں بڑی عظیم تھیں، مگر ہمارے والد کا کہنا تھا کہ شرافت کا معیار کردار ہے نہ کہ خون۔ بہرحال میں چھ سال کی ہورہی تھی کہ مجھے تعلیم

کے لئے انگلستان بھیج دیا گیا۔ مجھے بچی بات سے ہمیشہ پیار رہا۔ میں ہر بات کا سبب کھوجنے کی کوشش کیا کرتی تھی، میرے دوست واحباب مجھے شفقت سے ''گگو'' کہا کرتے تھے، کیونکہ میں ہر بات میں کیا، کیوں اور کیسے جیسے سوال کرنے کی عادی تھی۔

میں ایک عیسائی کنبے میں پیدا ہوئی، مگر سب عیسائی متحد نہ تھے، عیسائیوں کے بہت سے فرقے تھے، جو ایک دوسرے کو جہنمی کہتے تھے، اس لئے عیسائی مذہب مجھ کو گورکھ دھندا سا لگا، میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کیسے ہوسکتے تھے، مگر مجھے دعا سے بڑا شغف تھا اور میں اکثر ''ان دیکھے مالک'' سے لولگا کر دعائیں مانگا کرتی تھی۔

جب میں جوان ہوگئی تو میں نے بائبل کو تنقیدی نظر سے پڑھنا شروع کیا، مجھے بائبل کے بہت سے بیانات ایک دوسرے سے ٹکراتے محسوس ہوئے، مجھے بائبل کے کلام خدا ہونے پر شک ہونے لگا، انہی دنوں کچھ عرصے بعد میری شادی ہوگئی، مگر میرے شوہر ایک دنیادار عیسائی تھے، وہ میرے فکروخیال کے ساتھی نہ بن سکے، اس لئے میں نے فرصت کے وقت فلسفے کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اسپنسر، ہکسلے اور دوسرے فلاسفہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا، مگر ان خیالی بھول بھلیوں سے مجھے کچھ نہ ملا۔

ان ہی دنوں میں اپنے والد کے پاس ہندوستان آئی، میری بارہ سالہ لڑکی اور دس سالہ لڑکا، میرے ساتھ تھے، یہاں مجھے ویدانت پڑھنے کا موقع ملا، مجھے اس کے پڑھنے سے بڑی تسکین ملی، مجھے محسوس ہوا کہ وہ چیز مجھے مل گئی، جس کی تلاش تھی، ویدانت کے مطالعے نے مجھے ہندو دھرم کے قریب کردیا، کچھ عرصے کے لئے ایک ہندو خانقاہ میں مہمان بن کر رہی اور بالآخر ہندو ہوگئی، مجھے راما کرشن کے ویدانتی سلسلے میں داخل کرلیا گیا، مگر مجھے یہ شرک سا محسوس ہوا، چنانچہ میرا یقین ہل گیا، مجھے افسوس ہوا کہ حقیقت ابھی اور آگے ہے، اسی زمانے میں، میں بیمار ہوگئی، مجھے علاج کے لئے فرانس جانا پڑا، وہاں میرے سات آپریشن ہوئے، ہر آپریشن پر موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی، میں چاہتی تھی کہ میں موت کے لئے تیاری کرلوں، میں نے سوچا کہ دنیا ترک کردوں اور آخرت کی تیاری میں الگ جاؤں، لہٰذا میں واپس جب ہندوستان آئی تو میں نے سنیاس لے لیا، میں نے ایک سو ساٹھ اپنشد پڑھے، لیکن یہ کیا...... یہاں بھی بائبل کی طرح ان گنت تضاد تھے، ان میں کون سی بات حق ہے اور کون سی غلط ہے، کیسے معلوم ہو؟ میں ایک بار پھر الجھ گئی، مجھے خوف ہوگیا کہ اسی ذہنی الجھن میں پاگل نہ ہوجاؤں، مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ سنیاس سے میری روحانیت نہیں بڑھ رہی ہے، نفسیاتی کشمکش بڑھ رہی ہے۔

اسی زمانے میں ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک چل پڑی، ہندوستانی، ہندوستانیوں سے لڑ پڑے، الموڑہ بھی فسادات سے بچا نہ رہا، اس وقت میرے دل نے کہا کہ یہ خانقاہ میں بیٹھ کر دھیان گیان کا وقت نہیں، بلکہ باہر نکل کر زخمیوں اور دکھیوں کی مدد کرنے کا وقت ہے، میں نے اپنے گروجی سے بات کی، مگر انہوں نے کہا کہ ہم لوگ دنیادار نہیں ہیں، تم جن باتوں کے کرنے کو کہہ رہی ہو، یہ سیاست کی باتیں ہیں، ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

مجھے ان کے سوچنے کے انداز پر حیرت ہوئی، میں انہیں تو خانقاہ چھوڑ کر زخمیوں کی مدد پر آمادہ نہ کرسکی، مگر میں خود خانقاہ سے نکل آئی اور میں نے زخمیوں، مریضوں اور دکھیوں کی امداد شروع کردی، جس سے مجھے دل کا چین ملا اور میں نے طے کیا کہ روحانی ترقی انسانیت کی خدمت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، خانقاہوں کی زندگی سے نہیں، چنانچہ میں نے ایک آشرم کھولنے کا فیصلہ کیا، جس میں نوجوانوں کی اخلاقی تربیت کی جائے، اس آشرم میں، میں نے ہندو مسلم کی قید نہیں رکھی، وہاں ایک مسلمان لڑکا داخلے کے لئے لایا گیا، یہ لڑکا اپنے والدین

کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا، میں نے سوچا کہ جب تک میں مسلمانوں کے نظام حیات کے بارے میں معلومات حاصل نہ کرلوں، میں اس لڑکے کی تربیت کا حق ادا نہ کرسکوں گی، اس نیت سے میں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔

اب تک میں مسلمانوں سے ڈرتی تھی، میں سمجھتی تھی کہ مسلمان ایک قسم کے ''ڈاکو'' ہوتے ہیں، جو ہر قسم کا ظلم کرسکتے ہیں، لیکن اس کتاب نے میری آنکھیں کھول دیں، یہ تو اسرارِ حق تھا اور دل میں اترتا چلا جاتا تھا، یہ عملی ویدانت تھا، آہ! میں اب تک کن اندھیاروں میں تھی؟ افسوس کہ یورپ کی مشنریوں نے اسلام کی کتنی غلط تصویر پیش کی ہے، وہ مذہب جسے میں خواہ مخواہ بھیڑیوں کا مذہب سمجھتی تھی، مکمل سچائی کا مذہب تھا۔ میرے اللہ! میں کیا کروں، میں نے تو ساری زندگی اکارت کردی، میں نے سوچا، میں ہندو ہی رہوں، یا ہندومت چھوڑ دوں، میں نے راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی، یہ ایک طرح کی موت تھی، قرآن مجھے زندگی کی طرف بلا رہا تھا، ایسی زندگی کی طرف جو آخرت کی زندگی کی بنیاد بنتی تھی، مگر مشکل یہ تھی کہ میں ایک مقدس خانقاہ کی راہبہ تھی، لوگ مجھے پیار سے ''ماں'' کہتے تھے، میں مسلمان ہوجاؤں گی تو دنیا کیا کہے گی۔

مگر مجھے اپنی روح خلجان سے بچانا تھی، میں نے لوگوں کے کہنے کی پرواہ نہ کی، میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا، میرے گرو بھائیوں نے کہا، یہ کام مسلمان ہوئے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے، ویدانتی رہ کر بھی تم قرآن کی راہ اختیار کرسکتی ہو، یہ بھی ویدانت کا ہی ایک سلسلہ ہوگا، لیکن یہ بات میرے دل میں نہ اتر سکی، میں سمجھ رہی تھی کہ راما کرشن نے حقیقت کا راستہ اختیار نہیں کیا، بلکہ وہ خود ان کے ذہن کی اپج اور ایک بھرم ہوسکتا ہے، کسی نام نہاد صوفی نے انہیں یہ بھرم دلا دیا ہو، میرے ہندو دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے آپ کو مسلمان نہ کہوں تو وہ مجھے آگرہ میں راما کرشن مشن کا مہنت بنادیں گے، مگر مجھے دنیاوی لالچ نہ تھی، اس لئے میں نے ان کی بات کو رد کردیا، مگر اب ایک اور مشکل آڑے آئی، مسلمانوں نے مجھے ماننے سے انکار کردیا، وہ کہتے تھے کہ یہ ہمیں ہندو بنانے کے لئے روپ دھار رہی ہے۔ میں خود شبہ میں پڑگئی، میں قرآن کو اپنا ہادی اور رہنما مان رہی تھی تو کیا یہ بات مسلمان ہونے کے لئے کافی نہ تھی؟

اپنے دل کی بے قراری کو دور کرنے کے لئے میں دیوبند گئی، میری لڑکی میرے ساتھ تھی، ہم دونوں بے پردہ تھیں، ہم نے مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ملاقات کی، اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور پوچھا، کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ تم حقیقتاً مسلمان ہو، مولانا نے مسکرا کر کہا، تمہیں اس میں شک کیوں ہے؟ مولانا مدنیؒ کی عظمت ہم دونوں کے دل میں بیٹھ گئی، انہوں نے ہماری بہت خاطر کی، بعد میں وہ ایک بار مجھ سے ملنے بنگلور بھی آئے تھے، ان ہی کے ساتھ مولوی عزیز گل صاحبؒ بھی تھے، مولانا حسین احمد مدنیؒ انہیں بہت چاہتے تھے، جیسے وہ دو دوست ہوں، وہ ایک دوسرے سے معصوم مذاق کرتے، وہ کبھی کبھی ایک دوسرے کو چڑاتے بھی تھے۔ مجھے ان کی محبت پر رشک ہوتا تھا، وہ دن بھر ہمارے یہاں رہے، جب وہ چلنے لگے تو میں نے مولانا مدنیؒ سے کہا کہ وہ پھر تشریف لائیں، اس پر انہوں نے کہا کہ میں تو زیادہ نہ آسکوں گا، مگر عزیز گل کبھی کبھی آیا کریں گے، چنانچہ مولوی عزیز گل صاحب آتے رہے، میں ان سے پردہ اور دوسرے مسائل پر بلاجھجک بات چیت کرتی رہی، شروع میں، میں سمجھتی تھی کہ یہ مولوی بڑے تنگ نظر ہوتے ہیں، پھر بعد میں پردے کی حقیقت مجھ پر کھلی تو میں ان کی وسعت نظر کی قائل ہوگئی۔

یہاں میں اسلام کے مطالعے میں لگی ہوئی تھی کہ اچانک میرے شوہر کا خط آیا کہ اگر فوراً انگلستان نہ لوٹی تو وہ مجھے خرچ دینا بند کردیں گے، بچوں کی تعلیم کا خرچ مجھ سے وصول کریں گے اور مجھ سے تعلق توڑ لیں گے، اس

خبر پر نہ مجھے تعجب ہوا نہ افسوس، میں مسلمان ہو چکی تھی، اب میں کسی عیسائی شوہر کی بیوی کیسے رہ سکتی تھی، رہا رزق! تو یہ اللہ کی دین ہے کم یا زیادہ ملے گا ہی، عزیز گل کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیش کش کی، میں نے بڑے احترام سے اس پیش کش کو قبول کرلیا، میں جانتی تھی کہ ان کے ہاں غربت ہے، افلاس ہے، پردہ ہے، مگر میرے لئے تو یہی اللہ کی پسندیدہ جگہ تھی، عزیز گل کے گھر میں، میں نے سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر مہمان کی تواضع کرنے میں کیا لذت ہے، عزیز گل کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی، وہ نہایت شریف اور مہربان شوہر ثابت ہوئے۔

یوں بھی وہ سید تھے اور انہوں نے سیادت کی لاج رکھی ہے، ان کے اجداد عرب سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آگئے تھے، اب تو ہم دونوں راق حق کے مسافر تھے اور راہ حق کی مسافرت میں مشرق و مغرب کیسے، ہماری راہ ایک تھی، ہماری منزل ایک تھی، ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں، ہم دونوں اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اٹھے تھے، مجھے خوشی ہے کہ اس راہ میں میری بیٹی، میرا بیٹا اور میرا بھائی سب مجھ سے ہمدردی کرتے تھے، انہوں نے مجھے راہ حق میں قدم بڑھانے سے روکا نہیں، میری زندگی ایک سفر ہے، جو برسوں کی محرابوں سے گزر کر اسلام کی حسین وادی میں ختم ہو رہا ہے، مگر ختم کہاں ہو رہا ہے، زندگی تو موت کے بعد بھی چلتی رہے گی، میری راہ، اسلام کی راہ ہے، یہی ایک سیدھی راہ ہے، اس کے علاوہ ہر راہ کج ہے اور انسان کو اللہ کی راہ سے بہتر راہ نہیں مل سکتی، خدا کرے کہ میں جب تک زندہ رہوں، اسی راہ پر چلتی رہوں، پھر میں اس راہ سے بھاگوں بھی تو بھاگ کر کہاں جاؤں گی، مجھے اللہ نے پیدا کیا ہے اور مجھے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

☆......☆......☆

بکھرے موتی

☆......جس شخص پر نصیحت اثر نہ کرے، وہ جان لے کہ اس کا دل گناہوں کی وجہ سے سخت ہو چکا ہے اور ایمانی لذت سے خالی ہے۔

☆......جو شخص نہ زبان سے، نہ ہاتھ سے اور نہ دل سے برائی کی روک تھام کرتا ہے، وہ ایک چلتی پھرتی لاش ہے۔

☆......برائی کی مثال ایسی ہے، جیسے پہاڑ سے اترنا کہ ایک قدم اٹھائیں تو باقی خود بہ خود اٹھتے چلے جاتے ہیں اور اچھائی کی مثال ایسی ہے، جیسے پہاڑ پر چڑھنا کہ ہر قدم پہلے سے زیادہ مشکل، مگر انسان ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔

☆......اگر آپ کے دوست ایسے ہیں جو آپ کی بے جا تعریف کے بجائے آپ کو آپ کی غلطیوں سے آگاہ کرتے ہیں تو آپ عقل مند ہیں، کیوں کہ آپ نے اچھے دوستوں کا انتخاب کیا ہے۔

☆......جس راز کو آپ دشمن سے چھپانا چاہتے ہیں، اسے دوست پر بھی ظاہر نہ کریں۔

☆......دوست کی ناکامی پر غم گین ہونا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کی کامیابی پر مسرور ہونا۔

☆......دوست ہزار بھی کم ہیں اور دشمن ایک بھی زیادہ ہے۔

☆......جس طرح شبنم کے قطرے مرجھائے ہوئے پھول کو تازگی بخشتے ہیں، اسی طرح اچھے الفاظ مایوس دلوں کو فرحت بخشتے ہیں۔

☆......توبہ انسان کو ہر قصور سے بری کر دیتی ہے۔

☆......غصہ ایک چور ہے جو ہمیشہ انسان کے اچھے لمحات چوری کر لیتا ہے۔

☆......خوب صورت ہونا اہم نہیں، اہم ہونا خوب صورتی ہے۔

(انتخاب:......جاوید لغاری، حیدر آباد)



عورت، چھپانے کی چیز ہے

اخت حنظلہ علی

آج کل کی عورتیں سر چھپانے کو عیب سمجھنے لگی ہیں اور دوپٹہ اوڑھتی بھی ہیں تو اول تو اس قدر باریک ہوتا ہے کہ سر کے بال اور مواقع حسن و جمال اس سے پوشیدہ نہیں ہوتے، دوسرے اس قسم کے کپڑے کا دوپٹہ بناتی ہیں۔ جو سر پر ٹھہرتا ہی نہیں، چکناہٹ کی وجہ سے بار بار سرکتا ہے اور پردے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

"حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصر کے باریک کپڑے پیش کئے گئے، ان میں سے ایک کپڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عنایت فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے اپنا کرتا بنا لینا اور دوسرا ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دینا، جس کا دوپٹہ بنا لے گی، وہ کپڑا لے کر جب میں چل دیا تو ارشاد فرمایا کہ اپنی بیوی کو بتا دینا کہ اس کے نیچے کوئی کپڑا لگا لے، جس سے اس کی باریکی کی تلافی ہو جائے جو اس کے سر وغیرہ کو چھپائے رہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ پہنچ گئیں، اس وقت حفصہ نے باریک دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا، اس کو لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھاڑ دیا اور اپنے پاس سے ان کو موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا۔ (موطا امام مالک)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ باریک دوپٹے سے پرہیز کرنا لازم ہے اور اگر بالفرض باریک دوپٹہ اوڑھنا ہی پڑ جائے تو اس کے نیچے موٹا کپڑا لگا لیں تاکہ سر اور دیگر اعضاء نظر نہ آئیں۔ مسلمان عورت کو اسلام نے حیا اور شرم سکھائی ہے، نامحرموں سے خلط ملط کرنے سے منع فرمایا ہے اور ایسے باریک کپڑے پہننے کی ممانعت فرمائی ہے، جن کا پہننا اور نہ پہننا برابر اور جن سے پردے کا مقصد فوت ہو جاتا ہو، عورتیں سروں پر ایسے دوپٹے اوڑھیں جن سے بال چھپ جائیں، گردن اور گلا ڈھک جائے اور نا محرموں کے آ جانے کا اندیشہ ہو تو موٹے ڈوپٹوں سے اپنے چہروں کو بھی ڈھانپ لیں، قمیص اور فراک بھی ایسا پہنیں جن سے بدن نظر نہ آئے، آستین پوری ہوں اور گلے اور گریبان کی کاٹ میں اس کا خیال رکھیں اور پیچھے کمر اور آگے سینہ کا کچھ بھی حصہ کھلا نہ رہے، شلوار اور ساڑھی وغیرہ بھی ایسے کپڑے کی پہنیں جس سے ران پنڈلی وغیرہ کا کوئی حصہ نظر نہ آئے، آج کل ایسے کپڑوں کا رواج ہو گیا کہ کپڑوں کے اندر سے نظر پار ہو جاتی ہے، بہت سے مرد اور عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ ایسے کپڑوں کی شلوار بنا کر پہن لیتے ہیں، جن میں پوری ٹانگ اور ران نظر آتی ہے، ایسے کپڑے کا پہننا اور نہ پہننا برابر ہے اور اس سے نماز بھی نہیں ہوتی، عموماً عورتیں باریک دوپٹے اوڑھتی ہیں، جو چھوٹے سے عرض کے ہوتے ہیں، اول تو یہ دوپٹے

پورے سر پر نہیں آتے اور ان کو اوڑھ کر نماز بھی نہیں ہوتی۔ جب حکم قرآنی "ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن۔" (سورہ نور آیت:۱۸) آیت نازل ہوئی تو صحابی عورتوں نے موٹی سے موٹی چادریں کاٹ کر دوپٹے بنا لئے، لیکن آج کل کی عورتوں کو گرمی کھائے جاتی ہے اور غلط رواج کی وبا ایسی پھیلی ہے کہ جو عورتیں اپنے آپ کو دیندار سمجھتی ہیں، وہ بھی باریک دوپٹہ چھوڑنے کو تیار نہیں اور ایسے ہی باریک دوپٹے سے نماز پڑھتی ہیں، آج اس مادہ پرستی کے دور میں عورتیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور حدود وقیود کو توڑ کر ترقی کی منزل پر گامزن ہونا چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اگر ہم پردہ کریں اور دوپٹہ سر پر اوڑھ کر پھریں تو کیسے ترقی کر سکیں گی، یہ لوگ تو دقیانوس ہیں، اپنے آپ کو ہر وقت چادر میں چھپا رکھتی ہیں، اسی لئے ان عورتوں نے ترقی حاصل کرنے کے لئے عورت ذات کی تذلیل کر دی ہے، اب کوئی بھی سڑک اور چوک ایسا نہیں کہ جہاں عورت کی تصویر کے بغیر اشتہار لگا ہوا ہو، کوئی صابن، شیمپو، کریم اور اور ایسی ہی اور چیزیں ان پر بھی عورت کی تصویر ضرور لگی ہوتی ہے، لگتا ہے کہ اگر ان پر عورتوں کی تصویریں نہ ہوں تو وہ بک ہی نہیں سکتی اور یہ ایسا کیوں ہو رہا ہے، اسی لئے کہ ہم نے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے اور آج کی لڑکی یہ چاہتی ہے کہ میری ہر خواہش پوری ہوتی جائے اور ان کے فیشن آج کی ماڈل گرلز جیسے ہونے چاہئے کہ آج کل فلاں طرح کا لباس چل رہا ہے، چاہے اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو یا غیر مذہبوں کے ساتھ ہو یا پھر کیسا ہی بے ہودہ لباس ہو، لیکن دیکھنا ہے کہ فیشن کیسا اور کون سا چل رہا ہے اور ہمیں تو معاشرے کے ساتھ چلنا ہے، اگر ہم نے سروں پر دوپٹے اوڑھ لئے تو پھر دنیا والے ہمیں کیا کہیں گے کہ یہ کیسی دقیانوسی لڑکیاں ہیں، لیکن میری بہنو! تم یہ تو سوچو کہ آپ کس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امتی ہو، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے اللہ سے دعا مانگتے تھے، یا رب امتی یا رب امتی، کیا آج اس پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفا کا یہی بدلہ ہے کہ ہم ان کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ کر غیروں کا راستہ اختیار کر لیں، جو کسی بھی صورت میں وفادار نہیں ہو سکتے، اگر کسی سے پردے کا بولا جائے تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ پردہ تو دل کا ہوتا ہے، تو میری بہنو! یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو قرآن پاک میں اس کا حکم دیا ہے، شریعت نے مردوں کو علیحدہ حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور عورت کو علیحدہ حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں، چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آپ ایمان والوں کو فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور مومنہ عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور وہ بھی اپنی ناموس کی حفاظت کریں بلکہ جتنی احتیاطی تدابیر ہو سکتی تھیں وہ ساری کی ساری مردوں اور عورتوں کو سمجھا دیں۔ مثال کے طور پر عورت کو کہا۔ تم اپنے گھروں میں ہی رہو، ہاں عذر اور ضرورت کے وقت تم محرم مردوں کے ساتھ باہر نکل سکتی ہو، گویا عورت کو منع کر دیا کہ وہ بے پردہ ہو کر باہر نہ نکلے اور رواجوں کے پیچھے نہ بھاگے، بلکہ اللہ کو راضی کرنے والی زندگی گزارے، تو میری بہنو! اگر مان لیا جائے کہ دل کا ہی پردہ ہوتا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحابیات ہم سے زیادہ پاکیزہ دلوں والی نہیں تھی، جب ہم اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دیں گی تو پھر ہماری زندگیوں سے سکون ختم ہو جائے گا، عورت کو تو تعلیم دی گئی کہ ہر اس مواقع سے بچے، جن مواقع پر کسی غیر محرم مرد کو تمہاری طرف التفات پیدا ہو سکے۔ مثلاً جب بال سنوارتی ہیں تو ان کے جو بال ٹوٹ جاتے ہیں، ان کو بھی وہ ایسی جگہ نہ پھینکیں جہاں غیر محرم مرد دیکھ سکتے ہوں۔ فقہاء نے عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنے ان ٹوٹے ہوئے بالوں کو بھی چھپا کر رکھیں تا کہ غیر مرد کی نظر نہ پڑے، کسی مرد نے کسی برتن میں کھایا تو عورت کو منع کیا کہ تم ارادتاً اس برتن میں نہ کھاؤ، اس لئے کہ یہ مکروہ

ہے، عورت کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ اگر راستہ میں چلے بلکہ درمیان میں نہ چلے تو درمیانی راستہ کی بجائے کنارے کی طرف ہو کر چلے، ایسا نہ ہو کہ مردوں کے سے ٹکرائے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو صحابیات جب کبھی گلی میں نکلتیں تو اتنا دیوار کے قریب ہو کر چلتی تھیں کہ ان کے برقعے اور چادریں بسا اوقات دیوار کے ساتھ اٹک جاتے تھے، عورت اگر باہر نکلے تو اپنے آپ کو حجاب میں لپٹ کر نکلے، عورتوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ جی چہرے کا تو حجاب ہی نہیں ہوتا۔ ذرا سوچئے، اگر چہرہ ہی سامنے آ گیا تو باقی کچھ دکھانے کی ضرورت ہی نہیں، جس طرح کتاب کا انڈیکس (فہرست) دیکھنے سے سب کچھ پتہ چل جاتا ہے تو جب آنکھیں کھلی ہیں، منہ کھلا ہے تو پھر اشارات بھی ہو سکتے ہیں، بات بھی ہو سکتی ہے، شریعت نے پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی بات قرآن مجید میں کیوں کہی، کوئی عورت اس آیت کو قرآن مجید سے نکال تو نہیں سکتی، جب قرآن مجید بتا رہا ہے کہ پردے کے پیچھے سے گفتگو کرو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باہر نکلتے ہوئے چہرے کا پردہ نہ ہو، شریعت نے حکم دیا کہ وہ مرد جو قریبی ہیں، عورت ان سے بھی اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔ مثال کے طور پر خاوند کے بھائی جنہیں دیور کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیور تو موت ہوتا ہے، گھریلو زندگی میں بات چیت کرنی پڑتی ہے، مگر عورت کو چاہئے کہ اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ رکھے تا کہ ضرورت سے اوپر اسے ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہ ملے، بلکہ غیر محرم سے بات کرتے ہوئے یہ اصول ہو کہ جہاں دو لفظوں میں جواب ممکن ہو، وہاں تین لفظ بولنے کی اجازت نہیں، یہاں تک شریعت نے منع کر دیا کہ عورت کو چاہئے کہ اپنے محرم رشتہ دار بھائی شوہر وغیرہ کے سامنے غیر محرم عورت کے اوصاف بھی بیان نہ کرے اور اسی لئے شریعت نے ایسے کام سے منع کر دیا، جہاں خدشات کا اندیشہ ہو اور ایسی عورتیں جو باہر بے پردہ پھرتی ہیں، ایسی عورتوں سے بھی باحیا عورتوں کو محتاط رہنے کا حکم دیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، ایک اور جگہ فرمایا۔ عورتیں تو شیطان کی رسیاں ہیں، ایک اور جگہ فرمایا کہ شیطان نے کہا کہ عورت میرا وہ تیر ہے جو کبھی خطا نہیں جاتا، اس لئے شریعت نے غیر محرم مرد عورت کو اکیلے بیٹھنے سے منع فرما دیا، حتیٰ کہ حسن بصریؒ جیسے بزرگ اور رابعہ بصریؒ جیسی نیک عورت ہوں تب بھی شریعت نے اس کو منع کر دیا، تو پھر باقی باتوں کی گنجائش کہاں رہ گئی۔

جب عورت بے پردہ باہر نکلتی ہے تو مردوں کی ہوس ناک نگاہوں کے پڑنے سے عورت روحانی طور پر بیمار ہو جاتی ہے، پھر روتی پھرتی ہے کہ پتہ نہیں کہ میرے او پر ہی سب پریشانیاں آ رہی ہیں اور بھول جاتی ہے کہ اس نے خود ہی شریعت کا حکم توڑا ہوا ہے، اس لئے جب بے پردہ عورت گھر سے نکلتی ہے تو اللہ کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ گھر واپس نہیں آ جاتی، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو عورت دنیا میں باہر پھرے گی، اس کی سزا اللہ نے یہ رکھی ہے کہ قیامت کے دن سب انسانوں کے سامنے اس کو بے لباس کر کے پھر جہنم میں پھینکا جائے گا، آپ سوچئے کہ عورت تو پھر شرم وحیا کی پتلی ہوتی ہے، اگر مرد کو بھی کہہ دیا جائے کہ تمہیں بے لباس کریں گے تو مرد بھی تڑپ اٹھتا ہے تو عورت کو اگر مردوں اور عورتوں کے سامنے رسوا کریں گے تو یہ کتنی بڑی سزا ہے، اس لئے پردے کا جتنا بھی خیال کریں کم ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بہترین عورت وہ ہے جو کسی غیر محرم کو نہ دیکھے اور کوئی غیر محرم اس کو نہ دیکھے، تو اس لئے میری بہنو! یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ہم اسلام سے کتنی دور چلی گئیں کہ ہم نے یہ رسم ورواج کو زندگی کا لازمی جز بنا لیا ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ فلاں علاقے میں نہیں ہوتا، فلاں ملک میں نہیں ہوتا، یا کہ اگر ہم نے پردہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے، دیکھیں اگر آپ صحیح بات

کریں گی، تب بھی لوگ باتیں بنائیں گے اور اگر کوئی غلط بات کریں گی تو تب بھی لوگ باتیں کریں گے، یہ مت کیجئے، اسلام آج اصلی شکل میں نہیں ہے، اس کو دیکھنا ہو تو آج کے دور میں قرآن وحدیث کے اندر دیکھو اور پہلے زمانے میں دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی زندگیوں میں دیکھو اور حقیقی معنوں میں شرعی پردہ کرو، یہ نہیں کہ کسی کے سامنے تو جانا آپ کی مجبوری بن جائے اور کسی سے پردہ شروع کرلو تو میری بہنو! وقت بہت کم ہے، ہم اگر یہ کہیں کہ پردہ نہیں کرنا تو پھر کیا ایسے ہوسکتا ہے کہ قرآن سے پردہ ہی کی آیات نکال دو، کیا پتہ کہ کس وقت موت آجائے اور ہمیں مہلت ہی نہ دی جائے، اس لئے خدارا اپنے گھروں کو لوٹ آؤ، باہر نکلنے میں عورت کی عزت نہیں بلکہ عورت کی تذلیل کی جارہی ہے، عورت کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ بے پردہ باہر نکلے گی تو کچھ نہیں ہوگا، اس سے زندگی میں بے برکتی آئے گی اور ہوسکتا ہے کہ کوئی بندہ اس کو دیکھے اور اس کے پیچھے چل پڑے تو یوں سمجھئے کہ شیر اپنے شکار کی طرف چل پڑا، بلکہ عورت اگر اپنی طرف شیر کو آتا دیکھے تو اس سے اتنا ڈرنے کی ضرورت نہیں، جتنا غیر محرم کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ڈرنے کی ضرورت ہے، شیر آگیا تو جان چلی جائے گی، لیکن اگر غیر محرم آگیا تو کئی دفعہ ایمان ہی چلا جاتا ہے، ہمیں اپنی خوب صورت معاشرتی روایات کو اسلام کی بنیاد پر فروغ دینا چاہئے، اگر فرانس میں عورتوں پر حجاب پہننے پر پابندی لگ سکتی ہے تو کیا پاکستان میں بے حجابی پر پابندی نہیں لگ سکتی؟ کیا ہم یہاں عورت کو بڑے بڑے سائن بورڈوں سے اتار کر گھر کی زینت نہیں بنا سکتے؟ آج عورت کو کچھ عرصے سے پاکستان میں انسانی حقوق کو بنیاد بنا کر عورت کے حقوق پامال ہونے کا واویلا ہورہا ہے کہ عورت پس رہی ہے، مرد نے عورت کو گھر میں قید کر کے رکھا ہوا ہے، عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق مہیا کئے جائیں، جیسے مرد کماتا ہے، ایسے عورت کو کمانے دیا جائے، نام نہاد انسانی حقوق کی آڑ میں عورت کو گھر سے نکال کر دفاتر، ریسٹورنٹ، ہوٹلز اور مختلف دکانوں پر اسٹورز پر سیلز گرلز بنادیا ہے، دوسرے الفاظ میں ایک مرد کی غلامی سے آزاد کر کے پورے معاشرے کی غلامی میں دے دیا گیا ہے، یہ ترقی کا سفر ابھی تک تھما نہیں، تو میری بہنو! گھروں کو واپس لوٹ آؤ، جتنی بھی نومسلم خواتین ہیں، ان کا کہنا یہی ہے کہ ہم پردہ کی وجہ سے ہی مسلمان ہوئیں، اسلام نے ہی عورت کو عزت دی ہے اور تو میری بہنو! اگر پردے کی بات ہو تو اکثر کہتی ہیں کہ گھر والے نہیں مانتے، رشتہ دار کیا کہیں گے تو عورت اگر کسی فرمائش پر ڈٹ جائے تو اس کو ضرور پورا کرواتی ہے تو کیا وہ حکم جو اسے اللہ نے دیا ہے، وہ پورا نہیں کرسکتی، اگر کوئی مخالفت کرے گا تو کتنی کرسکے گا، آخر ایک دن تھک کر چھوڑ دیں گے اور جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور باطل سدا دبتا ہی ہے، میری اپنی تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ جو کہیں فیشن کے پیچھے بھٹک گئی ہیں تو واپس لوٹ آؤ اور اکثر بہت سے دینی اور مذہبی گھرانے بھی ایسے ہوتے ہیں، جہاں شرعی پردہ کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تو اس پر توجہ دیں اور قرآن میں سورہ نور اور سورہ احزاب خود بھی پڑھو اور اپنی دوستو اور ساتھیوں کو بھی تلقین کرو کہ اس کو پڑھیں اور ان کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور ہمارے اکابر کا فرمان ہے کہ اپنی بیٹیوں کو سورہ نور اور سورہ احزاب کا ترجمہ اور تفسیر ضرور یاد کرانی چاہئے، اگر اللہ پاک نے مہلت دی ہے تو اس سے فائدہ اٹھا لیجئے، آج ہم توبہ کرلیں کہ ہم نے ساری زندگی اپنی عزت وناموس کی حفاظت کرنی ہے، گناہ کبیرہ سے بچ کر زندگی گزارنی ہے، پردہ داری میں زندگی گزارنی ہے، تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمارے پردے کی لاج رکھ لیں، تو جب آپ اس طرح نیک بن کر زندگی گزاریں گی تو پروردگار کی رحمتیں آپ کے ساتھ ہوں گی، فقط صورت کو سنوارنے کی بجائے اپنی سیرت کو سنوارنے کی فکر کرلیجئے، توبہ کا وقت ہے توبہ کرلیجئے۔

در جوانی توبہ کر دن شیوہ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگاری

طائر لاہوتی

شمائلہ شفیق

"عبداللہ...... بیٹا عبداللہ! اٹھ جاؤ اب، دیر ہوجائے گی تمہیں۔" امی کی آواز کانوں میں پڑتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔

"جی امی آتا ہوں، جاگ گیا ہوں۔" میں نے ہانک لگاتے ہی بستر چھوڑا اور کچن میں جھانکا۔

"اماں ناشتہ تیار ہے کہ نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بیٹا، تو منہ ہاتھ دھو کے آجا، سب کچھ تیار ہے۔" میں نے صحن میں لگے بیسن پر ہاتھ منہ دھویا اور ناشتہ کرنے کیلئے کچن میں چلا گیا، امی روٹی بنارہی تھیں۔

"امی یاد ہے نا، آج میرا انٹرویو ہے، پلیز آپ نے دعا کرنی ہے۔" میں نے ناشتے کے دوران کہا۔

"کیوں نہیں بیٹا، میں تو ہر وقت ہی تمہارے روزگار کے لئے اس رازق سے دعا کرتی ہوں۔" امی نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے جلدی سے ناشتہ کیا اور اپنے کمرے میں آکر جانے کی تیاری شروع کی۔ بائیک کی چابی اٹھائی اور صحن میں آتے ہی امی کو آواز دی۔

"امی جارہا ہوں میں، دعا کیجئے گا۔" امی اسی وقت کچن سے نکلیں اور میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیں اور میں نے بائیک گھر سے نکالی اور لنک روڈ پر ڈال دی۔ جب میں انٹرویو کیلئے مقررہ ہال میں پہنچا تو بالکل سامنے والے صوفے پر اپنے یونیورسٹی فیلو نعمان اکرم کو بیٹھے پایا، اس نے مجھے دیکھتے ہی ہاتھ ہلایا اور اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا، میں سیدھا اس کی طرف گیا اور اس کے حال چال پوچھنے اور بتانے کے بعد اس کی آج کل کی مصروفیات ڈسکس کرنے لگا، میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا کررہے ہو آج کل؟ اپنے ابو کی دکانیں سنبھال رہے ہو یا میری طرح جاب کی تلاش میں ہی پھر رہے ہو۔"

"ارے کہاں یار، ابو کی دکانوں کی آمدنی تو ان کے اپنے علاج پر ہی لگ جاتی ہے، ابو کو دل کا پرابلم بن گیا ہے۔" نعمان نے افسردگی سے جواب دیا۔

"اوہ" میں نے نعمان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کب سے ہے یہ مسئلہ؟" میں نے پوچھا۔

"تقریباً ڈیڑھ سال ہوگیا ہے۔" وہ افسردگی سے بولا، ہم دونوں تھوڑی دیر کے لئے چپ ہوگئے، میں نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی، امیدواروں کا ہجوم اب پہلے سے زیادہ تھا، صرف دو سیٹوں کے لئے 500 سے زائد

امیدوار تھے، میں دل میں ذرا ناامید اور مایوس ہوا۔

”تمہارے والد کیا کررہے ہیں آج کل، کالج میں پڑھا رہے ہیں یا ریٹائرڈ ہوگئے ہیں۔“ نعمان نے پوچھا۔

”ابا جان ریٹائرڈ ہوگئے ہیں آج کل، گاؤں گئے ہوئے ہیں، وہاں ہماری تھوڑی سی زمین ہے، جو ہمارے رشتے دار کاشت کرتے ہیں، ابا سال میں ایک بار جاکے حساب کتاب کرآتے ہیں۔“ اسی وقت نومی کا نام پکارا گیا اور وہ چلا گیا، میں سوچتا رہا کہ اتنے سارے امیدواروں میں کون خوش قسمت ہوگا، جسے یہ نوکری ملے گی، میں کوئی خدانخواستہ خدا کی رحمت سے مایوس یا پھر ناامید نہیں ہورہا تھا، بس وسوسے دل میں عجیب قسم کا خوف پیدا کرتے تھے، پہلے بھی سینکڑوں جگہ پر انٹرویو کے لئے گیا تھا، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا تھا، بس یہی خدشہ تھا کہ اس بار بھی ایسا نہ ہو، نعمان نے آتے ہی میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مجھے سوچوں سے باہر نکالا، جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔ ”اوکے عبداللہ، میں چلتا ہوں، گڈلک۔“

”اوکے، میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور وہ چلا گیا۔“ کچھ دیر میرا نام پکارا گیا، میں چلا گیا، چند ضروری سوالات کرنے کے بعد انٹرویو لینے والے نے اچانک مجھ سے پوچھا۔

”آپ یہ نوکری حاصل کرنے میں کس قدر سنجیدہ ہیں۔“

”جی“ میں حیران ہوا۔

”میں سنجیدہ ہوں تو آپ کے پاس آیا ہوں۔“ میں نے تحمل سے جواب دیا۔

”میرا مطلب نہیں سمجھے۔“ وہ رکا اور پھر بولا۔

”آپ یہ نوکری حاصل کرنے کے لئے کتنے پیسے دے سکتے ہیں۔“ اس نے غور سے میری طرف دیکھا۔

”سر، کیسی باتیں کررہے ہیں آپ۔“ میں پریشان ہوگیا تھا، یہ میرے ساتھ پہلی بار ہورہا تھا۔

”مسٹر عبداللہ، میں آپ کے بھلے کی بات کررہا ہوں، ورنہ باہر آپ دیکھ چکے ہیں، سینکڑوں کے حساب سے لوگ موجود ہیں، میں کسی سے بھی رشوت لے کے اسے نوکری دے دوں گا، آپ کے ساتھ صرف اسی لئے معاملات طے کررہا ہوں کہ آپ کی کوالی فکیشن اور گریڈ بہت اچھے ہیں۔“ وہ بولا۔

”میں تو بے جان سا ہوگیا تھا۔“

”لیکن سر، جب میرے گریڈ اچھے ہیں تو میں اس جاب کے معیار پر پورا اتر رہا ہوں تو آپ کیوں مجھے رشوت دینے کے لئے مجبور کررہے ہیں۔“ میں نے آہستہ سے کہا تھا۔

”اسی لئے مجبور کررہا ہوں کہ تم مزید خواری سے بچ جاؤ، ایک دو لاکھ مجھے دلادو اور ساری زندگی کے لئے روزگار حاصل کرلو، ورنہ پھرتے رہوگے یونہی بے کار۔“ وہ حقارت سے بولا۔ میں حیران سا اس کی طرف دیکھتا رہا، کیا بولتا، کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا۔

”ٹھیک ہے تم سوچ لو، آج کا سارا دن، رات اور کل کا سارا دن اور رات تمہارے پاس ہے، تم اچھی طرح سوچ لو، اگر سارے پیسے یکمشت نہیں دے سکتے تو بھی خیر ہے، بعد میں حساب کرلیں گے۔“ وہ بازوؤں کے بل میز پر میری طرف جھکا، مجھے کچھ جواب نہ سوجھا، دماغ ماؤف ہوگیا تھا میرا اور تمام بدن جیسے شدید تھکاوٹ کا شکار ہوگیا ہو، میں اس کی طرف دیکھتا رہا، بولا کچھ نہیں۔

”ٹھیک ہے، آپ چلے جائیں، میں پرسوں آپ کا انتظار کروں گا۔“ اس نے میرے ڈاکیومنٹس میری طرف بڑھائے، میں نے بے دلی سے فائل پکڑی اور مردہ قدموں کے ساتھ باہر آگیا۔

بائیک چلاتے ہوئے مجھے اتنے چکر آرہے تھے کہ لگتا تھا، ابھی گر جاؤں گا، گھر آیا تو ثمن میری چھوٹی بہن کالج سے آچکی تھی، امی شاید سورہی تھیں، مجھے دیکھتے ہی ثمن میری طرف آئی۔

”بھائی کھانا لاؤں۔“ وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

”نہیں، میں ذرا آرام کرلوں، بعد میں کھاؤں گا۔“ میں چابی ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور جاکر بیڈ پر گر پڑا، میرے دماغ پر ہتھوڑے برس رہے تھے، یہ ایک اسلامی ملک کا حال ہے، اسلام میں تو رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں، مگر یہاں تو اسلام نام کی کوئی شے ہے ہی نہیں۔

میں اپنے آپ پر اور اس نظام پر کڑھتا رہا، باہر شاید ابا واپس آگئے تھے گاؤں سے، ان کی آوازیں آرہی تھیں، امی بھی اٹھ کے صحن میں آگئی تھیں، ثمن کی بھی آواز آرہی تھی، لیکن میرا باہر جانے کو بالکل دل نہیں کررہا تھا، میرے اعصابوں پر اسی افسر کی باتیں سوار تھیں، میں نے نومی (نعمان) کو کال ملائی اور بولا۔

”نعمان تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“

”ہاں کرو، میں سن رہا ہوں۔“ اس کی آواز آئی۔

میں نے ساری بات اسے بتادی اور بولا۔

”اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔“

”تم ایک دو لاکھ روپیہ اسے دے دو، جو زمین تمہاری گاؤں میں ہے، اسے بیچ دو۔“ وہ بولا تھا۔

”کیا...... میرا مطلب ہے تم بھی......؟ میں نے کہا۔“

”ہاں عبداللہ، آج کل یہ ہر جگہ چل رہا ہے اور اس کے بغیر نوکری نہیں ملتی۔“ نعمان نے جواب دیا۔

”لیکن نعمان یہ تو سراسر غلط طریقہ ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں ہے تو سہی، مگر آج کل چلتا ہے، تم جب ایک بار نوکری حاصل کرلوگے ناں تو کوئی غلط کام نہ کرنا بے شک، لیکن آج کل ایسے جاب نہیں ملتیں، میں تو یہی کہوں گا کہ تو یہ موقع نہ گنوا، اس آفر سے فائدہ اٹھا، ورنہ یہ خوش قسمت چانس بھی نکل گیا ہاتھ سے تو ساری زندگی ہاتھ نہیں آئے گا اور تو رہ جائے گا بے روزگار، اور وہ افسر تو پھر بھی کسی نہ کسی سے روپیہ بٹور ہی لے گا۔“ نعمان نے کہا۔

”ہاں کہہ تو ٹھیک رہا ہے، اس کی باتیں میرے دل پر اثر کرنے لگیں۔“

”اچھا، میں کچھ سوچتا ہوں۔“ میں نے اسے خدا حافظ کہا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ مجھے لگا، نعمان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے، مجھے یہ جاب حاصل کرلینی چاہئے، بعد میں، میں کسی سے رشوت نہیں لوں گا، کوئی غلط کام نہیں کروں گا، میں پورے چار گھنٹے دل، دماغ کی جنگ لڑتا رہا، آخر کار میں نے نعمان کی بات ماننے کا فیصلہ کرلیا، دل میں کہیں تھا کہ کچھ غلط ہونے جارہا ہے، لیکن میں نے دل، دماغ اور ضمیر کو تھپک تھپک کر سلادیا تھا۔ میں باہر آیا تو چارپائی پر کافی موسمی سبزیاں اور پھل پڑے تھے، امی اور ثمن ان کی چھانٹی کررہی تھیں، میں بھی پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا، امی نے میری طرف دیکھا اور پھر اپنے کام میں مگن ہوگئیں، تھوڑی دیر بعد مجھ سے مخاطب ہوئیں۔

”کھانا کھایا بیٹا۔“

”نہیں امی بھوک نہیں ہے۔“ میں نے ہولے سے کہا۔ امی نے آج تک کبھی مجھ سے پوچھا تک نہ تھا کہ بیٹا انٹرویو کیسا رہا، کال کب آئے گی، وغیرہ۔ ایک بار میں نے امی سے شکوہ بھی کیا تھا اس بات کا تو امی بولیں۔ ”بیٹا جب تجھے روزگار مل جائے گا نا تو پہلے خود ہی دوڑتا ہوا میرے پاس آئے گا، مجھے تجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ امی ٹھیک ہی کہتی تھیں، انٹرویو تو روز ہوتے ہیں، روز ہی ایک جیسے، اب امی مجھ سے کیا پوچھیں۔

”ابا جان نظر نہیں آرہے ہیں امی؟“ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔

”وہ بیٹا امام مسجد کی طرف گئے ہیں، پھل اور سبزی دینے انہیں، تمہارا پوچھ رہے تھے، ثمن نے بتایا کہ تم آرام کررہے ہو۔“

”امی، امی میں اس وقت کچھ تھکا ہوا تھا، ابا کی آواز مجھے آتو رہی تھی کمرے میں، بس اٹھا ہی نہیں گیا مجھ سے۔“ میں کچھ دیر وہاں بیٹھا اور پھر امی سے ضروری کام

کا کہہ کر گھر سے باہر چلا آیا اور قریبی پارک کی راہ لی، وہاں ایک پرسکون گوشے میں بیٹھ کر میں مسلسل نعمان اور "سر" کی باتیں سوچتا رہا، میرے سر سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں، ابا سے بات کرنا بھی ایک مشکل مرحلہ تھا، کیوں کہ میرے ابا نے آج تک حلال طریقے سے روزی کمائی ہے اور ہمیں کھلائی ہے، میں نے بھی ہمیشہ حلال طریقے سے ہی روزی کمانے کا سوچا تھا، مگر آج اچانک ہی نعمان نے اور اس سر نے میری سوچوں کا رخ بدل دیا تھا۔

میں کافی دیر پارک میں بیٹھا رہا، شام کے دھند لکے چھانے لگے تھے اور میں مردہ قدموں کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر آیا تو امی مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر کچن میں تھیں اور ثمن ابھی دعا مانگ رہی تھی، ابا شاید ابھی مسجد سے واپس نہیں آئے تھے، آج میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی تھی، دل میں عجب سا افسوس پیدا ہوا تھا، کاش اتنی دیر پارک میں بیٹھ کر ٹائم ضائع نہ کرتا اور عصر اور مغرب کی نماز پڑھ لیتا تھا، میں برآمدے میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا، اتنی دیر میں ابا بھی آگئے، میں نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا، وہ بڑے تپاک سے ملے اور مجھ سے میرے سارا دن نظر نہ آنے کا گلہ کرنے لگے۔

"جی ابا وہ میرا انٹرویو تھا، صبح سویرے سے نکلا تھا اور پھر اڑھائی بجے واپسی ہوئی، اس کے بعد کچھ آرام کیا، آپ شاید آ کر امام صاحب کی طرف چلے گئے تھے، پھر میں ذرا کام سے چلا گیا تھا، اسی لئے آمنا سامنا نہ ہو سکا۔"

ابا مجھے گاؤں کی فصلوں اور کھیتوں کی باتیں بتانے لگے، میں بس ہوں، ہاں کرتا رہا، جی ابا جی کرتا رہا، دماغ مسلسل ایک ہی سوچ میں الجھا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد امی نے دستر خوان بچھایا اور کھانے کے لئے آواز دی، میں ابا کے پیچھے پیچھے کھانے کے لئے چلا گیا۔

کھانے کے بعد ابا مسجد چلے گئے اور مجھے بھی اذان ہوتے ہی آنے کی تاکید کرتے گئے۔

میں اور ابا اکٹھے نماز سے فراغت پا کر گھر واپس آگئے۔

امی اور ثمن شاید ابھی نماز پڑھ رہی تھیں، میں اور ابا برآمدے میں بیٹھ گئے، میں سوچ رہا تھا کہ اب ابا سے بات کیسے کروں۔ ابا نے شاید میری پریشانی بھانپ لی تھی، بولے۔

"عبداللہ بیٹا کیا بات ہے، کیا انٹرویو کی وجہ سے پریشان ہو، اچھا نہیں ہوا؟"

"ابا جان انٹرویو تو بہت اچھا ہوا اور جاب ملنے کے چانس بھی ہیں، بس ایک مسئلہ ہو گیا ہے؟" میں نے ابا کے تاثرات نوٹ کئے، وہ حیرانی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا مسئلہ ہے؟" وہ بولے۔

"ابا جی، وہ جاب تو مجھے مل جائے گی لیکن وہ...... ایک...... دو لاکھ روپیہ...... لگے گا، میں نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"اچھا وہ کیوں؟" ابا نے ذرا بے جان لہجے میں کہا۔

"ابا، آج کل یہ سب چلتا ہے، رشوت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، اس ملک میں۔" میں بولا۔

پھر میں نے ابا کو ساری بات بتا دی اور آخر میں زمین فروخت کر کے روپیہ دینے کا آئیڈیا بھی ان کے سامنے پیش کر دیا، ابا کافی دیر خاموش رہے، میں نظریں جھکائے ان کے جواب کا منتظر رہا، لیکن جب میں نے ان کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں واضح نمی تیر رہی تھی، وہ افسردہ سے بولے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اس شعر کا مطلب مجھے اچھی طرح آتا تھا، ابا جان یہ شعر مجھے مڈل (ہشتم) جماعت میں، جب میں تھا، اس وقت سے سنا رہے تھے اور میں اس کی تشریح بھی کئی بار ابا کو ان کی فرمائش پر اپنی زبانی سنا چکا تھا۔

اس کے بعد ابا نے مجھ پر ایک قہر آلود نظر ڈالی اور رشوت کے بارے میں احادیث اور قرآنی احکام مجھے بتانے لگے، میں چپ بیٹھا سنتا رہا، لیکن ابا کی آخری بات نے میرے بدن سے روح کھینچ لی، وہ بولے۔

"عبداللہ تم نے میری 26 سالہ تربیت پر پانی پھیر دیا ہے، تم نے اپنے خیالات سے مجھے دکھ پہنچایا ہے، میں اپنے پروردگار کے سامنے شرمندہ ہوں کہ میں اپنی اولاد کی صحیح اسلامی طریقے سے پرورش نہیں کر سکا۔" ان کی آواز رندھ گئی، میں ان کی یہ بات سن کر تڑپ گیا۔

"ابا جی، مجھے معاف کر دیں پلیز۔ میں بھٹک ضرور گیا تھا، مگر...... مگر میں نے کوئی غلط کام پھر بھی نہیں کیا۔" میں نے چارپائی سے اٹھ کر ابا کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا، شاید میری پلکیں نم تھیں۔

"تم نے غلط کام کا ارادہ تو کر لیا تھا نا عبداللہ۔"

ابا نے مجھے دکھی سے انداز سے دیکھا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ابا جی آپ میری......" میں نے بھی اٹھتے ہوئے ابا سے کچھ کہنا چاہا، مگر ابا نے نظر انداز کر دیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"اُف خدایا" میرے منہ سے ایک سرد آہ نکلی، میں کیا کروں......؟ کتنے عرصے سے جاب کے پیچھے مارا مارا پھر رہا ہوں، کیا کروں، کیا ساری زندگی ایسے ہی گزر جائے گی، اگر ملک میں رشوتیں لے کر جاب دی جانے لگی ہیں تو پھر میں تو ساری عمر بے روزگار ہی رہوں گا، میرے دل میں پھر سے بغاوت ابھری، مگر ابا کی باتیں یاد آتے ہی خدا پر توکل ایمان اور بھروسہ زندہ ہو گیا، خیال آیا کہ ابا کے کمرے میں جا کر ان سے معافی مانگوں، مگر پھر شرمندگی کے مارے جا ہی نہ سکا اور اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔

صبح ابا کا رویہ بالکل معمول کے مطابق تھا، مجھے نماز کے لئے جگایا اور خود مسجد چلے گئے، پھر اکٹھے واپسی ہوئی، ناشتہ بھی ساتھ کیا، اس کے بعد ابا اخبار پڑھنے لگے اور میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا، تھوڑی دیر بعد ثمن آئی۔

"بھیا ویگن ابھی تک نہیں آئی، آپ مجھے کالج چھوڑ آئیں گے۔"

"ہاں میں آ رہا ہوں۔" میں اٹھا اور چابی اٹھا کر ثمن کو کالج چھوڑنے چلا گیا، ثمن کو چھوڑ کر واپس آیا تو ابا میرا انتظار کر رہے تھے، بولے۔ "آ گئے بیٹا، ذرا مجھے امتیاز صاحب کی طرف تو چھوڑ آؤ۔" ابا کو ابھی تک بائیک کی سواری سے ڈر لگتا تھا، قریبی کالج میں پڑھاتے تھے اور انکل امتیاز کے ساتھ پیدل چلے جایا کرتے تھے، اب کچھ عرصہ ہوا، انکل امتیاز دوسری جگہ شفٹ کر گئے تھے اور اب کبھی امتیاز صاحب اور کبھی ابا ایک دوسرے کے ساتھ ملنا ملانا رکھتے تھے۔

میری وہی روٹین رہی، جہاں کسی جاب کا پتہ چلا، میں انٹرویو کے لئے چلا جاتا، وقت گزرتا رہا اور مجھے مزید ایک سال کوئی نوکری نہ ملی۔

ایک دن بس اسٹاپ پر کھڑا تھا کہ ایک کار میرے پاس آ کر رکی اور نعمان نے گردن باہر نکال کر مجھے آواز دی، میں اسے اتنی شاندار گاڑی میں دیکھ کر حیران ہوا، اس نے دروازہ کھولا اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا، میں بیٹھ گیا، پھر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، وہ مجھے ہوٹل میں لے گیا، وہاں جوس پینے کے دوران اس نے مجھ سے میری جاب کے متعلق پوچھا، میں نے اسے بتا دیا کہ ابا نے سختی سے منع کر دیا تھا رشوت دینے سے اور پھر میں خود بھی نہیں چاہتا کہ اس طرح ناجائز طریقے سے نوکری حاصل کروں۔"

نعمان مسکرانے لگا اور بولا۔ "تم جانتے ہو، یہ گاڑی

میرے پاس کیسے آئی۔“

”کیسے؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ جو جاب تم نے دو لاکھ کے عوض حاصل نہ کر سکے، میں نے چار کے عوض خریدی اور آج ٹھاٹھ سے رہ رہا ہوں۔“

”کیا میں بھونچکا رہ گیا۔“

”ہاں جی“ وہ بولا۔

”کیوں کہ میرے گریڈ اتنے ہائی فائی نہیں تھے، اس لئے مجھے چار لاکھ دینا پڑا اور شکر ہے میں نے دے دیئے اور نوکری حاصل کر لی اور آج تو بات سات آٹھ لاکھ سے اوپر ہے۔“ وہ ایک سپ لیتے ہوئے بولا۔

”میں نے صرف“ یہ تو ہے کہا۔ دل میں درد سا اٹھا تھا کہ مجھ جیسے قابل بندے کو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور نومی...... خیر اس نے بھی ناجائز طریقے سے جاب حاصل کی ہے ناں۔“ ہم نے جوس پیا اور تھوڑی دیر بعد نعمان نے مجھے گھر ڈراپ کر دیا۔

”بیٹا امتیاز صاحب چاہ رہے ہیں کہ تم ان کے کالج میں پڑھاؤ۔“ ایک رات ابا نے کھانے کے بعد مجھ سے کہا۔

”میں“ حیران ہوتے ہوئے بولا۔

”ہاں بیٹا وہ تو مجھے کہہ رہے تھے کہ تم پرنسپل کی سیٹ سنبھالو، وہ لوگ اسلام آباد شفٹ ہو رہے ہیں، ان کے دونوں بیٹے وہاں جاب کرتے ہیں، ایک، دو ماہ بعد آ کر چکر لگا لیا کریں گے۔“

”جی“ میں خوشی سے کھل اٹھا۔

”وہ مجھے کہہ رہے تھے کہ یہ ذمہ داری آپ سنبھالیں، مگر میں نے جب انکار کیا تو بولے، تمہارے بھروسے کا کوئی دوسرا آدمی ہے تو اسے رکھ لیتے ہیں۔“ میں نے تمہارا بتایا اور کہا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو عبداللہ کو رکھ لو، ورنہ میں کسی اور سے بات کرتا ہوں۔“

”پھر“ میں نے تجسس سے پوچھا۔

”پھر وہ بہت حیران ہوئے کہ عبداللہ ابھی تک بے روزگار ہے۔“ وہ ذرا رک کے پھر بولے۔

”بس انہوں نے کہا ہے کہ صبح ہی آ کے مجھ سے ملے۔“

”جی ابا میں ضرور چلا جاؤں گا۔“

صبح ہوتے ہی میں نے جانے کی تیاری پکڑی، ناشتہ کیا اور ابا اماں اور بہن کی دعائیں لے کر رخصت ہوا، امتیاز صاحب میرا ہی انتظار کر رہے تھے، بڑی گرمجوشی سے مجھ سے ملے اور مجھے کالج کا سارا کام، انتظام سمجھایا اور کہنے لگے۔ ”میں ابھی پندرہ دن ادھر ہی ہوں، تم آج سے اپنے فرائض سنبھالو، کوئی مشکل آئے تو مجھ سے مدد لینا۔“

”جی“ میں نے انکساری سے جواب دیا۔

پندرہ دن پر لگا کر اڑ گئے اور انکل امتیاز مجھ پر مکمل اطمینان اور بھروسہ کرتے ہوئے اسلام آباد شفٹ ہو گئے، وہاں جا کر وہ اپنے کالج کو اور مجھے نہیں بھولے، انہوں نے مسلسل رابطہ رکھا اور میرے کام کو سراہا، یہ کالج بنیادی طور پر کمپیوٹر کی تعلیم دینے کے لئے کھولا گیا تھا، لیکن اس میں ساتھ ساتھ دوسرے چھوٹے ڈپلومہ جات بھی کروائے جانے لگے تھے، اسٹاف بھی کافی محنتی تھا، میں اللہ کا جتنا شکر ادا کرتا، کم تھا، مجھے اپنی رشوت دے کر جاب حاصل نہ کرنے کا بھی بہت اطمینان رہا تھا۔

کالج میں طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اسٹاف کے لئے اخبار میں اشتہار دیا تھا، کافی امیدوار آئے تھے، ہم نے سب کے انٹرویوز کئے اور ان کے ڈاکیومنٹس بھی دیکھے، سب کو ہی ہم نے ایک دو دن میں جواب دینے کو کہا، کیونکہ ابھی میں نے اور اسٹاف نے تھوڑا مشورہ کرنا تھا، تقریباً 12 بجے تک انٹرویو کا کام مکمل ہو چکا تھا اور اسٹاف اپنی کلاسز میں جا چکا تھا، انٹر کام پر مجھے اطلاع دی گئی کہ ”ایک امیدوار آئے ہیں انٹرویو کے لئے، ان کو بتایا بھی ہے کہ ٹائم ختم ہو چکا ہے، مگر وہ آپ سے ملنے کے لئے بضد ہیں۔“ میں نے انہیں اندر آنے

کا کہا اور انٹر کام رکھ دیا۔

چند ساعت بعد میرے سامنے جو شخص کھڑا تھا، اسے پہچاننے میں مجھے بالکل دیر نہیں لگی، وہ نعمان تھا، مگر پہلے والا نہیں، بہت بدلا ہوا اور پریشان حال، میں نے اسے فوراً ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اسے پانی دیا، اس نے پانی پیا اور مجھ سے یہاں تک کا سفر یعنی پرنسپل بننے کی کہانی پوچھنے لگا، میں نے اسے ساری بات بتائی اور پھر اس کے یہاں آنے کی وجہ اور اس کے اس حال تک پہنچنے کی کہانی پوچھی، اس نے بتایا کہ میں نے ابا کی دو دکانیں بیچ کے وہ شاندار نوکری حاصل کی تھی، بڑے ٹھاٹھ سے رہا، چند ماہ تو ایسے لگا جیسے بادشاہ بن گیا ہوں، دولت کی ریل پیل ہو گئی، مگر نوکری ناجائز طریقے سے حاصل کی تھی نا، جب عمارت کی بنیاد ہی غلط ہو تو تکمیل کیا ہو گی۔“ وہ رکا اور میری طرف دیکھا اور میں پہلے ہی بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ پھر بولا۔

”ابا کی بیماری بڑھ گئی، میری ساری تنخواہ اور دکانوں کا کرایہ ابا کی بیماری پر لگ گیا، مگر وہ نہ بچ سکے۔“ نعمان کی آنکھوں میں سے دو موٹے موٹے آنسو گرے، میں نے اس کے کندھے پر اپنا بازو پھیلا دیا، وہ پھر گویا ہوا۔ ”پھر بہن کی شادی کی، مگر اس کا بھی گھر نہ بس سکا، اماں بیمار ہو گئیں، سارا پیسہ ان پر لگنے لگا، بس جب سے وہ نوکری مجھے ملی تھی، گھر سے برکت اور سکون، رحمت رخصت ہی ہو گئے تھے، پھر اماں بھی چھوڑ گئیں مجھے۔“ اماں کے جانے کے بعد تو میں اور میری زندگی بحرانوں سے دوچار ہوتی گئی، جس افسر کو روپیہ دے کر نوکری حاصل کی تھی، اس پر فراڈ کا الزام لگا تو اس نے مجھے بھی ساتھ ہی گھسیٹا، حالانکہ خدا گواہ ہے میں نے کبھی بھی کوئی فراڈ کسی کے ساتھ نہیں کیا، مگر اس چالباز شخص نے سارا الزام مجھ پر دھرا اور میری سروس ختم کروا دی، مجھے دو سال جیل میں بھی گزارنا پڑے اور میری نیک نامی پر بھی دھبہ لگ گیا، اس سے تو اچھا تھا کہ میں ابا کی ان ہی چار دکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی پر گزارہ کرتا اور غلط راہ اختیار نہ کرتا، اللہ کے دیئے ہوئے احکام سامنے رکھتا اور رشوت دے کر نوکری حاصل نہ کرتا، تم اچھے رہ گئے ہو عبداللہ۔“

”ہاں شکر ہے اللہ کا۔“ میں نے کہا۔

پھر اس نے مجھے نوکری کے لئے کہا کہ میرے کالج میں اس کے لئے کوئی جگہ ہے تو میں نے اسے نوکری دے دوں۔“ میں نے اسے حوصلہ دیا اور کہا کہ ”باقی اسٹاف کے ساتھ مشورہ کر کے تمہیں بتاؤں گا۔“ وہ چلا گیا اور میرا دل چاہا کہ میں ابھی خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر اس کی نعمتوں کا شکر بجا لاؤں، جس نے میری زندگی میں رحمت اور روزی میں برکت عطا کی ہوئی ہے، آج میری بہن ثمن اپنے گھر میں خوش، خرم آباد ہے اور میرے ابا اماں بھی اللہ کے حکم سے ٹھیک ہیں۔“ یہ سوچتے ہوئے میری پلکیں نم ہو گئیں اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جس نے میری نیک نامی اور ایمان سلامت رکھا اور مجھے گناہوں کی دلدل سے بچایا، بے شک خدا رازق ہے اور سب کو رزق دینے والا ہے، کسی کو جلدی اور کسی کو دیر سے۔ ”صرف وہی ہے جو دے سکتا ہے، صرف وہی۔“ میں نے باہر آ کر آسمان کی طرف دیکھا اور وہیں گھاس پر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔

اگلے دن تمام اسٹاف سے مشورہ کر کے میں نے نعمان کو اپنے کالج میں جاب دے دی، آج وہ بالکل میری طرح سوچتا ہے اور کہتا ہے۔ ”شکر ہے خدا نے مجھ سے وہ نوکری چھین لی، اگر نہ چھینتا تو میں ساری زندگی اس سے اپنے پروردگار سے، اس کی رحمت اور برکت سے محروم رہتا۔“

آج وہ میرے ساتھ کالج میں ہے اور اپنے رب کی رضا پر راضی ہے اور رشوت کے ممنوع اسلامی قانون پر سختی سے پابند ہے، اللہ سب مسلمانوں کو رشوت کی نعمت سے بچائے۔ آمین

☆......☆......☆

آپ کے مسائل کا حل



قارئین کرام سے گزارش ہے کہ صرف ایسے علمی اور معاشرتی سوال ارسال کریں جن کا تعلق عام زندگی سے ہو۔

☆......ذاتی نوعیت کے سوالات، شرم وحیا کے متعلق مسائل اور اختلافی مسائل بھیجنے سے گریز کریں، ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

☆......سوال مختصر اور جامع ہو، غیر ضروری طوالت سے اجتناب کریں۔

☆......تحریری صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆......لفافے پر "آپ کے مسائل کا حل" لکھنا نہ بھولیں۔

قربانی نہ کرنے پر وعید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص استطاعت رکھنے (صاحب نصاب ہونے) کے باوجود قربانی نہیں کرتا، وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔" (مسند احمد، ابن ماجہ)

☆......☆......☆

قربانی اور روشن خیالوں کے تاریخ خیالات

سوال:...... ہمارے علاقے کے ایک جدید تعلیم یافتہ صاحب نے نیا فتنہ شروع کر رکھا ہے کہ جانور کی قربانی صرف حاجی حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں کر سکتا ہے، اس کے علاوہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، ہر سال مسلمان عیدالاضحیٰ کے موقع پر فریضۂ حج کی ادائیگی کے بغیر جو دنیا کے مختلف حصوں میں قربانی کرتے ہیں، اس کا کوئی جواز نہیں، بلکہ یہ بدعت ہے۔

اس کے اس پروپیگنڈہ نے کئی ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ نیز بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مسلمان ایام عید میں لاکھوں جانوروں کا خون بہا کر اربوں روپے کا نقصان کرتے ہیں، اس کی بجائے اگر یہی روپے نادار افراد پر صرف کیے جائیں، مساجد وغیرہ کی تعمیر پر یا رفاہ عامہ کے کاموں میں لگا دیئے جائیں تو پوری امت کا کتنا نفع ہو؟ ان حالات میں آپ مفصل فتویٰ صادر فرمائیں کہ:

(۱)......قربانی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲)......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے علاوہ بھی کبھی قربانی کی ہے؟

(۳)......صحابۂ کرام، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا قربانی کے سلسلے میں کیا معمول رہا ہے؟

(۴)......کیا صدقہ وخیرات قربانی کے قائم مقام ہو سکتا ہے؟

(ابو احسان کوثر نیازی، رحیم یار خان)

جواب:...... اس دور کے فتنوں میں سے ایک بہت بڑا فتنہ یہ ہے کہ مغرب سے مرعوب بلکہ ذہنی غلامی کا شکار ایک طبقہ، دین اسلام کے یقینی طور پر ثابت شدہ احکام وشعائر کو مسلمانوں کی مادی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ سمجھ کر ان میں قطع و برید اور رد و بدل کے درپے رہتا ہے اور جہاں اس سے بھی کام بنتا نہیں دیکھتا تو سرے سے انکار کر بیٹھتا ہے، یوں خیر خواہی کے پردوں میں الحاد کا بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے اور جاہل عوام احکام اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

ایسے حالات میں عوام پر لازم ہے کہ وہ دینی مسائل میں جدید تعلیم یافتہ مغرب زدہ طبقہ جو دین کی مبادیات سے بھی جاہل ہے، کی بے سروپا باتوں پر کان دھرنے کی بجائے مستند علماء سے مضبوط تعلق قائم کریں اور احکام اسلام کے بارے میں ان سے رہنمائی حاصل کریں کہ یہ انہی کا منصب ہے۔

ایک مسلمان کا مطمح نظر بہرکیف احکام الٰہیہ کی بجا آوری ہے، خواہ کسی حکم کی علت اس کی عقل میں آئے یا نہ آئے، بس اتنا کافی ہے کہ وہ حکم اور عمل قابل قبول دلیل سے ثابت ہو۔

قربانی ایک مستقل واجب عبادت بلکہ شعائر اسلام میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال قربانی فرمائی، حضرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین و اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ غرض پوری امت کا متوارث و مسلسل عمل بھی قربانی کرنے کا ہے، آج تک کسی نے نہ اسے حج اور مکہ معظمہ کے ساتھ خاص سمجھا ہے اور نہ صدقہ وخیرات کو اس کے قائم مقام سمجھا ہے۔ قربانی کے بارے میں جتنی آیات و احادیث ہیں وہ سب جانوروں کا خون بہانے سے متعلق ہیں، نہ کہ صدقہ وخیرات سے متعلق۔ نیز ان میں حج اور مکہ معظمہ کی کوئی تخصیص نہیں، بطور نمونہ چند آیات و احادیث ملاحظہ ہوں۔

ترجمہ:......"ہم نے (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے) ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے تھے۔"

(سورۂ حج، آیت:۳۴)

امام ابن کثیر و امام رازی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں تصریح فرمائی ہے کہ خون بہا کر جانوروں کی قربانی کا دستور شروع دن سے ہی تمام ادیان و مذاہب میں چلا آ رہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۷: ج ۳، تفسیر کبیر ص ۳۴، ج ۳)

ترجمہ:......"ہم نے ہر امت کے لئے ذبح کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔"

(سورۂ حج، آیت:۶۷)

ترجمہ:......"سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور (اسی کے نام کی) قربانی کیجئے۔"

(سورۂ کوثر، آیت:۲)

ترجمہ:......"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہیں کرتا، وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔"

(ابن ماجہ، ص:۲۲۶)

ترجمہ:......"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اس عرصۂ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے رہے۔"

(ترمذی:۱/۱۸۲)

ان آیات و احادیث سے مندرجہ ذیل امور

ثابت ہوئے:

(۱)......صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے اور استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا، حتیٰ کہ اس کا عیدگاہ کے قریب آنا بھی پسند نہ فرمایا۔

(۲)......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے ۱۰ سال میں ہر سال قربانی فرمائی، حالانکہ حج آپ نے صرف آخری سال فرمایا۔ معلوم ہوا کہ قربانی نہ حج کے ساتھ خاص ہے اور نہ مکہ معظمہ کے ساتھ، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ۹ سال قربانی کیوں فرماتے؟

(۳)......قربانی سے مقصد محض ناداروں کی مدد نہیں جو صدقہ وخیرات سے پورا ہوجائے، بلکہ قربانی میں مقصود جانور کا خون بہانا ہے، یہ عبادت اسی خاص طریقہ سے ادا ہوگی، محض صدقہ وخیرات کرنے سے نہ عبادت ادا ہوگی، نہ اس کے مطلوبہ فوائد وثمرات حاصل ہوں گے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں غربت وافلاس دورِ حاضر کی نسبت زیادہ تھا، اگر جانور ذبح کرنا مستقل عبادت نہ ہوتی تو وہ حضرات جانور ذبح کرنے کی بجائے ناداروں کے لئے چندہ جمع کرتے یا اتنی رقم رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف فرماتے۔

قربانی کی بجائے صدقہ وخیرات کا مشورہ ایسا ہے جیسے کوئی نادان یہ مشورہ دے کہ آج سے نماز، روزہ کی بجائے اتنا صدقہ کردیا جائے، ظاہر ہے کہ اس سے نماز، روزہ کی عبادت ادا نہ ہوگی، اسی طرح صدقہ وخیرات سے قربانی کی مستقل عبادت بھی ادا نہ ہوگی۔

درحقیقت قربانی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عظیم الشان عمل کی یادگار ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دیا تھا اور ہونہار فرزند حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلا چوں چرا حکم الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرکے ذبح ہونے کے لئے اپنی گردن پیش کردی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرما کر دنبے کو فدیہ بنادیا تھا، اس پر ذبح کرکے ہی عمل ہوسکتا ہے۔ محض صدقہ وخیرات سے اس عمل کی یاد تازہ نہیں ہوسکتی۔

نیز حافظ ابن کثیر وامام رازی رحمہا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عطاء، حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن بصری، حضرت قتادہ، حضرت محمد بن کعب قرظی، حضرت ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا قول نقل کیا ہے کہ مشرکین عرب غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے رب کے نام پر جانور ذبح کریں۔ (تفسیر ابن کثیر: ص ۵۴۴، ج ۴)

اس بناء پر جانور ذبح کرکے ہی اس حکم الٰہی کو پورا کیا جاسکتا ہے، صدقہ وخیرات اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ ملحدین کی تحریف سے دین کی حفاظت فرمائیں اور مسلمانوں کو مستند علمائے کرام سے دین حق کی رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

واللہ العاصم من جمیع الفتن وھو الموفق لما یحب ویرضی.

☆......☆......☆

شرط وجوب قربانی

قربانی چھ شرطوں سے واجب ہوتی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......مسلمان ہونا، غیر مسلم پر قربانی نہیں۔

(۲)......مقیم ہونا، مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

(۳)......آزاد ہونا، غلام پر قربانی واجب نہیں۔

(۴)......بالغ ہونا، مجنون پر قربانی واجب نہیں۔ ہاں! اگر قربانی کے ایام میں مجنون کو افاقہ ہو تو قربانی واجب ہے۔

(۶)......تونگری یعنی صاحب نصاب ہونا، مسکین پر قربانی نہیں۔

☆......☆......☆

خوابوں کی تعبیر

مولانا عبداللہ صفدر



قاریات سے گزارش ہے کہ "خوابوں کی تعبیر" کے لئے خط بھیجتے وقت چند باتوں کا خیال ضرور رکھیں۔

☆......تحریر صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔ ☆......ایک صفحہ پر ایک خواب تحریر کریں۔ ☆......تحریر صاف اور واضح ہو۔

☆......لفافہ پر "خوابوں کی تعبیر" ضرور لکھیں۔ اپنے خواب ماہنامہ حیا کے ای میل ایڈریس Hya.diegest@gmail.com پر بھی ارسال کرسکتے ہیں۔

نوٹ: جن خوابوں کی تعبیر کی اشاعت شمارے میں مناسب نہ ہوگی ان کو تحریری جواب بھیج دیا جائے گا۔ جوابی لفافہ لازمی اپنے خواب نامہ میں رکھیں

عرصے سے خواہش تھی کہ حیا میں خوابوں کی تعبیر معلوم کرنے کا کوئی سلسلہ شروع ہو، جس میں ہم اپنے خواب کی تعبیر معلوم کرسکیں، جب خوابوں کی تعبیر کا اشتہار پڑھا تو بے ساختہ ادارہ "حیا" کے لئے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلیں، آپ کا اور منتظمین "حیا" کا بے حد شکریہ، جنہوں نے یہ سلسلہ نکال کر ہم تمام بہنوں کی مشکل آسان کردی۔ اللہ آپ سب کو اس کا اچھا بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

خواب:......میں نے خواب دیکھا کہ رات کا وقت ہے، چودھویں کا چاند پورے آب وتاب سے عالم کو منور کررہا ہے۔ میں صحن میں بیٹھی ہوں۔ اچانک دیکھتی ہوں کہ چاند دو ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ ایک ٹکڑا وہیں کھڑا ہوتا ہے اور ایک ٹکڑا زمین پر گرتا ہے۔ اس کے گرتے ہی تیز روشنی سی پھیل جاتی ہے، چاند کا وہ ٹکڑا کئی ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے، جہاں وہ چاند کا ٹکڑا گرتا ہے، وہاں انتہائی خوبصورت ہرا بھرا کھلا سا لان روشنی میں نہایا ہوا ہے، لان میں چھوٹے چھوٹے سے بچے ان ٹکڑوں سے کھیل رہے ہوتے ہیں، میں دیکھتی ہوں کہ ہماری کلاس ٹیچر بھاگی ہوئی آتی ہیں اور

ہم سے پوچھتی ہیں کہ آپ نے چاند کو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے، تو سب گھر والے کہتے ہیں کہ نہیں، ہم نے تو نہیں دیکھا، تو میں جلدی سے کہتی ہوں، ہاں میں نے دیکھا ہے، وہ منظر غائب ہو چکا ہوتا ہے، پھر میں جاگ جاتی ہوں، مجھے اس خواب کی تعبیر بتائیں۔

(بنت اسلام، میانوالی)

تعبیر:......آپ کے خواب میں کچھ مبارک اشارے ہیں، اس خواب سے صاحب خواب کا نیک خصلت ہونا محسوس ہوتا ہے، نیز اللہ پاک آپ کو اور آپ کی اولاد کے ایک حصے کو دین اسلام کی سربلندی اور اصلاح احوال کے لئے قبول کرے گا، کسی ایک کو آپ کی اولادوں میں سے علوم شریعہ کے پھیلانے کا سبب بنایا جائے گا۔ واللہ علیم

☆......☆......☆

خواب:......میں نے دیکھا کہ میرے ماموں کا بیٹا (جس کا انتقال ہو چکا ہے) ایک گھر جو پہلے کبھی نہیں دیکھا، وہاں آیا ہے اور وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنے بھائی اور شوہر سے کہوں کہ فلمیں نہ دیکھا کریں۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا جاتا ہے، مگر دروازے سے نہیں جاتا، ایسی جگہ سے جاتا ہے جہاں آگے دیوار بند ہے، میں کہتی ہوں تم یہاں سے کیسے جا رہے ہو تو وہ کہتا ہے، ہم چلے جاتے ہیں۔

(نامعلوم، مسلم آباد، کراچی)

تعبیر:......احادیث سے ثابت ہے کہ ہم مسلمانوں کا یہ حق عقیدہ ہے کہ جو انسان مر جاتا ہے وہ یا تو علیین میں ہوتا ہے یا سجین کے مقام پر اور وہاں ان کو دوسرے آنے والے وفات شدہ حضرات سے اپنے زندہ حضرات کے اجمالی حالات معلوم ہوتے ہیں، نیند کی حالت میں بھی روح کا تعلق عالم ناسوت کے ساتھ ساتھ عالم ملکوت سے بھی متعلق ہو جاتا ہے، کشفی حالت میں وفات سے شدہ سے حقیقت پر مبنی مکالمہ ہونا نہ صرف ممکن ہے بلکہ ثابت اور مشہور بھی ہے، وفات شدہ انسان پر حق کھل جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، فرشتوں ہی میں سے کوئی متشکل ہو کر نصیحت کرتا ہے، بہر حال خواب میں ایک اشارہ ہے، اس اشارہ کو قبول کریں، زندگی موت کا بھروسہ نہیں، اگر معصیت کی حالت میں موت واقع ہوئی تو خدانخواستہ یہ بڑے خطرے کی بات ہے، توبہ کا اہتمام رکھیں۔ واللہ علم

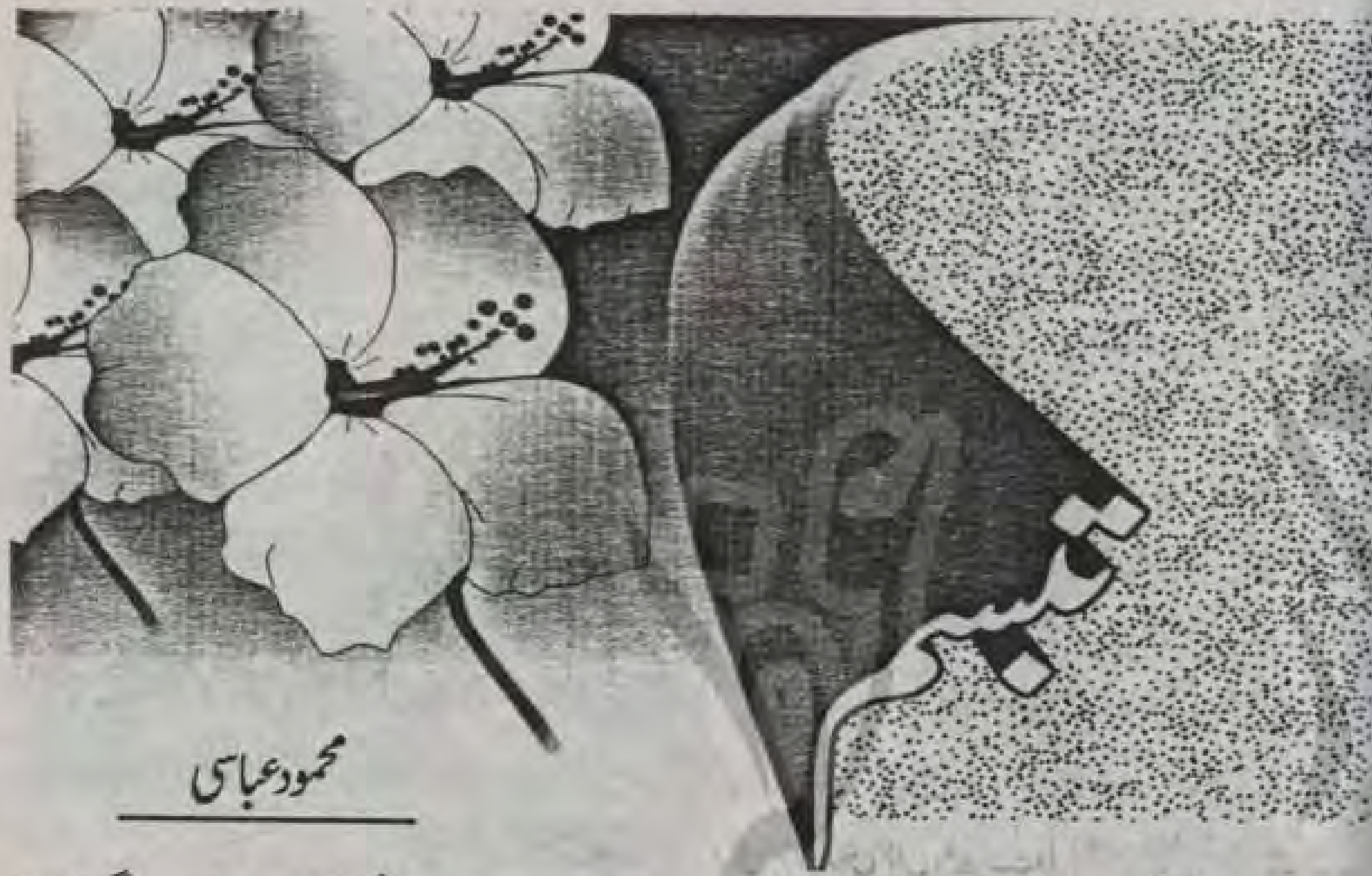
☆......☆......☆

خواب:......حضرت مولانا صاحب میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہماری ایک رشتہ دار جو کہ ملتان میں رہتی ہیں، وہ میرے ابو کو فون کرتی ہیں، جس وقت وہ فون کرتی ہیں، اس وقت میں امی اور ابو اکٹھے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، امی نے قرآن پاک کھولا ہوا ہے اور سورۃ الضحیٰ پڑھ رہی ہیں، میرے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ سورۃ تو کسی گمشدہ چیز کے لئے پڑھی جاتی ہے اور اس رشتہ دار عورت سے فون پر بات کرتے ہوئے ابو بہت پریشان نظر آرہے ہوتے ہیں، پھر فون امی کو دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ بات عائشہ کو نہ بتائیں، یعنی مجھے اور پھر امی فون پر بات کرتے ہوئے ویسے ہی پریشان ہو جاتی ہیں جیسے ابو ہوئے تھے، اس رشتہ دار عورت سے فون پر بات کرنے کے بعد امی مجھے بتاتی ہیں کہ وہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری جو انگوٹھی گم ہو گئی تھی، وہ تمہارے خاوند نے اٹھائی ہے، پھر میں سوچتی ہوں، انہوں نے تو گھر جاتے وقت دریا میں پھینک دی ہوگی، پھر اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ (اور حضرت مولانا صاحب، میری اس انگوٹھی کو گم ہوئے تقریباً چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔)

(عائشہ فاطمہ، تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازی خان)

جواب: محترمہ آپ اپنی گھریلو زندگی میں پر اعتماد رہیں، شوہر پر اعتماد کامیاب ازدواجی زندگی کا ضامن ہے۔ لوگوں کے حسد سے پناہ مانگیں، اشارہ ہے کہ اللہ آپ کے اس نقصان کا مداوا فرمائیں گے۔ واللہ اعلم

☆......☆......☆



محمود عباسی

ایک دیہاتی کسی خلیفہ کے دسترخوان پر آیا، اس کے سامنے بکرے کا بھنا ہوا گوشت رکھا گیا، دیہاتی بہت تیزی سے کھانے لگا، یہ دیکھ کر خلیفہ نے کہا۔

"میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس طرح غصے سے کھا رہے ہیں جیسے بکرے کی ماں نے آپ کو سینگ مارا ہو۔

اس پر دیہاتی بولا:

اور میں آپ کو دیکھ رہا ہوں، آپ اتنے پیار سے کھلا رہے ہیں جیسے بکرے کی ماں نے آپ کو دودھ پلایا ہو۔

(ساجدہ یوسف، سرگودھا)

☆......☆......☆

لڑکی کے باپ نے شادی کے امیدوار سے پوچھا:

"کیا تمہاری مالی حیثیت ایسی ہے کہ ایک نئے خاندان کا بوجھ برداشت کر سکو؟"

نوجوان نے جواب دیا:

"جی ہاں میں گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر ہوں، چھٹی بھی کرلوں تو تنخواہ نہیں کٹتی ہے۔"

لڑکی کے باپ نے کہا:

"اچھی طرح سوچ لو تمہاری دلہن کو شامل کر کے ہمارے خاندان میں پانچ افراد ہیں جو تمہارے گھر آنے کے بعد وہاں سے چھٹی نہیں کریں گے۔

(صائمہ ارم، روات)

☆......☆......☆

اکرم اپنی بیوی کو بات بے بات تنگ کرتا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ ذرا ذرا سی چیز کے لئے اسے زچ کر کے رکھ دے۔

خاص طور پر اسے ناشتہ کروانا اس کی بیوی کے لئے ایک بڑا مرحلہ ہوتا تھا، اگر وہ ناشتے میں آملیٹ بناتی تو اکرم کہتا کہ مجھے ہاف فرائی انڈا کھانا ہے، اگر کسی دن وہ ہاف فرائی بنا رکھتی تو اکرم کا دل آملیٹ کھانے کو کرنے لگتا۔

روز کی چیخ چیخ سے چھٹکارا پانے کے لئے ایک دن اس کی بیوی نے ناشتے میں دو انڈے بنائے۔ ایک آملیٹ دوسرا ہاف فرائی جنہیں دیکھ کر پہلے تو اکرم بھونچکا رہ گیا، پھر بگڑ کر کہنے لگا۔

"دیکھا کر دیا نا ستیاناس، جس انڈے کا آملیٹ بنانا تھا اسے فرائی کر ڈالا اور جسے فرائی کرنا تھا اس کا آملیٹ بنا دیا، تم ہو ہی پھوہڑ عورت۔"

(عطوفت راحیل، لاہور)

اگر شوہر بیگم کے لئے کار کا دروازہ کھولے تو سمجھ لیں کہ دو ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔

یا تو کار نئی ہے یا بیگم......

☆......☆......☆

ایک دوست دوسرے سے: یار! میری زندگی جنت بن سکتی ہے، اگر میرے پاس گاڑی جرمن کی ہو، سیلری امریکہ کی ہو، کھانا چائنیز ہو اور بیگم پاکستانی ہو۔

دوسرا دوست: ہاں یار! تمہاری زندگی جہنم بھی بن سکتی ہے، اگر گاڑی چائنا کی مل جائے، کھانا جرمن کا، سیلری پاکستان کی اور بیگم امریکہ کی مل جائے۔

(خدیجہ رشیدی، کمالیہ)

شوہر: (غصے سے) میز پر جو گرد و غبار تھا وہ کہاں گیا؟

بیوی: (فخر سے) صبح میں نے میز کی صفائی جو کی تھی۔

شوہر: حد ہو گئی، میں نے اس پر ایک اہم ٹیلی فون نمبر لکھ رکھا تھا۔

☆......☆......☆

ماں اپنے بیٹے سے: جھوٹ مت بولا کرو، جھوٹ بولنے والے کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔

بیٹا: تو امی سچ سچ بتایئے:

آپ نے بسکٹ کا پیکٹ کہاں پر چھپا رکھا ہے؟

☆......☆......☆

ایک راہگیر نے درخت سے الٹے لٹکے ہوئے ایک شخص سے پوچھا:

الٹے کیوں لٹکے ہوئے ہو؟ اس نے جواب دیا، سر درد کی گولی کھائی ہے، کہیں وہ پیٹ میں نہ چلی جائے۔

☆......☆......☆

ایک طالب علم: یار آج کوئی خطرناک کام کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔

دوسرا طالب علم: چلو تو پھر آؤ تھوڑا سا پڑھ لیتے ہیں۔

☆......☆......☆

ایک شخص: میں شام کا وزیر اعظم ہوں۔

دوسرا شخص: میں صبح کا صدر ہوں۔

☆......☆......☆

ایک سہیلی: میں نے اپنے شوہر کے دانتوں سے ناخن کاٹنے کی عادت چھڑا دی ہے۔

دوسری سہیلی: وہ کیسے؟

میں نے ان کے دانت چھپا دیئے ہیں۔

(آمنہ بنت طفیل، کراچی)

☆......☆......☆

ایک شیخ پیٹرول پمپ والے سے: بھائی ایک روپے کا پیٹرول ڈال دو۔

سیل مین: اتنا پیٹرول ڈلوا کر جانا کہاں ہے؟

شیخ: جانا کتے وی نئی اینوی پیسے اڑان دی عادت آ۔

☆......☆......☆

ایک سردار انگور بیچ رہا تھا، مگر کہہ رہا تھا، آلو لے لو، آلو لے لو۔

ایک آدمی نے کہا: جی یہ تو انگور ہیں۔

سردار آہستہ آواز میں: چپ ہو جاؤ، اب بولنا ناں، ورنہ مکھیاں آ جائیں گی۔

☆......☆......☆

ایک سردار صبح سویرے اپنی بھینس کو نہلا رہا تھا۔

قریب سے ایک انگریز گزرا اور بولا: گڈ مارننگ۔

سردار فوراً بولا: لنگ جا لنگ جانی مار دی۔

☆......☆......☆

ایک سردار پیراشوٹ بیچ رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے۔

جہاز سے کود و بٹن دباؤ اور زمین پر حفاظت سے اتر جاؤ۔

کسٹمر: اگر پیراشوٹ نہ کھلے۔

سردار: تو پیسہ واپس۔

(سعدیہ بلاول، بہاولپور)

☆......☆......☆



ناموس رسالت

شمع رسالت کے پروانو
قرآن تم کو بلا رہا ہے
کہاں چھپے ہو نکلتے آؤ
ہیں کافروں کے اب یہ طریقے
ہمارے آقا کی ناموس پر وہ
تمہاری غیرت کو ناپتے ہیں
میرے نبی کا یہ احسان دیکھو
نمازوں کی لذت بھی بتلا گئے ہیں
انہی کی بدولت یہ فرما گئے ہیں
عزیز سب سے مجھ کو ہی کرلو
کھائے تھے جس نے آج ان کی عزت
کہاں رکے ہو مچلتے آؤ
وہ رو رو کے سجدوں میں جس کے لئے
قبولیت کی ساعتوں میں
وہ درد سہ سہ کے تمہاری خاطر
میرے بعد امت کا کیا بنے گا؟
حدیث تم کو پکارتی ہے
کہاں چھپے ہو نکلتے آؤ
حدیث تم کو پکارتی ہے
کہاں رُکے ہو مچلتے آؤ
غیرت کو تیری وہ للکارتے ہیں
بے ادبی کے نشتر چلا رہے ہیں
ایمانی جرأت کو دیکھتے ہیں
قرآنی حلاوت بھی پہنچا گئے ہیں
مساجد، مکاتب، مدارس یہ سارے
اے دعویٰ کامل ایمان والو
طائف کے پتھر امت کی خاطر
پہ حرف آ رہا ہے
کہاں رکے ہو نکلتے آؤ
دعائیں شفاعت کی مانگتے تھے
امت کو اپنی بخشوا رہے تھے
اللہ سے یہ ہی وہ فرما رہے تھے
قرآن تم کو بلا رہا ہے
کہاں رکے ہو مچلتے آؤ

(انتخاب:......اخت عبداللہ، بورے والا)

☆......☆......☆

11 ستمبر 2012ء کے واقعہ پر لکھی گئی نظم

نہ جانے کس کی نظر لگی ہے وطن ہمارا لہولہو ہے — ہے ہر طرف رنج وغم کی بارش ہر اک نظارا لہولہو ہے
جوان بیٹوں کی میتوں پر ضعیف مائیں بلک رہی ہیں — ہزاروں انساں ہیں بے سہارا ہر اک سہارا لہولہو ہے
ہے شہر قائد پہ خوف طاری ہر ایک گھر میں ہے آہ وزاری — کراچی سے خیبر تک ہر ایک نظارا لہولہو ہے
وطن کو بدنام کررہے ہیں وطن کے دشمن وطن کے قاتل — درندگی ہو چکی ہے ہر ایک نظارہ لہو لہو ہے
ظہور مہدی کا ہو خدایا کہ اور کوئی نہیں ہے چارہ — ہے پارہ پارہ فگار وزخمی ہر ایک نظارہ لہولہو ہے

☆......☆......☆

ہے مدینے کی دل میں اگر جستجو — معتبر ہے سفر معتبر جستجو
مجھ کو بھی خاکِ پا ان کی مطلوب ہے — جن کی کرتے ہیں شمس و قمر جستجو
گم دیارِ نبیؐ کے تصور میں ہوں — کررہی ہے مسلسل سفر جستجو
مفلسی بے بسی بے کسی کب تلک — ڈھونڈی جینے کی آقا مگر جستجو
ہے طلب گر مجھے ذاتِ سرکار سے — ختم ہوتی نہیں عمر بھر جستجو
چھوڑ دی میں نے دنیا کی ہر جستجو — ہے درِ مصطفیٰؐ کی مگر جستجو
ہے طلب گر تجھے ذاتِ سرکار سے — چھوڑ دو پھر دنیا کی تم جستجو

(انتخاب:......شیرین گل، پشاور)

☆......☆......☆

جو سوئے ہوئے ہیں اٹھیں گے ضرور — ادا فرض و سنت کریں گے ضرور
پتنگے شمع پر جلیں گے ضرور — فدا اپنی جانیں کریں گے ضرور
خزاں کا ہو موسم یا فصل بہاراں — شہادت کے غنچے کھلیں گے ضرور
یہ مانا فضا پر تیرا راج ہے — مگر پھر بھی طائر اڑیں گے ضرور
جنہیں ناز ہو اپنی طاقت پہ ہو — ہاں کٹ کر وہ زمین پر گریں گے ضرور
یہ مانا کہ منزل بہت دور ہے — چلے ہیں تو چلتے رہیں گے ضرور

☆......☆......☆

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی — جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی
وہ کچھ اس رمز سے آگاہ نہ تھی — اس کی قسمت میں یہ دولت تھی لکھی
نور ، اللہ کی لائی گھر میں — یعنی اس شاہ کو لائی گھر میں
واہ کیا طالع بیدار ملے — جس کو کونین کے سردار ملے

☆......☆......☆

ان کی صورت دل میں اتارا کرو — ان کی سیرت تو قرآن کی تفسیر
چاند تاروں میں سورج میں جلوہ نما — کملی والے محمد کی تصویر ہے

☆......☆......☆

جامعہ حفصہ کے شہدا کے نام

شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں لہو ہمارا بھلا نہ دینا — قسم ہے تم کو اے سرفروشو لہو ہمارا بھلا نہ دینا
ہے دین کا دشمن ہمارا دشمن وہ عزتوں کا لٹیرا دشمن — لہو میں بھیگے دریدہ آنچل، قسم ہے تم کو بھلا نہ دینا
وہ اجڑا گلشن ویران گلیاں وہ جلتے باغ اداس کلیاں — ہماری ماؤں کے بہتے آنسو، قسم ہے تم کو بھلا نہ دینا
جنھوں نے گلشن کے پھول مسلے حسین چمن کی ہیں کلیاں روندیں — وہ ہاتھ پاؤں ہی کاٹ ڈالو یہ فرض اپنا بھلا نہ دینا
وضو ہم اپنے لہو سے کرکے خدا کے ہاں سرخرو ہیں ٹھہرے — ہم عہد اپنا نباہ چلے ہیں تم عہد اپنا بھلا نہ دینا

☆......☆......☆

تو اے بشر جہاں سے جس دم رواں ہوگا — کوئی نہ ساتھ دے گا اور تو بے سامان ہوگا
وقت نزع سرہانے آئیں گے سب پیارے — صورت کو دیکھ کر تیری روئیں گے غم کے مارے
یٰسین جب پڑھیں گے تو نیم جان ہوگا — آئیں گے جب فرشتے لینے کو جان تیری
کرلے گی تب گزارا یہ جھوٹی شان تیری — اس وقت پھر ہٹا سب یہ تان مان ہوگا
نہلا کے تجھ کو ساتھی کفن کے لے چلیں گے — پڑھ کر جنازہ تیرا پھر ساتھ چھوڑ دیں گے
ایک کفن کا ٹکڑا تیرا نشان ہوگا — ہوگی قبر اندھیری گھبرائے گا وہاں تو
آئیں گے جب فرشتے ڈر جائے گا وہاں تو — کس کو پکارے گا تو جب تیرا بیان ہوا تو اے بشر
سرکار دو جہاں کی اے دل غلامی کرلے — دنیا ہے چند روز کی نیکی سے جھولی بھرلے
جنت میں پھر تو بے شک تیرا مکان ہوگا — تو اے بشر جہاں سے جس دم رواں ہوگا

☆......☆......☆

ڈاکٹر عافیہ صدیقی

ظلم تجھ پر بڑا ظالموں نے کیا، استقامت کو تیری سلام عافیہ
قید میں غیر کی اپنی عزت رہے، قوم کی ہوتی پامال حرمت رہے
شرم والوں کا سر شرم سے جھک گیا، استقامت کو میری سلام عافیہ
ہم سے جو ہوسکا کر دکھائیں گے ہم، بہنا تجھ کو رہائی دلائیں گے ہم
عہد پورا کریں گے جو ہم نے کیا، استقامت کو تیری سلام عافیہ
داستاں تیری گھر گھر سنائیں گے ہم، قوم سوئی ہے اس کو جگائیں گے ہم
تیرے سر پر رہے سایہ کبریا، استقامت کو تیری سلام عافیہ
اک نیا عزم اور حوصلہ دے دیا، قوم کو ساری تو نے کھڑا کردیا
ایک دن دیکھ بدلے گا جغرافیہ، استقامت کو تیری سلام عافیہ
ظلم تجھ پر بڑا ظالموں نے کیا، استقامت کو تیری سلام عافیہ

☆......☆......☆

سحر

کتاب سادہ رہے گی کب تک — کبھی تو آغاز باب ہوگا
جنہوں نے بستی اجاڑ ڈالی — کبھی تو ان کا حساب ہوگا
سحر کی خوشیاں منانے والو، سحر کے تیور بتا رہے ہیں — ابھی تو اتنی گھٹن بڑھے گی، کہ سانس لینا عذاب ہوگا
وہ دن گئے جب ہر اک ستم کو، قسمت کا لکھا، کہہ کر خوش تھے — اٹھے گی اب ہم پہ اینٹ کوئی، تو پتھر اس کا جواب ہوگا

(انتخاب:..... قرۃ العین خالد، کمالیہ)

☆.....☆.....☆

ایک غریب کی فریاد

ملک کے حکمران کے نام

نئی صبح کے واسطے — نئے نظام کے لئے
بدل ہی سماج کو — بدل ہی رواج کو
بھڑک رہی ہے کیوں اگن — دلوں میں ہے یہ کیوں جلن
مٹے گی بھوک پیٹ کی — بجھے گی دل کی پیاس بھی
جھپٹ کے لو اناج کو — بدل ہی دو سماج کو
اداس ہے یہ زندگی — یہ زندگی ہے دکھ بھری
مٹیں گے ظلم ایک دن — بھریں گے زخم ایک دن
بھلا ہی دو اس آج کو — بدل ہی دو سماج کو
ستم کے تیر کیوں چلیں — کسی کے نیر کیوں بہیں
غریب کا ہے کیا قصور — امیر کا ہے سب فتور
ہٹادو کھوٹے راج کو — بدل ہی دو سماج کو

(انتخاب:..... محمد سعد عبداللہ بن سراج الدین، کوٹ سلطان لیہ)

☆.....☆.....☆

درس گاہ..... منارۂ نور

منارہ نور کا روشن رہا زمانے میں — کہ جہل کوشاں ہے، ہر دم اسے مٹانے میں
خلوص دل سے چلو ہم یہ کام کرتے ہیں — ہے لطف خون جگر سے دیا جلانے میں
جو دل کا چاک ہے علم و عمل سے سلتا ہے — زمین دل پہ ذہانت کا پھول کھلتا ہے
جو ذوق و شوق سے تعلیم لے یہاں آکر — اسی کو حسن سعادت کا پھل بھی ملتا ہے
منارہ نور کا ہے درسگاہ ایمانی — یہیں سے ملتی ہے فکر و نظر کو تابانی
یہی ہے مصدر عرفان و آگہی طاہر — یہیں سے ہوتے ہیں روشن چراغ ایمانی

(شاعر:..... حمد و نعت طاہر سلطانی، کراچی)

قلب حیراں

الٰہی مدینے سے میں کیوں آگیا — قلب حیران کی تسکین وہیں رہ گئی
دل وہیں رہ گیا جان وہیں رہ گئی — سرخم اس در پہ اپنی جبیں رہ گئی

☆.....☆.....☆

محمد مصطفیٰ آئے بہار اندر بہار آئی — زمین کو چومنے جنت کی خوشبو بار بار آئی
محمد مصطفیٰ آئے زمین چمکی زمان چمکے — شجر چمکے حجر چمکے مکین چمکے مکان چمکے

☆.....☆.....☆

غفاری و قہاری قدوسی و جبروت — یہ چار عناصر ملتے ہیں تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم — دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان
یہ راز کسی کو معلوم نہیں کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

(انتخاب:..... سعدیہ شاہ، کوئٹہ کینٹ)

☆.....☆.....☆

ہم نے ہر دور میں تقدیس رسالت کیلئے — وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
چھوڑ کر سلسلہ رسم سیاست کا فسوں — فقط اک نام محمدؐ سے محبت کی ہے

☆.....☆.....☆

جو طوفان کے خوف سے گر پڑیں وہ پتے نہیں ہیں ہم — جاؤ آندھیوں سے کہہ دو اوقات میں رہیں

☆.....☆.....☆

غرق ہونے کے لئے موجوں سے ٹکراتا ہوں — کھیلتا ہوں موت سے اور زندگی پاتا ہوں
کفر کے ایوانوں میں میرے نام چیدہ چیدہ — دہشت گرد بنیاد پرست راسخ العقیدہ کہلاتا ہوں
مجھ پہ عیاں ہوتا ہے راز زندگی اس وقت — حاکم وقت کے جب حکم کو ٹھکراتا ہوں

(انتخاب:..... اقراء شکیل، نیو کراچی)

☆.....☆.....☆

یہ قفس ہی مجھ کو عزیز ہے کچھ جی لوں گا قرار سے — مجھے چمن میں نہ لے چلو میں ڈرا ہوں فصل بہار سے
جو چمن سے گزرے تو اے صبا کہنا بلبل زار سے — ابھی خزاں کے دن قریب ہیں نہ لگانا جی کو بہار سے

☆.....☆.....☆

شراب کہن پھر پلا ساقیا — وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا — مری خاک جگنو بنا کے اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر — جوانوں کو پیروں کا استاد کر
اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے — لڑا دے ممولے کو شہباز سے

(انتخاب:..... اشتیاق قاسمی، گلشن عمر، کراچی)



کیا ہی وہ سہانے دن تھے، جب ہر طرف خوشی ہی خوشی کا سماں تھا، سب لوگ تیاریوں میں مصروف تھے، غیروں کو بھی اپنوں سے بڑھ کر خوشی تھی اور سب کو اس دن کا شدت سے انتظار تھا، مگر تقدیر ربانی کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ اچانک وہ خوشیوں کے عظیم لمحات غم والم کی فضا میں بدل گئے، یوں محسوس ہوا کہ سارا عالم ہی تاریک ہوگیا ہے، جس شخصیت کے ساتھ ہم سب کی خوشیاں وابستہ تھیں، وہ عالم دنیا سے عالم آخرت کی طرف جا چکے تھے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

وہ پیاری اور محبوب ہستی ہمارے خالو جان تھے، جن کا ہم سے کچھ عرصہ پہلے ہی رشتہ جڑا تھا، ہم سب کیا خوش تھے کہ ہمارے خالو جان کی خوشیوں کی انتہا نہ تھی، کیا ہی وہ شخصیت تھی، وفات سے پہلے وہ اپنی اتنی شہرت پا چکے تھے کہ ہر شخص ان کو دور سے دیکھ کر اٹھ اٹھ کر ملتا تھا، صرف اس نسبت سے کہ وہ ہمارے نانا جان مولانا فضل الٰہی احمد اللہ فاضل دیوبند کے داماد بن چکے تھے، اللہ رب العزت کو اتنا ہی منظور تھا کہ صرف خالہ جان سے دس ماہ ان کا رشتہ رہا، خالہ جان بہت اعلیٰ کردار اور خوبیوں کی مالک ہیں، با اخلاق اور حیا کا سرچشمہ ہیں، ان کے انداز گفتگو کی تو کیا بات ہے، دل کو متاثر کرنے والی گفتگو کی مالک ہیں، خالہ جان دس سال سے حدیث شریف پڑھا رہی ہیں، بہت نیک اور اعلیٰ صفات سے آراستہ ہیں، خالو جان کی یہ خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو عالمہ باعمل اور نیک زوجہ جیسی نعمت سے نوازیں، اس عظیم نعمت کے ملنے پر وہ اتنے خوش تھے کہ الفاظ ان کی خوشی کو قلمبند کرنے سے قاصر ہیں، خالو جان کی زندگی بھی قابل نمونہ ہے کہ وہ بیس اکیس سال کی عمر میں یورپ چلے گئے، جب گئے تھے تو دنیادار تھے، کیونکہ ان کی ساری فیملی اور کنبہ دنیادار ہے، یورپ کے مختلف ممالک جرمنی، اسپین اور اٹلی وغیرہ میں آتے جاتے رہے، وہاں بے حیائی اور فحاشی کے مرکز میں جا کر اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کا دھارا بدل دیا، ان کو اپنے دین کے لئے منتخب کرلیا، وہاں پر وہ دنیا کمانے گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کی محبت ڈال دی اور وہ تبلیغی جماعتوں کو رہائش دیتے اور ان کا سارا خرچ برداشت کرتے تھے، دس سال وہاں قیام پذیر رہے اور یہی تبلیغ اور دعوت دین کا کام کرتے تھے، گھر والوں کے ساتھ ان کا کوئی رابطہ نہ تھا، سب ان کو بھول چکے تھے، کبھی کبھار وہ

فون کرتے تھے، ان کا ویزا اور پاسپورٹ وغیرہ ایکسپائر ہو چکا تھا، اب دس سال کے بعد وہ پاکستان آنا چاہ رہے تھے، ایئرپورٹ پر پہنچے تو انہوں نے عربی توپ اور رومال لیا ہوا تھا اور ہاتھ میں تبلیغی بستر اور کتابوں کا بیگ اور ایک دو کوٹ تھے، انہوں نے مولوی اور عربی سمجھ کر جانے دیا، جب پاکستان پہنچے تو گھر والوں کو فون کیا، تو وہ سب یکدم حیران رہ گئے، جب ان کو ایئرپورٹ سے لینے گئے تو ان کو ناک سے پہچانا گیا، کیونکہ چہرہ پر سنت رسول سجی ہوئی تھی، ہاتھ میں تسبیح اور مختصر سا سامان تھا، گھر والوں نے ان کے حلیہ پر حیرانگی کا اظہار کیا تو خالو جان نے کہا، حیران نہ ہوں، دنیا لے کر گیا تھا، اللہ کا دین لے کر آیا ہوں، لوگ ہاتھوں میں ڈالر لے کر آتے ہیں، میں اللہ کا ذکر لے کر آیا ہوں، ان کو آئے کچھ دن ہوئے تو تبلیغی جماعت کے ساتھ نکل گئے، پورا ایک سال جماعت میں لگا کر گھر آئے تو دس اپریل 2011ء میں خالہ جان کے ساتھ ان کی نسبت طے ہوگئی، ان کا ظاہر اور باطن قرآن وسنت کے مطابق تھا، ہر بات میں حدیث کا حوالہ دیتے تھے، فرشتہ صفت انسان تھے، بیواؤں اور غریبوں کی خفیہ مدد کرتے تھے، شرم وحیا کی اعلیٰ مثال رکھتے تھے، سخاوت میں بہت آگے تھے، کہتے تھے، میں اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت میں نیک بیوی کا ساتھ مانگتا ہوں، ہمارے خاندان کے کچھ لوگوں نے فریضۂ حج کی ادائیگی کیلئے جانا تھا تو 21 اکتوبر 2011ء بروز جمعہ ہماری مرکزی جامع مسجد میں ہمارے بڑے خالو جان (مفتی محمد نعیم اللہ صاحب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم، گوجرانوالہ) نے سنت رسول کے مطابق بعد از نماز جمعہ نکاح پڑھایا، خالو جان نکاح کے سنت کے مطابق پڑھائے جانے پر بہت خوش تھے کہ سارے کام دین کے مطابق ہو رہے ہیں، اپنی ساری جوانی کو دین کے لئے قربان کردیا، حج سے واپسی پر رخصتی کا ارادہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، ہر طرف خوشی کا سماں تھا، ہمارے لئے اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خوشی نہ تھی، نجانے اتنی عظیم خوشیاں ہمارے مقدر میں نہ تھیں، خالو جان کے بہت ارمان اور شوق اور حسرتیں تھیں، لیکن میں کہتی ہوں۔

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کف دست ساقی چھلک پڑا
رہی دل ہی دل میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیا

فروری میں رخصتی کی تاریخ طے ہوئی تھی، لیکن فروری میں ہی وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ 22 فروری 2012ء بروز بدھ سحری کے وقت ان کی وفات کی خبر آگئی، کاروبار کے سلسلے میں وہ سرگودھا رہائش پذیر تھے، اچانک ہارٹ اٹیک ہوا اور خالق حقیقی سے جا ملے، ان کی وفات بھی قابل رشک ہے، اللہ کے ولی اور محبوب تھے، تہجد گزار تھے، اس دن بھی تہجد کے لئے اٹھے، تہجد پڑھ کر قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، باوضو حالت میں ایک منٹ میں روح پرواز کرگئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کے حوالے نہیں کیا، فوراً اپنے سینے سے لگالیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اتنی جوانی کی عمر میں وفات ہم سب کے لئے غم والم کی باتیں چھوڑ گئی۔ 28 فروری کو ان کو پاکستان آئے، دو سال ہوئے ہر چیز ان کے جانے پر رو رہی ہے، سارا عالم کہی بیاباں اور اداس ہوگیا ہے، خالو جان اکثر یہ شعر پڑھتی ہیں:

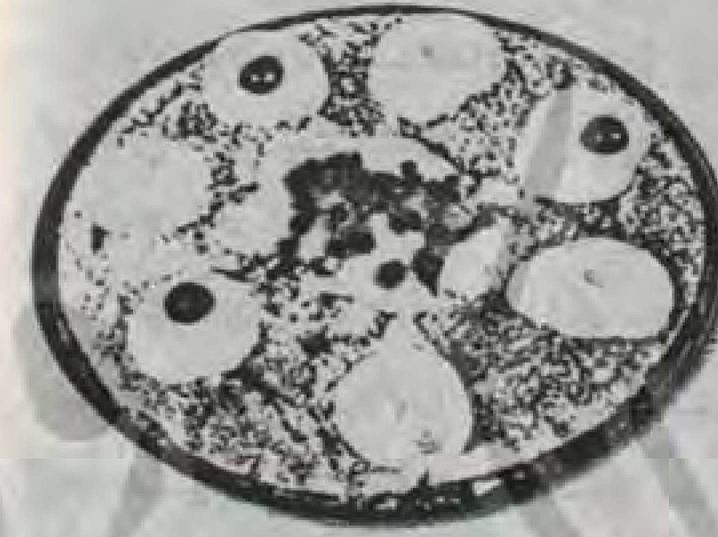
چلا گیا تو دل میں لگن چھوڑ گیا
تیری چوکھٹ پر وہ کفن چھوڑ گیا
دور رہنے سے محبت بڑھتی ہے
دوستو! یہ کہہ کر وہ دنیا ہی چھوڑ گیا

تمام قاریات وقارئین سے ان کی مغفرت کے لئے دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے خالو جان کو جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات میں خوش وخرم رکھیں اور خالہ جان کو اس کا بہترین نعم البدل عطا فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)

پھول کھلتے ہیں کھل کے بکھر جاتے ہیں
یادیں رہ جاتی ہیں انسان گزر جاتے ہیں

☆......☆......☆







باورچی خانہ

میٹھا میٹھا کھاؤ، میٹھا میٹھا بولو کیوں کہ میٹھے بول میں جادو ہے۔

کڑاھی قیمہ

اشیاء:

کٹا ہوا قیمہ .... آدھا کلو
ٹماٹر .... ایک پاؤ
ہری مرچ .... 8-10 عدد
ادرک پیسٹ .... ایک چائے کا چمچہ
لہسن .... ایک چائے کا چمچہ
پیاز .... دو سلائس کاٹ لیں
سرخ مرچ .... دو چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر .... ایک چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر .... ایک چائے کا چمچہ
نمک .... حسب ذائقہ
گرم مصالحہ .... آدھا چائے کا چمچہ
گھی .... 3/4 کپ
ہرا دھنیا، ہری مرچ .... گارنش کے لئے

ترکیب:

پہلے گھی گرم کریں، پیاز کو ٹرانسپیرنٹ فرائی کرلیں۔ قیمہ کو نمک، ادرک لہسن کے ساتھ پکائیں پھر ایک کپ پانی ڈال دیں اور اس وقت تک پکائیں کہ نیم گل جائے، پھر کٹے ہوئے ٹماٹر اور ہری مرچ ڈال دیں۔ اس وقت تک پکائیں کہ تیل اوپر تیرنے لگے۔ آخر میں گرم مصالحہ اور ہرا مصالحہ شامل کردیں۔ لیجئے کڑاہی قیمہ تیار ہے۔ گرما گرم سرو کریں۔

☆...☆...☆

قورمہ مٹن پلاؤ

اشیاء:

بکرے کا گوشت .... ایک کلو
چاول باسمتی .... ایک کلو
دہی .... ایک پیالی
پیاز درمیانی (باریک کٹی ہوئی) .... دو عدد

ادرک لہسن (پسا ہوا) .... ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا (پسا ہوا) .... دو کھانے کے چمچے
لال مرچ (پسی ہوئی) .... ایک کھانے کا چمچہ
ثابت ہری مرچ .... چار عدد
چھوٹی الائچی .... چھ عدد
بڑی الائچی .... دو عدد
لونگ .... چار عدد
کالی مرچ .... چھ عدد
کالا زیرہ .... آدھا چائے کا چمچہ
نمک .... حسب ذائقہ
زردہ کا رنگ .... آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ .... ایک کھانے کا چمچہ
گھی .... دو پیالی

ترکیب:

سب سے پہلے ایک برتن میں گوشت دہی اور سب مصالحے اچھی طرح ملادیں۔ اس کے بعد ایک دیگچی میں گھی ڈال کر پیاز براؤن کرلیں۔ پیاز براؤن ہوجائے تو گوشت ڈال دیں۔ ہلکی آنچ میں پکنے دیں، جب گوشت گل جائے تو بھون کر اتارلیں۔ تھوڑا گاڑھا گاڑھا شوربہ ہونا چاہئے۔ ایک بڑی دیگچی میں دس پیالی پانی ڈال کر ابالنے کو رکھ دیں، ساتھ میں اس میں تین چھوٹی الائچی ثابت ہری مرچیں اور ایک کھانے کا چمچہ سرکہ بھی ڈال دیں جب پانی کا جوش آجائے تو چاول اور نمک ڈال دیں۔ چمچے سے چلاتے رہیں، جب دو کنی ہوجائیں تو چھان لیں پھر اس دیگچی میں نیچے تھوڑے چاولوں کی تہہ، پھر گوشت کو اسی طرح دو تین تہہ لگالیں، آخری تہہ چاولوں کی ہونی چاہئے، پھر دودھ میں بھگویا ہوا زردے کا رنگ ڈال دیں، ڈھکن یا اخبار یا کپڑا لپیٹ کر ڈھانک دیں تیز آنچ میں لوہے پر رکھ دیں تھوڑی دیر بعد آنچ ہلکی کردیں تقریباً بیس منٹ تک دم پر رکھ دیں۔

☆...☆...☆

مصالحے دار کریلے

اشیاء:

بڑے بڑے کریلے .... ڈیڑھ کلو
ہری مرچ .... آٹھ عدد
پیاز .... ایک عدد
گھی .... ایک پاؤ
انار دانہ .... ایک چھٹانک
نمک .... حسب ذائقہ
مرچ .... حسب ذائقہ

ترکیب:

پہلے کریلوں کو چھیل کر اور ایک طرف سے کاٹ کر ان کے بیج نکال لیں۔ اس کے بعد انہیں تھوڑی دیر نمک لگا کر رکھ دیں۔ پیاز، انار دانہ، نمک اور سرخ مرچ کو باریک پیس لیں۔ اب کریلوں میں مصالحہ بھر کر دھاگے سے کریلوں کو لپیٹ دیں۔ کسی بڑے برتن میں گھی ڈال کر اس میں کریلے ہلکی آنچ پر گرم کریں۔ یہاں تک کہ وہ سرخ ہوجائیں۔ پھر بچا ہوا مصالحہ ڈال کر بھون لیں۔ اس کے بعد انہیں دس منٹ دم ضرور دیں۔

☆...☆...☆

چٹ پٹا فرائیڈ چکن

اجزاء:

چکن (آٹھ حصوں میں کٹی ہوئی) .... ڈیڑھ کلو
نمک .... حسب ذائقہ
خشک لہسن کا پاؤڈر .... ایک کھانے کا چمچہ
لال مرچ (کٹی ہوئی) .... ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ (موٹی کٹی ہوئی) .... ایک چائے کا چمچہ
خشک دھنیا (موٹا کٹا ہوا) .... ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ (موٹا کٹا ہوا) .... ایک چائے کا چمچہ
میدہ .... دو پیالی
کارن فلاور .... ایک پیالی
کوکنگ آئل .... تلنے کے لئے

ترکیب:
چکن کو اچھی طرح دھو کر گہرے کٹ لگالیں۔ میدہ اور کارن فلار ملا کر اس میں نمک، لہسن، لال مرچ، کالی مرچ، دھنیا اور زیرہ اچھی طرح ملالیں۔ میدہ اور کارن فلار کے آدھے مکسچر میں حسب ضرورت ٹھنڈا یخ پانی ڈالتے ہوئے گاڑھا سا پیسٹ بنالیں۔ بقیہ خشک میدہ الگ رکھ لیں۔

چکن کو پیسٹ میں اچھی طرح ڈبو کر چار سے چھ گھنٹوں کے لئے فریج میں رکھ دیں۔ فریج سے نکال کر بچے ہوئے خشک میدے میں اچھی طرح رول کر کے دوبارہ دس سے پندرہ منٹ کے لئے فریج میں رکھ دیں۔

کڑاہی میں کوکنگ آئل کو چار سے پانچ منٹ درمیانی آنچ پر گرم کریں۔ پھر آنچ تیز کر کے چکن کو گولڈن فرائی کرلیں۔

پریزنٹیشن:......ٹماٹو کیچپ، فرنچ فرائز Coleslaw کے ساتھ پیش کریں۔ Coleslaw بنانے کے لئے ایک پیالی مایونیز میں ایک سے ڈیڑھ پیالی باریک کٹی ہوئی بند گوبھی اچھی طرح ملالیں۔

ٹپ:......چیزوں کو خستہ فرائی کرنے کے لئے فرائنگ سے کچھ دیر پہلے فریج میں رکھ دیں۔

☆......☆......☆

افغانی بریانی

اجزاء:
ثابت چکن......ایک کلو
چاول......تین پیالی
ٹماٹر......آدھا کلو
تلی ہوئی پیاز......ایک پیالی
نمک......حسب ذائقہ
کالی مرچ (موٹی کٹی ہوئی)......ایک کھانے کا چمچہ
کوکنگ آئل......ایک پیالی
سجانے کے لئے:
تازہ انار دانہ......ایک پیالی

ترکیب:
چاولوں کو صاف کر کے بیس منٹ بھگو کر رکھ دیں، پھر دس سے بارہ پیالی ابلتے ہوئے پانی میں تین سے چار منٹ تک چاول ابالیں اور چھلنی میں ڈال کر پانی نکال لیں۔ چکن کو صاف کر کے دھولیں اور گہرے کٹس لگالیں۔ کڑاہی یا گہری دیگچی میں کوکنگ آئل کو چار سے پانچ منٹ تک گرم کریں۔ آنچ تیز کر کے چکن کو سنہرا فرائی کرلیں۔ پھر پیاز اور ٹماٹر کو تین پیالی پانی کے ساتھ اچھی طرح پیس کر چکن میں ڈال دیں۔ نمک اور کالی مرچ ڈال کر ڈھک دیں اور ہلکی آنچ پر اتنی دیر پکائیں کہ شوربے کی مقدار آدھی رہ جائے۔ بڑے سائز کی دیگچی میں آدھے چاول پھیلا کر ڈالیں اور درمیان میں چکن رکھ کر اوپر سے بقیہ چاولوں سے ڈھک دیں۔ ٹماٹر کی گریوی کو کناروں سے ڈال کر ڈھک کر ہلکی آنچ پر بیس منٹ تک پکائیں۔ چکن کو علیحدہ نکال کر چاولوں کو اچھی طرح ملا لیں اور ڈش میں نکال لیں۔

پریزنٹیشن:......بڑی گول پلیٹ میں پہلے چاول نکالیں اور درمیان میں گڑھا سا کر کے چکن رکھ دیں۔ کناروں پر انار دانے سجالیں۔

ٹپ:......بہتر ہے کہ ٹماٹروں کو ہمیشہ چھیل کر استعمال کریں۔ آج کل بڑے ہوٹلوں میں افغانی بریانی کے ساتھ قیمے کا سالن، دال اور روٹی بھی پیش کی جاتی ہے اور اس کے بعد کہوہ بھی دیا جاتا ہے، آپ بھی مہمانوں کو اس طرح کی ڈشز تیار کر کے پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ افغانی بریانی کے ساتھ رائتہ بھی تیار کیا جاتا ہے جو مندرجہ ذیل اجزاء سے بآسانی تیار کیا جاسکتا ہے۔

دہی......دو کپ
کھیرا......ایک عدد
کالی مرچ......حسب ذائقہ
نمک......حسب ذائقہ
ہری مرچ......حسب ضرورت

☆......☆......☆

بیف کباب مصالحے دار

اشیاء:
بیف......آدھا کلو
پیاز......1 عدد درمیانی (کٹی ہوئی)
کری پتہ......1 عدد
پیپریکا......آدھا چھوٹا چمچہ
تازہ پودینہ......1 چھوٹا چمچہ (کٹا ہوا)
تازہ دھنیا......1 چھوٹا چمچہ (کٹا ہوا)
زیرہ......چھوٹا چمچہ (پسا ہوا)
لہسن......2 جوے
زیتون کا تیل......2 بڑے چمچ اور 1 چھوٹا چمچہ
تازہ لیمن جوس......1 عدد

ترکیب:
آمیزہ بنانے کے لئے فوڈ پروسیسر یا بلینڈر میں یہ اشیاء ڈالیں، پیاز کے ٹکڑے، جوس، تیل، لہسن، زیرہ، پودینہ، پیپریکا (Paprika) اچھی طرح ان اشیاء کو بلینڈ کریں۔ اب کھانا تیل کرنے کے پلاسٹک بیگز لے کر، ان میں سے ہوا نکال کر ان میں بیف میں رکھ کر اچھی طرح بند کردیں۔ پھر اس کو ریفریجریٹ کریں 1 گھنٹے کے لئے یا چوبیس گھنٹے کے لئے، بار بار بیگز کو پلٹتی رہیں۔ گوشت کو پکانے سے پہلے نرم ٹمپریچر 30 منٹ کے لئے رکھ دیں۔ اس آمیزے کو ایک گہرے پین میں ابال کر ایک طرف رکھ دیں۔ جب تک گوشت تیار ہو، کباب بنانے والی سیخیں لے کر پانی میں بھگودیں۔ بروسکر یا گرل کو گرم کریں 20 منٹ کے لئے۔ اب گوشت اور سبزی کو سیخوں میں لگائیں جن کے شروع اور آخر میں پیاز کے ٹکڑے لگے ہوں۔ ان سیخوں کو ایک ریک پر اس طرح رکھیں کہ وہ آگ سے دور ہوں۔ ہر سائیڈ کو 3 منٹ کے لئے سینکیں اور ہر دفعہ پلٹتے ہوئے ان پر مرینڈ (پہلے کا تیار شدہ آمیزہ) ڈالتی رہیں۔ باقی بچے ہوئے آمیزے کو ایک منٹ کیلئے ابال لیں اور سرو کریں۔ اس تیار شدہ ڈش کو سلاد کے ساتھ۔

☆......☆......☆

دھواں گوشت

اشیاء:
گوشت......1 کلو
لہسن ادرک کا پیسٹ......1 چائے کا چمچہ
سرخ مرچ اور دھنیا......1 چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر......چوتھائی چائے کا چمچہ
دہی......آدھا پاؤ
پیاز......1 عدد
کالا اور سفید زیرہ......1 چائے کا چمچہ
تیل......1 کپ
میدہ......1 کھانے کا چمچہ
نمک......حسب ذائقہ

ترکیب:
گوشت دیگچی میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیں اور اتنا پانی ڈالیں کہ گوشت گل جائے۔ ساتھ لہسن بھی ڈال دیں۔ جب پانی ابل جائے تو اس میں دھنیا، مرچ اور ہلدی پاؤڈر، نمک اور آدھا کپ تیل بھی ساتھ ڈال دیں۔ جب گوشت گل جائے تو اچھی طرح بھون لیں۔ پھر اس میں دہی پھینٹ کر ڈالیں اور پھر بھون لیں پھر تقریباً ایک گلاس پانی ڈال دیں۔ جب سالن اچھی طرح پکنے لگے تو تھوڑے سے پانی میں میدہ گھول کر ڈالیں۔ سفید اور کالا زیرہ بھون کر پیس کر ڈالیں اور چار پانچ منٹ پکا کر اتار دیں۔ باقی تیل کو گرم کریں پھر اس میں ایک چٹکی پسی ہوئی لال مرچ ڈالیں۔ پہلے سے دہکتا ہوا کوئلہ روئی کے ایک ٹکڑے پر رکھ کر سالن میں رکھ کر اور اس کے گرم تیل ڈال کر ڈھکن بند کردیں۔ اسی طرح دھواں سالن میں شامل ہو جائے گا۔ بعد میں روئی کا ٹکڑا اور کوئلہ نکال کر پھینک دیں۔ لذیذ دھواں گوشت تیار ہے۔ نان کے ساتھ نوش کریں۔



بیوٹی ٹپ

تازہ پانی چہرے کے لئے قدرتی ٹانک ہے لیکن چشمے کا پانی اس سے بھی بہترین ٹانک ہے، روزانہ اس سے چہرہ دھوئیں۔

بالوں کے لئے:...... چائے بنانے کے بعد جو پتی بچ جاتی ہے، آپ اسے پھینک دیتے ہیں، اسے پھینکنے کی بجائے اس میں دو لیٹر پانی ڈال کر بوائل کرلیں، اس میں ایک عدد لیموں نچوڑ لیں، اس پانی سے بال دھوئیں، بال گرنا بند ہوجائیں گے۔

☆......☆......☆

رنگت صاف کرنے کے لئے:...... آدھ کپ آٹا اور دودھ ملائیں اور پیسٹ بنا کر آدھا گھنٹہ پڑی رہنے دیں، اب یہ لئی آپ چہرے اور ہاتھوں پر لگائیں اور سوکھنے پر مل کر موڑیاں بنا کر اتار دیں، روزانہ کرنے سے رنگت صاف ہوجائے گی اور سکن فریش ہوجائے گی۔

☆......☆......☆

چکنی جلد کی صفائی:...... جلد چکنی ہو تو سارا دن جلد پر گرد و غبار اور دھواں مٹی پڑنے سے چہرے پر دانے نکل آتے ہیں، ایسے میں جلد کی صفائی نہایت ضروری ہے۔ جلد کی صفائی کے لئے تھوڑا سا بیسن لیں، اس میں تھوڑا پانی ڈال کر پیسٹ بنالیں اور چہرے پر لیپ کر کے ہلکے ہاتھ سے ملیں۔ بعد میں ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھولیں، بیسن میں پانی کی جگہ دودھ بھی ڈالا جاسکتا ہے، اس سے جلد بہت نرم و ملائم ہوجائے گی۔

☆......☆......☆

کیل مہاسے کے لئے:...... کچھ لڑکے اور لڑکیوں کے چہرے مہاسوں سے خراب ہوجاتے ہیں، ان کو چاہئے کہ تازہ سبز ترکاریاں کچی پکی کھائیں، قبض نہ ہونے دیں، ایسی غذا لیں، جس سے بالکل ہی قبض نہ ہو، قبض سے مہاسے زیادہ نکلتے ہیں۔

نیم کی چھال پتھر پر گھس کر لگائیں، نیم کی گیارہ عدد کونپلیں، تین عدد کالی مرچ روز صبح پیس کر پانی میں ملا کر پئیں۔ دو زرد کوڑیاں بازار سے لیں، ان کو جلا کر پانی میں بجھائیں، پھر ان کو باریک پیس لیں، دودھ میں ملا کر پانچ قطرے لیموں کا رس ڈالیں، رات کو لگا کر سوجائیں۔

بڑی بوڑھیاں نیم کی چھال اور ہلدی ہم وزن لے کر اس کا ابٹن بنواتی تھیں، رات کو اس کا لیپ چہرے پر کردیں، رنگ بھی صاف ہوگا اور مہاسے بھی دور ہوں گے۔ سفوف کو پانی میں ملا کر لگائیں۔

☆......☆......☆

بالوں کو لمبا کرنا:...... بالوں کو لمبا کرنے کے لئے نہایت آسان ترکیب، پانی میں چائے کی پتی ڈال کو جوش دے لیں، جب یہ ذرا ٹھنڈا ہوجائے تو اچھی طرح بال دھو کر اس قہوے کو سارے بالوں میں لگائیں۔ قہوہ لگانے کے بعد بالوں کو دوبارہ مت دھوئیں اس سے یقیناً آپ کے بال بڑھیں گے مگر مستقل مزاجی پہلی شرط ہے۔

☆......☆......☆



''ماہنامہ حیا'' کی قاریات کے لئے ایک رنگارنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ ''گلدستہ حیا'' آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

اچھی باتیں

(۱)...... خوبصورت دلوں کی تلاش کرو، خوبصورت چہروں کی نہیں، کیونکہ چہروں کی خوبصورتی تو ایک دن ختم ہوجاتی ہے، لیکن خوبصورت دل ہمیشہ خوبصورت ہی رہتا ہے۔

(۲)...... رشتے خون کے نہیں ہوتے، رشتے احساس کے ہوتے ہیں، اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے، اگر احساس نہ ہو تو اپنے بھی اجنبی۔

(۳)...... کسی کا دل مت دکھاؤ، ہوسکتا ہے وہ تمہیں ایسے چاہتا ہو، جیسے مرنے والا زندگی چاہتا ہے۔

(۴)...... اللہ کے خوف سے گرنے والا آنسو بے شک چھوٹا کیوں نہ ہو، لیکن اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ سمندر کے برابر گناہ مٹا دیتا ہے۔

(۵)...... سب سے جلدی راضی ہونے والی ہستی اللہ کی ذات ہے، ہماری ندامت کا ایک آنسو اسے ہمارا بہت قریبی دوست بنا سکتا ہے اور جس کا سب سے قریبی دوست اللہ ہو تو اس کا کوئی کام کیسے رک سکتا ہے۔

(۶)...... زندگی کی سب سے بڑی سچائی ایک قبرستان کے باہر لکھی ہے۔

(۷)...... تین چیزیں انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہیں۔ ☆اپنے اعمال کو زیادہ سمجھنا۔ ☆اپنے گناہوں کو بھول جانا۔ ☆اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھنا۔

(۸)......ہمارا لباس 8 گز، ہمارا کفن صرف 205 گز، ہمارا گھر 400 گز، ہمارا اصل گھر صرف 205 گز، ہمارے ارادے 200 سال کے، مگر ہماری زندگی ایک سوالیہ نشان؟

(۹)......اس ہاتھ کی طرح نہ بنو جو ایک خوبصورت پھول کو توڑ دیتا ہے۔ اس پھول کی طرح بنو جو توڑنے والے کو بھی خوشبو دیتا ہے۔

(۱۰)......اچھے لوگوں کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں یاد نہیں رکھنا پڑتا، بلکہ وہ یاد رہ جاتے ہیں۔

(۱۱)......اللہ سب کو رزق دے گا، یہ اس کا وعدہ ہے......لیکن؟ وہ سب کو بخش دے گا، اس نے یہ وعدہ نہیں کیا، پھر کیوں لوگ رزق کے لئے پریشان ہیں اور مغفرت سے بے فکر؟؟

(۱۲)......زندگی کی اصل خوبصورتی یہی نہیں کہ ہم کتنے خوش ہیں بلکہ زندگی کی اصل خوبصورتی تو یہ ہے کہ دوسرے ہم سے کتنے خوش ہیں۔

(۱۳)......جب کسی کا خلوص دیکھو تو اس کی قدر کرو اور جب کسی کی نفرت دیکھو تو اپنے خلوص سے مٹا دو۔

(۱۴)......اللہ تعالیٰ اور انسان سے محبت کرنے میں فرق یہ ہے کہ اگر انسان کے ساتھ محبت کی جائے تو وہ محبت انسان کی کمزوری بن جاتی ہے اور اگر یہی محبت اللہ تعالیٰ سے کی جائے تو محبت انسان کی طاقت بن جاتی ہے۔

(۱۵)......زندگی استاد سے بھی زیادہ سخت ہے۔ استاد پہلے سبق دیتا ہے، پھر امتحان لیتا ہے، لیکن زندگی پہلے امتحان دیتی ہے، پھر سبق لیتی ہے۔

(۱۶)......دو چہرے انسان کو کبھی نہیں بھولتے، ایک مشکل میں ساتھ دینے والا، دوسرا مشکل میں ساتھ چھوڑ کے جانے والا۔

(۱۷)......کسی چیز کا حجم کچھ اہم نہیں ہوتا، کیونکہ پہاڑ اپنی جگہ سے سرک نہیں سکتا، مگر چیونٹی اس کی چوٹی پر پہنچ جاتی ہے۔

(۱۸)......روٹھو اتنا کہ منانے والا بھی روٹھ نہ جائے۔

(۱۹)......کوشش کر کے ناکام ہو جانا بہتر ہے، بجائے اس کے کہ کوشش ہی نہ کی جائے۔

(۲۰)......ہمارا آج کا عمل کل کے لئے تاریخ ہے۔

(انتخاب:......سعدیہ بلاول)

☆......☆......☆

قرآن کی برکت سے ایمان کی دولت

ایک مسلمان امریکہ کی کسی کمپنی میں ملازم تھا۔ دفتر میں کام کرنے والوں میں سے ایک عیسائی لڑکی بھی تھی، اس کا اس عیسائی امریکی لڑکی سے تعلق بن گیا اور محبت کا یہ تعلق اتنا بڑھا کہ اس لڑکے نے یہ محسوس کر لیا کہ اب میں اس عیسائی لڑکی کے بغیر نہ رہ سکتا۔ چنانچہ لڑکے نے لڑکی کے والدین کو پیغام بھیجا اور نکاح کا پیغام دیا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم عیسائی ہیں اور تمہیں ہماری لڑکی اس قدر پسند ہے تو تمہیں بھی قربانی دینی ہوں گی کہ اسلام اور اپنے مسلمان عزیز و اقارب، حتیٰ کہ دوست، ماں باپ کو بھی خیر باد کہنا پڑے گا، یہ مسلمان نوجوان اپنے جذبات میں اس قدر مغلوب تھا کہ اس نے تمام شرائط قبول کرتے ہوئے عیسائیت کو قبول کر لیا اور اس عیسائی لڑکی سے شادی کر لی۔ اب امریکہ میں مقیم اس کے عزیز و اقارب اور دوست احباب جو کہ مسلمان تھے، بڑے پریشان کہ ہمارا مسلمان بھائی ایک لڑکی کی خاطر مرتد ہو گیا تو انہوں نے اس

کی اصلاح کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ اس حالت میں تین چار سال گزر گئے، ایک دن کمیونٹی کی مسجد کے امام صاحب نے نماز فجر کے لئے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی نوجوان آیا، اس نے وضو کیا اور سنتوں کے بعد نماز کے لئے بیٹھ گیا۔ امام صاحب اس کی اس اچانک تبدیلی سے بڑے مسرور بھی ہوئے اور حیران بھی۔ نماز کے بعد اس نوجوان نے اپنی آپ بیتی سنائی کہ میں نے عیسائی لڑکی کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور ضائع کر دیا۔ میرے گھر میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تھا، عیسائیت قبول کر لینے کے باوجود میں کبھی کبھی اس کی زیارت کر لیا کرتا تھا کہ یہ میرے مولیٰ، میرے اللہ کا کلام ہے اور اندر ہی اندر خود کو ملامت بھی کرتا۔ ایک دن میں گھر آیا اور میں نے وہ جگہ دیکھی، جہاں قرآن کریم رکھا ہوتا تھا، لیکن اس دن مجھے قرآن کریم نظر نہ آیا تو میں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہاں ایک کتاب ہوا کرتی تھی، وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا، میں نے گھر کی صفائی کی ہے اور غیر ضروری چیزوں کو نکال دیا ہے۔ میں نے پوچھا، کیا اس کتاب کو بھی؟ اس نے کہا، ہاں میں وہاں سے پلٹا اور اسٹور سے قرآن کریم نکال لیا۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ خاوند کو اس عربی کتاب سے اس قدر والہانہ عقیدت ہے تو وہ بولی۔ ”اس گھر میں یہ کتاب رہے گی یا میں رہوں گی۔“ یہ لمحہ میری زندگی کا عجب وقت تھا، میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ تو نے خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ کچھ کر لیا ہے جو تجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ آج تیرا رشتہ پروردگار سے ہمیشہ ٹوٹ جائے گا، اب تو فیصلہ کر لے کہ اس لڑکی کے ساتھ رہنا ہے یا اپنے پروردگار کو فوقیت دینی ہے۔ جب میں نے سوچا تو دل نے یہی پکارا کہ نہیں، اپنے پروردگار سے کبھی نہیں کٹ سکتا۔ سو میں نے اس عیسائی لڑکی کو طلاق دے دی اور خود دوبارہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ سچ ہے کہ قرآن کریم کی صرف زیارت کس قدر مفید ہے تو سوچئے، اس عظیم کتاب کو پڑھنا، سمجھنا اور اس پر عمل کرنا کس قدر مبارک اور پُر تاثیر کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی اور اپنی کتاب قرآن کریم کی محبت کا وہ حصہ عطا فرما دے، جو ہماری زندگی میں دینی انقلاب کا ذریعہ بن جائے۔ آمین

(انتخاب:......مریم حسن پیلاں، ضلع میانوالی)

☆......☆......☆

ماں

جب ماں کو خدا نے بنایا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ چاند کی ٹھنڈک، شبنم کے آنسو، بلبل کے نغمے، چکوری کی تڑپ، گلاب کے رنگ، پھول کی چمک، کوئل کی کوک، سمندر کی گہرائی، دریاؤں کی روانی، موجوں کا جوش، کہکشاؤں کی رنگینی، زمین کی چمک، صبح کا نور اور آفتاب کی تمازت کو جمع کرو، تاکہ ”ماں“ کی تخلیق کی جائے۔ جب ماں کو خدا نے بنا لیا تو فرشتوں نے پوچھا: اے مالک دو جہاں! آپ اپنی طرف سے اس میں کیا شامل کریں گے؟

تو مالک ارض و سما نے فرمایا کہ ”محبت“ (اے ماں تجھے سلام)

☆......☆......☆

خوبصورت جھوٹ

زندگی نے موت سے پوچھا کہ لوگ مجھ سے محبت اور تم سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟ جواباً موت نے کہا کہ تم ایک خوبصورت جھوٹ ہو اور میں ایک کڑوا، تلخ سچ۔

☆......☆......☆

نمرود کا حشر

زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قحط سالی تھی، لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بھی گئے، وہاں یہ مناظرہ ہوگیا۔ بدبخت نے آپ علیہ السلام کو غلہ نہ دیا، آپ خالی ہاتھ واپس آئے، گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں، کچھ لے آئے، گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سوگئے، آپ کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام اٹھیں، بوریوں کو کھولا تو عمدہ اناج سے دونوں پُر تھیں، کھانا پکا کر تیار کیا، آپ کی آنکھ کھلی، دیکھا کہ کھانا تیار ہے، پوچھا، اناج کہاں سے آیا؟ کہا، دو بوریاں جو آپ بھر کر لائے تھے، انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا، آپ سمجھ گئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت اور اللہ کی رحمت ہے، اس ناہنجار بادشاہ کے پاس خدا تعالیٰ نے اپنا ایک فرشتہ بھیجا، اس نے آکر توحید کی دعوت دی، لیکن اس نے قبول نہ کی، دوبارہ دعوت دی، لیکن اس نے انکار کیا، تیسری مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف بلایا، مگر پھر بھی یہ منکر ہی رہا۔ اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا، اچھا تو اپنا لشکر تیار کر، میں بھی اپنا لشکر لے کر آتا ہوں، نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آپہنچا، اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا دروازہ کھول دیا، بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا، یہ خدائی فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا، ان کا گوشت، پوست سب کھا گئی اور سارے کے سارے وہیں ہلاک ہوگئے، ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی باقی رہ گیا، انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا، ایسے سخت عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجہ بہتر تھی، اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا تھا، ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا، یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی۔ اعاذ نا اللہ (اللہ ہم کو اپنی پناہ میں رکھے) آمین۔ (تفسیر ابن کثیر جلد صفحہ ۳۵۶)

☆......☆......☆

آیت کریمہ کی فضیلت

حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا کہ آپ کو اس کی خبر کر دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا کہ اچانک ایک اعرابی آگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا، بہت وقت گزر گیا، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے، میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے قریب پہنچ چکے، مجھے ڈر ہوا، کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ جاؤں، تو میں نے زور زور سے زمین پر پاؤں مار کر چلنا شروع کر دیا، میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: ابو اسحٰق؟ میں نے کہا، جی ہاں، یارسول اللہ میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا، یارسول اللہ، آپ نے اول دعا کا ذکر فرمایا، پھر وہ اعرابی آگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشغول کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، ہاں وہ دعا حضرت ذوالنون علیہ السلام کی ہے، جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی۔ یعنی ''لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین'' سنو جو بھی مسلمان کسی معاملہ میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دعا کرے، وہ ضرور قبول فرماتا ہے۔

(انتخاب: ......قرۃ العین خالد، اقراء خالد، ارفع اقراء، کمالیہ)

مولویت کیا ہے؟

افسوس صد افسوس! آج کل کے بعض نام نہاد مولویوں کی غلط حرکتوں کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ:

مولویت......ایک پیشے کا نام ہے۔
مولویت......لوگوں کے ٹکڑوں پر پلنے کا نام ہے۔
مولویت......جمعراتے لینے کا نام ہے۔
مولویت......قبروں کی مجاوری اور مزرانوں کے کاروبار کا نام ہے۔
مولویت......مالداروں کی چاکری کا نام ہے۔

مگر میں علماء حق کے تاریخی کردار کی بناء پر ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ:

مولویت......نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا نام ہے۔
مولویت......صحابہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کا نام ہے۔
مولویت......پیام نبوت کی دعوت کا نام ہے۔
مولویت......صداقت وجرأت کا نام ہے۔
مولویت......ناموس رسالت اور ناموس صحابہ کی حفاظت کا نام ہے۔
مولویت......سعد بن جبر کی عزیمت کا نام ہے۔
مولویت......ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی حقانیت کا نام ہے۔
مولویت......امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حق گوئی کا نام ہے۔
مولویت......احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت کا نام ہے۔
مولویت......ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی جرأت کا نام ہے۔
مولویت......مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی جہد مسلسل کا نام ہے۔
مولویت......شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت کا نام ہے۔
مولویت......سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما کی شہادت کا نام ہے۔
مولویت......قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وحکمت کا نام ہے۔
مولویت......شیخ الہند کی غیرت کا نام ہے۔
مولویت......مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت وتبلیغ کا نام ہے۔
مولویت......عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی تڑپ کا نام ہے۔
مولویت......حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اور شوق شہادت کا نام ہے۔

واضح طور پر جان لیجئے کہ ہمارا روحانی رشتہ انہی بزرگوں سے ہے اور ہم فخر سے کہتے ہیں۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم　　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(انتخاب: ......بنت مبارک حسین، مدرسہ فیض القرآن، حیدرآباد)

☆......☆......☆

کامیابی کے تین گُر

(۱)......سالک کامیاب تب ہوتا ہے کہ اس کے دل میں گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ کا خوف موجود ہو، جو انسان کہے کہ میرے دل میں اللہ کا بڑا خوف ہے اور پھر ارادے سے گناہ کا ارتکاب کرے، سمجھ لو کہ یہ غلط بیانی کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف کی پہچان یہ ہے کہ انسان نافرمانی سے بچ جاتا ہے۔

(۲)......ایک آدمی دل میں اللہ رب العزت سے نیک امیدیں رکھے اور نیک امید رکھنے کی پہچان کہ انسان ہر وقت عبادت میں مشغول رہے، جو کہے کہ مجھے اللہ سے بڑی نیک امیدیں ہیں اور نماز بھی پوری نہ پڑھتا ہو، تو سمجھ لو کہ اس کی امید ٹھیک نہیں ہے، اس کی امید غلط ہے۔

(۳)......انسان کو ہر وقت اللہ رب العزت کا دھیان نصیب رہے، یاد رکھیں ہر چیز کی پہچان ہوتی ہے، محبت کی پہچان دھیان ہوتا ہے، کسی کو محبت ہو کسی سے تو ہر وقت اس کا خیال رہے گا، اس کا دھیان رہے گا، وہ انسان آپ کو سوچوں میں گم نظر آئے گا، اللہ تعالیٰ سے بھی محبت کرنے والوں کا یہی معاملہ ہے، وہ بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی سوچوں میں گم نظر آئیں گے، اسی کو وقوف قلبی کہتے ہیں۔ اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے ہر وقت اپنے دل میں اپنے رب کا دھیان رکھیں۔

(انتخاب:......آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

☆......☆......☆

مقام محمود اور پروردگار کی کرسی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مقام محمود اور اس کی اہمیت و خصوصیت کیا ہے؟ جس کا اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے:

ترجمہ:......"بہت ممکن ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر کھڑا کردے۔"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت اور اس دن کہ جب مجھے یہ مقام محمود عطا ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر نزول اجلال فرمائے گا اور وہ کرسی چرچرائے گی، جیسا کہ نئے چمڑے کی تنگ زین چرچراتی ہے اور اس کرسی کی کشادگی و وسعت اتنی ہے، جتنی کہ زمین و آسمان کی درمیانی فضا۔ پھر تم سب کو برہنہ پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ (میدانِ حشر) میں لایا جائے گا اور اس دن پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، چنانچہ اللہ رب العزت حکم دے گا کہ میرے دوست کو لباس پہناؤ اور جنت کی چادروں میں سے ملائم کتان (کپڑے) کی دو سفید چادریں لاکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنائی جائیں گی۔ ان کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا اور پھر میں اللہ تعالیٰ کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور (یہ اعزاز ملنے پر) اگلے پچھلے تمام لوگ مجھ پر رشک کریں گے۔ (دارمی)

مقام محمود وہ اعلیٰ مقام ہے، جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے اور یہ سب سے بڑا اعزاز و شرف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔ (مظاہر حق)

اور یہ مقام وہ مقام ہے جہاں سب کی زبانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی جائے گی اور وہ قرب و

شفاعت کا مقام ہے، اس مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر شفاعت (کبریٰ و صغریٰ) کریں گے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام محمود تک پہنچانے کا وعدہ کیا ہوا ہے، پھر دعا کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی ضرورت اس لئے ہے کہ امت کو فائدہ پہنچے، نیز تواضع وانکسار اور کسر نفسی کی بناء پر آپ خدائے بے نیاز کے سامنے عجز وانکساری کو پسند فرماتے ہیں۔ (موضح)

(انتخاب:......زاہدہ کوثر بنت مولانا محمد طاہر کوثر، کراچی)

☆......☆......☆

جفا نہ کیا کرو!

ایک بزرگ اپنے سالکین کو بار بار فرمایا کرتے تھے، جفا نہ کیا کرو، جفا کہتے ہیں بے وفائی کو، کسی سالک نے پوچھا، حضرت! بے وفائی سے کیا مراد ہے؟ فرمانے لگے، بے وفائی تین طرح کی ہوتی ہے: اللہ سے بے وفائی، مخلوق سے بے وفائی اور اپنے آپ سے بے وفائی، پھر وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہمیں پیدا کیا، وہی ہمیں رزق اور باقی نعمتیں دیتا ہے، اگر ہم اسی کا کھا کر کسی اور کو اس کے ساتھ شریک بنائیں گے تو یہ اللہ کے ساتھ بے وفائی ہوگی، پھر فرمایا: لوگوں کو ایذا پہنچانا مخلوق کے ساتھ بے وفائی ہے اور اللہ کے حکم کو توڑنا اور گناہ کرنا، یہ اپنے آپ کے ساتھ بے وفائی ہے، اس لئے کہ اس طرح انسان اپنے آپ کو جہنم میں جانے کے قابل بنالیتا ہے۔

(انتخاب:......خدیجہ رشیدی، کمالیہ)

☆......☆......☆

جہاد

صحابہؓ وتابعین متعلق خدا کو اسلام کی نعمتوں سے مالا مال کرنے اور دین الٰہی کا بول بالا کرنے کے لئے جہاد کرتے تھے۔ اکابر دیوبند نے مسلمانوں کی سلطنت کو بحال کرنے اور انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کے لئے شاملی میں جہاد کیا۔ ان بعض مجاہدین نے میدان کارزار میں گولیاں کھائیں اور جام شہادت نوش کیا۔ بعض کو دنیا میں بھی جامِ شہادت کے منہ سے چھو جانے کی چاشنی میسر آئی۔ ان میں ایک مولانا مظہر نانوتویؒ (۱۲۳۲ھ-۱۳۰۲ھ) بھی تھے۔ چنانچہ "علماء مظاہر العلوم سہارنپور اور ان کی علمی و دینی خدمات" میں موصوف کے متعلق منقول ہے۔ مولانا الحاج مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ (۱۳۲۲ھ-۱۴۱۷ھ) سرپرست مدرسہ عالیہ مظاہر العلوم و مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند بیان کرتے ہیں کہ "مجھ سے ہردوئی میں ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحبؒ زبان بہت کثرت سے اپنے ہونٹوں پر پھیرتے تھے، کسی کے اصرار کے ساتھ دریافت کرنے پر فرمایا کہ ۱۸۵۷ء میں میں بھی جہاد میں شریک تھا، میرے گولی لگی، میں گر گیا، اسی حال میں دیکھا کہ حوریں شربت کے گلاس لئے ہوئے آئیں اور شہداء کو پلانا شروع کردیا، ایک گلاس میرے سامنے بھی لایا گیا، میں نے جس وقت اس کو منہ سے لگایا، میرا لب تر ہوا تو دوسری نے یہ کہہ کر وہ گلاس ہٹالیا کہ ابھی اس کی حیات باقی ہے، یہ ان میں سے نہیں ہے۔" وہ لذت ہونٹوں پر اب تک باقی ہے جو مجھے چین نہیں لینے دیتی۔"

(مراسلہ:......ام رملہ فاطمہ، حیدرآباد)

ہمارا ملک

ایران میں کون رہتا ہے؟......ایرانی۔ میں ایرانی قوم رہتی ہے۔انگلستان میں کون رہتا ہے؟......انگلستان میں انگریز قوم رہتی ہے۔فرانس میں کون رہتا ہے؟......فرانس میں فرانسیسی قوم رہتی ہے۔یہ کون سا ملک ہے؟......یہ پاکستان ہے۔اس میں پاکستانی قوم رہتی ہوگی؟نہیں اس میں پاکستانی قوم نہیں رہتی۔اس میں سندھی قوم رہتی ہے،اس میں پنجابی قوم رہتی ہے،اس میں بلوچی قوم رہتی ہے،اس میں پٹھان قوم رہتی ہے،اس میں یہ قوم رہتی ہے،اس میں وہ قوم رہتی ہے۔لیکن!پنجابی اور سندھی تو ہندوستان میں بھی رہتے تھے،پھر!یہ ملک الگ کیوں بنا تھا؟غلطی ہوگئی،معاف کردیجیے،آئندہ نہیں بنائیں گے۔

☆......☆......☆

حلاوۃ ایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں گی،وہ ان کی بدولت ایمان کی حلاوۃ اور مٹھاس محسوس کرے گا۔" ایک یہ کہ خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے سب سے بڑھ کر محبوب ہوں،دوم،جس شخص سے محبت وتعلق رکھے،صرف خدا کے لئے رکھے،سوم،ہدایت پالینے کے بعد کفر کی طرف لوٹنے کو ایسے مبغوض سمجھے،جیسے آگ میں ڈالے جانے کو۔(بخاری ومسلم)

☆......☆......☆

تقویٰ کیا ہے؟

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ متقی،سیر چشم اور اپنی حاجت چھپانے والے کو دوست رکھتا ہے۔(مسلم)

"متقی" وہ مسلمان ہے جو تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچے۔"سیر چشم" سے مراد وہ شخص ہے جس کا دل طمع اور حرص کے مذموم جذبے سے پاک ہو۔"خفی" عربی زبان میں اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنی فقر واحتیاج کا ڈھنڈورہ نہ پیٹے۔

☆......☆......☆

شیطان کی گرہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی سونے لگتا ہے تو شیطان اس کی پیشانی پر تین گرہیں لگاتا ہے۔ہر گرہ لگاتے وقت کہتا ہے کہ تمہارے اوپر ایک طویل رات طاری ہے۔لہٰذا(بے فکر)سوئے رہو۔پس جب بندہ بیدار ہوتا ہے اور اللہ کا نام لیتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے،پھر اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے،ایسا شخص چاق وچوبند اور پاکیزہ نفس ہونے کی حالت میں صبح کرتا ہے ورنہ سست اور خبیث النفس ہونے کی حالت میں صبح کرتا ہے۔(صحیح بخاری)

☆......☆......☆

سات اعضاء پر سجدہ کرے

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جب بندہ سجدہ کرتا ہے،اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں،اس کا چہرہ،دونوں ہتھیلیاں اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔(مسلم،ابوداؤد،ترمذی)

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ سجدہ کرتے وقت سات اعضاء کو زمین پر ٹکائے،دونوں گھٹنے،دونوں ہاتھ،دونوں پاؤں اور پیشانی مع ناک(ہدایہ جلد اول)

☆......☆......☆

حج زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟یا زندگی میں صرف ایک مرتبہ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"ایک مرتبہ فرض ہے،جو ایک سے زائد مرتبہ کرے تو وہ نفل ہے۔"(ابوداؤد)

☆......☆......☆

والدین کو لعنت ملامت کرنا حرام ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"بے شک بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے والدین کو لعنت کرے،عرض کیا گیا۔"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کس طرح کرسکتا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "(وہ اس طرح کہ)کس دوسرے شخص کے والد کو گالی دے تو وہ شخص اس کے باپ کو گالی دے،اسی طرح ماں کو گالی دے تو اگلا شخص اس کی ماں کو گالی دے۔(بخاری)

(انتخاب:......خولہ بنت سلیمان،یٰسین آباد،کراچی)

حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کا وقت آیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!آپ کا پیرہن مبارک ہم کس کو دیں؟......حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو؟......چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرہن مبارک لے کر یمن میں آئے اور لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں قرن کا کوئی شخص ہے۔لوگوں نے کہا:ہاں ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی خبر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ہم اسے نہیں جانتے۔ہاں اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اس نام کا ایک شخص آبادی سے دور باہر جنگل میں رہتا ہے اور لوگ اسے دیوانہ کہتے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں اس کے پاس لے چلو۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہاں لے جایا گیا۔یہ دونوں بزرگ جب وہاں

پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں بیٹھ گئے۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے جب نماز ختم کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور انہوں نے جواب دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نام دریافت کیا تو حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میرا نام اویس ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنا داہنا ہاتھ دکھاؤ تو آپ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں وہ نشانی دیکھ لی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ مبارک ہو کہ حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور اپنا پیرہن مبارک آپ کے واسطے بھیجا ہے، جس پر حضرت اویس رضی اللہ عنہ یہ جو پیغام سن کر عالم وجد میں آگئے اور پیرہن مبارک لے کر ایک طرف فاصلہ پر چلے گئے اور سجدہ میں گر کر دعا کرنے لگے کہ اے عشق ومحبت کے بنانے والے اور اے اپنے حبیب کے چاہنے والے! تیرے محبوب نے اپنا جام مبارک شیفتہ وشیدا فقیر بے سروپا کو بھیجا ہے۔ اگر اجازت ہو تو یہ فقیر اسے پہن لے۔ آواز آئی کہ ہاں پہنو، عرض کیا، اے مولائے غفور ورحیم! میں اس پیرہن مبارک کو اس وقت تک نہ پہنوں گا۔ جب تک کہ تو اپنے محبوب کی کل امت کو نہ بخش دے۔ ارشاد ہوا: ہم نے چند ہزار کو بخش دیا۔ عرض کیا۔ الٰہی! سب امت کو بخش، ارشاد ہوا: جس قدر اس پیرہن مبارک کے تار ہیں، اس سے دگنے سر گنے حصہ کو بخش دیا۔ عرض کیا: الٰہی! جب تک ساری امت کو نہ بخشے گا۔ میں یہ پیرہن نہ پہنوں گا۔ ندا آئی۔ میں نے اور بھی کئی ہزار بخش دیا، عرض کیا: میں تو سب کو چاہتا ہوں۔ اسی طرح راز ونیاز کی باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی حالت میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وہاں تشریف لے آئے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: آپ کیوں آگئے۔ میں یہ پیرہن ہرگز نہ پہنتا۔ جب تک کہ ساری امت کو نہ بخشوا لیتا۔ پھر آپ نے اس پیرہن مبارک کو پہنا اور فرمایا کہ حضرت محمد کی امت میری شفاعت اور اس پیرہن کی برکتوں سے بنی ربیعہ اور معضر کے بھیڑوں کے بالوں کے برابر بخش دی گئی ہے۔ پھر حضرت اویس فرط مسرت سے رونے لگے۔ حضرت اویس کی یہ شان اور یہ انداز دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رونے لگے اور پھر حضرت اویس سے دریافت کیا کہ باوجود اس غلبہ شوق اور ولولہ اشتیاق کے دیدار جمال محبوب سے کون سا سبب مانع ہوا؟ اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیوں نہیں کی؟ حضرت اویس نے جواب دیا کہ آپ نے حضور کو دیکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں دیکھا ہے۔ حضرت اویس نے فرمایا: اگر آپ نے اس محبوب کا جمال جہاں آرا دیکھا ہے تو فرمائیے کہ محبوب پاک کے وہ ابروئے پاک آپس میں ملے ہوئے تھے، یا کشادہ تھے، اتفاق دیکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت اس کا جواب نہ دے سکے اور حضرت اویس نے ابروئے مبارک کی پوری پوری نورانی تصویر کھینچ کر بتادی اور فرمایا: میں اگرچہ بظاہر خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوا۔ مگر جلوہ محبوب کسی وقت مجھ سے پنہاں نہیں رہا۔

حضرت اویس رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی شان ہے، آپ اگرچہ بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت شریفہ سے مشرف نہیں ہوئے، لیکن عشق ومحبت کی بدولت باطنی آنکھوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہو چکے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشق ومحبت اور باطنی آنکھ والوں کے سامنے حاضر وناظر ہیں اور حقیقت یہی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن انور سے مس شدہ پیرہن انور کی برکتوں اور بزرگوں کی دعاؤں سے ہم گناہ گاروں کی نجات ہو جاتی ہے۔ حضرت اویس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں تھے۔ لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس لئے حاضر نہ ہو سکے کہ آپ کی والدہ بڑھیا اور ضعیفہ تھیں اور وہ ان کو چھوڑ کر کہیں نہ جا سکتے تھے۔

(انتخاب:......ساجدہ یوسف)

حیا کی محفل



قارئین کی خدمت میں محبت بھرا اسلام اور عیدالاضحیٰ مبارک!

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ حیا کے تمام چاہنے والے صحت وعافیت سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر شر وفتنہ سے محفوظ رکھے۔ آمین......ذی الحجہ کا فضیلتوں، رحمتوں اور برکتوں والا مہینہ ہم پر سایہ فگن ہے، اس کا ہر ہر گھڑی اور ہر ہر لمحہ ہمیں اپنے رب سے قریب کر رہا ہے، اس ماہ مبارک کے دن کا روزہ، پچھلے ایک سال کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ اور ہر رات کی عبادت دیگر راتوں کی عبادت سے کئی گنا افضل ہے......عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانور کی قربانی کر کے دراصل انسان اپنی خواہشات کو قربان کرنے کا اظہار کرتا ہے......اللہ تعالیٰ ہمیں اس ماہ مبارک کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین...... ماہنامہ ''حیا'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، کیسا لگا، ضرور بتایئے گا......

آپ کے خطوط کی منتظر
مہر افروز مہر

✉ شیرین گل، پشاور سے لکھتی ہیں: عزیزم مہر افروز اور تمام قاریات، السلام علیکم! اور دلی دعائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دست بہ دعا ہوں کہ آپ سب اور ''حیا'' کا سارا اسٹاف خیریت سے ہو۔ (آمین)......اس ماہ کا شمارہ کل یعنی 22 تاریخ کو ملا۔ میں تو بک اسٹال سے ہی لیتی ہوں۔ اب پتہ نہیں کہ پشاور دیر سے پہنچتا ہے؟ اگر میں سالانہ خریدار بن جاؤں تو کیا پھر وقت پر مل جایا کرے گا؟ بے حد کوفت ہوتی ہے، جب رسالہ دیر سے آتا ہے، مگر خوبصورت ''ٹائٹل'' پر نظر پڑتی ہے تو ساری کوفت دور ہو جاتی ہے۔ ''نور نبوت'' اور ''آواز حیا'' پڑھ کر، پہلے ''حیا

کی محفل'' میں آتی ہوں۔ جولائی کے'' حیا'' میں خلاف توقع ساجدہ بتول کا خط دیکھ کر ایک حیرت انگیز خوشی ہوئی جو آٹھ ماہ بعد اسی چٹخارے دار خط کے ساتھ حاضر ہوئیں۔ اتنا عرصہ غیر حاضر رہنے کی وجہ؟ ویسے ان کی کمی کسی حد تک (نامعلوم بیٹی) نے پوری کر دی ہے۔ میری طرف سے وعلیکم السلام اور دعائیں۔'' رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم'' اور فداک امی وابی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اس وقت ٹاپ پر جا رہے ہیں۔'' تمنا بر آئی'' کے بعد یہی دو سلسلے سب سے پہلے پڑھتی ہوں۔ دونوں میں ہاشم بھائی کا بیان اور استاد عبدالرحمٰن کا بیان پڑھ کر خود کو اسی دور نبویؐ میں محسوس کرتی ہوں۔ کاش ایسا ممکن ہوتا، مگر'' چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک'' راحت ارشد کا بہت شکریہ، مگر اس بار'' فداک امی وابی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کی قسط غائب ہے۔ مجموعی طور پر'' حیا'' خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے۔'' انبیاء کے دیس میں'' بنت مولانا عبدالمجید کا سفر نامہ بہت اچھا لگا۔ کافی معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔'' تربیت یا غفلت'' بہترین تحریر تھی۔ ام حیات ہنگورہ اور تبسم محسن علوی کی تحریریں بہت پسند ہیں۔ سبق آموز اور اصلاح کا پہلو ان میں ہوتا ہے۔ خیال آفاقی کی'' حمزہ بہادر'' ایک بچے کی ہمت اور بہادری کی داستان ہے، جو قابل رشک ہے۔ ویسے تو لاکھوں گھر اور افراد اس زلزلے کی نظر ہوگئے۔ 2005ء کا زلزلہ پھر 2010ء کا سیلاب، ابھی پھر پنجاب کی سائیڈ کے دیہات سیلاب کی زد میں ہیں۔ وہی حال ہے، لوگ بے گھر ہوگئے اور ٹی وی پر ساون منایا جا رہا تھا۔ لوگ کتنے بے حس ہوگئے ہیں۔ ایک ہفتہ قبل لاہور میں جوتوں کی فیکٹری میں آگ لگی، درجنوں افراد زندہ جل گئے اور اسی دن کراچی کی گارمنٹ فیکٹری میں آگ لگی۔ ایسی خوفناک آگ اور ہولناک مناظر زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے۔ دو سو سے زیادہ لوگ، جن میں خواتین بھی شامل تھیں، زندہ جل گئے، ان بدنصیبوں پر اس وقت کیا بیت رہی ہوگی۔ سوچ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے حکمران ٹس سے مس نہیں ہوئے اور مزید دکھ کی بات تو یہ کہ آٹھویں دن ہمارے صدر صاحب اور وزیراعظم صاحب جہاز میں بیٹھ کر اوپر سے عمارت کا معائنہ کرنے آئے۔ یہ ہم کہاں رہ رہے ہیں؟؟ نہ قانون ہے، نہ حکمرانی، عذاب پر عذاب آ رہے ہیں اور سب سے بڑا عذاب تو اب اس امت پر آیا ہے کہ امریکہ کے ان تین ملعونوں نے ہمارے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ناپاک جسارت کرتے ہوئے ان پر گستاخانہ فلم بنائی اور جس کے رد عمل میں تمام مسلم ممالک میں گزشتہ جمعہ کو احتجاج ہوا۔ ستم بالائے ستم، صرف پاکستان میں ایسا احتجاج ہوا کہ صرف پشاور اور کراچی میں لوگوں کی توڑ پھوڑ اور لوٹ مار سے اربوں کا نقصان ہوا۔ یہ لوگ کس طرف جا رہے ہیں؟ نہ کوئی قاعدہ ہے، نہ قانون۔ اس'' حیا'' رسالے کے توسط سے تمام علمائے کرام اور معزز مفتی صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ مساجد میں تقریریں کریں، عوام کو ایسے اقدامات سے باز رکھیں، میڈیا بھی ایک ذریعہ ہے۔ یہ بینک لوٹ کر اور آگ لگا کر لوگوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کیا یا ان ملعون کافروں کو؟ یہ کیا جانیں ان کے مرتبے کو۔ یہ تو کوئی ہم سے پوچھے۔ مہر جی خط لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ بس چند باتیں اور کہنی ہیں۔ نسیم حجازی کا ناول'' داستان مجاہد'' ختم ہوگیا۔ کاش آج کل کے جوانوں میں جہاد کا جذبہ اور ویسی ہی شرم و حیا بھی پیدا ہو جائے، مگر اس کے لئے بچپن سے ہی تربیت درکار ہے، وہ لوگ اب کہاں ہیں جو دس بارہ برس کی عمر سے ہی بچوں کو تیر اندازی، شمشیر زنی اور گھڑ سواری کی تربیت دیتے تھے، جبکہ آج آٹھ دس سال کے بچوں کو ہاتھ میں موبائل اور سی ایس پی پکڑا دیا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ اور لیپ ٹاپ پر بٹھا دیا جاتا ہے جنہیں اور کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا۔ اب وہ غازی اور مجاہد کہاں؟؟ اب تو پڑھنے کا شوق بھی نہیں رہا۔ ہاں البتہ ان ناولوں کے ذریعے کوشش کرنی چاہئے۔ نسیم حجازی کی'' خاک اور خون'' یا

'' آخری چٹان'' شروع کر دی جائے تو بہتر ہوگا۔ بہت دلچسپ ناول ہیں۔ آخر میں طیبہ اکرم اور نامعلوم بیٹی کو وعلیکم سلام اور بہت دعائیں۔ طیبہ کا رزلٹ آ گیا ہوگا۔ پیشگی مبارکباد۔ میرا دل کرتا ہے کہ ہر ماہ'' حیا کی محفل'' میں آؤں، مگر کوئی نہ کوئی مجبوری ہو جاتی ہے۔ رمضان اور شوال دونوں مہینے بہت پریشانی میں گزرے۔ میری بیٹی بہت بیمار تھی۔ اپنی بھی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اب شکر ہے اللہ کا، کچھ افاقہ ہے۔ سب بچیوں خاص کر مدارس میں پڑھنے والی بیٹیوں سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے اور بہت کامیابیاں نصیب کرے۔ (آمین)..... اگست کے شمارے میں'' سہانا بچپن'' اور'' میری پسند'' میں اپنی تحریریں دیکھ کر خوشی ہوئی، اب اجازت چاہوں گی۔ مہر جی آپ کو خوب بور کر دیا میں نے۔ چلیں کاٹ چھانٹ کر خط شائع کر دیں۔ اللہ آپ سب کا نگہبان ہو۔ آمین

شیریں گل بہن، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کافی عرصہ بعد آپ کا خط آیا، پڑھ کر خوشی ہوئی۔'' حیا'' کے تمام سلسلوں پر زبردست تبصرہ کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ کی اور آپ کی بیٹی کی طبیعت کا سن کر افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو صحت وتندرستی عطا فرمائے۔ قارئین بہنوں سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔

☆......☆......☆

قرۃ العین خالد، کمالیہ سے لکھتی ہیں: پیاری آپی مہر افروز مہر، السلام علیکم! میری دعا ہے کہ آپ لوگ صدا مسکراتے رہیں اور'' حیا'' کی روشنی ہم تک پہنچاتے رہیں۔ میں نے آج'' حیا'' میں دوسری بار قلم اٹھایا، پہلے جو کچھ بھیجا تھا، ابھی تک شائع نہیں ہوا اور خط سے تو شاید ردی کی بالٹی نے استفادہ حاصل کر لیا ہے۔ خیر امید واثق ہے کہ آپ ہمارے اس چاند سے'' حیا'' میں اس ایک ستارے کو بھی شامل کر لیں گے۔ کیونکہ امید پر دنیا قائم ہے۔'' مجھے حیا'' کے تمام سلسلے بہت پسند ہیں۔ آج کے پرفتن دور میں'' حیا'' ہمارے لئے امید کی کرن ہے، اندھیرے میں روشنی ہے۔'' داستانِ مجاہد'' کی آخری قسط بھی ہمیشہ کی طرح بہت اچھی تھی، نعیم کی موت پر آنسو خود بخود بہہ نکلے۔'' ننھا دشمن'' بہت سبق آموز کہانی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ موبائل فون نے آج کی نسل کو برباد کر دیا ہے۔'' میں شجر ہوں شہر ملال کا'' بہت زبردست کہانی تھی۔ امامہ زینب آپ بہت اچھا لکھتی ہیں، میں آپ سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں، مجھے ضرور جواب دیجئے گا'' حیا'' کے ذریعے، باقی تمام کہانیاں بھی بہت زبردست تھیں۔ آپی جان'' میری پسند'' کا سلسلہ کب تک شروع ہو جائے گا، مجھے اس کا بہت بے چینی سے انتظار ہے۔ آپی جان اس معصوم سی لڑکی کے معصوم سے خط کو اپنی بہت چالاک'' ردی کی بالٹی'' سے بچائیے گا۔ آخر میں اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو، تمام امت مسلمہ کو پریشانیوں سے نجات دے اور ہمیں اپنی حقیقت کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

لیجئے قرۃ العین، آپ کے معصوم سے خط کو ہم نے چالاک'' ردی کی بالٹی'' سے بچا لیا۔ امامہ بنت تک آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے، جواب کی منتظر رہئے اور ہاں! آپ کی تحریریں عن قریب ماہنامہ'' حیا'' کی زینت بن جائیں گی۔

☆......☆......☆

ساجدہ سعید، مندہ خیل، میانوالی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! بعد دعا وتسلیم کے امید ہے، ہماری پیاری باجی مدیرہ صاحبہ خیریت سے ہوں گی، اللہ سے دعا ہے کہ'' حیا'' کی پوری ٹیم سے اسی طرح دین کا کام لیتا رہے اور ہمارا پیارا رسالہ ترقی کی طرف گامزن رہے، عصر حاضر کا سب سے بڑا المیہ فحش واخلاق سوز لٹریچر ہی ہیں جبکہ چشم

بصیرت ماہنامہ ''حیا'' کو تمام دینی رسائل پر غالب دیکھتی ہے، اللہ مزید ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)...... پیاری باجی میں ''حیا'' کی تقریباً سات سال سے خاموش قاریہ ہوں، ماشاء اللہ ''حیا'' اپنے قارئین کی زبردست محنت اور سبق آموز تحریروں کی بدولت دن بدن نکھرتا جارہا ہے۔ خدا کرے یہ رسالہ آج کل کے مسلمانوں کی بے رنگ زندگی کے جام میں قوس وقزح کے ساتوں رنگ بھردے۔ (آمین)...... باجی آپ کے ناول ''حنا کی آگ'' کی ایک قسط پڑھی تھی، بہت ہی زبردست تھی، باجی اسی طرح کا کوئی اور ناول لے کر حاضر ہوجائیں، باجی کیا یہ ناول کتابی شکل میں ہے؟ باجی ہماری ایک چھوٹی سی خواہش ہے، وہ یہ کہ انکل اشتیاق احمد کا کوئی ناول لگائیں، بڑی مہربانی ہوگی۔ آخر میں مہر باجی آپ کے نام شعر:

آپ میری دعاؤں میں شامل ہیں اس طرح — پھولوں میں ہوتی ہے خوشبو جس طرح
خدا آپ کو زندگی میں اتنی خوبیاں دے — ہوتی ہے برسات میں بوندیں جس طرح

ساجدہ صاحبہ، آپ کو ''حیا کی محفل'' میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ ان شاء اللہ عن قریب آپ کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کروں گی۔ دعاؤں کا بھی بہت بہت شکریہ

☆......☆......☆

ساجدہ عزیز امان اللہ، بھکر بستی، اسلام آباد سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! آج تقریباً دو سال بعد ''حیا'' میں شرکت کررہی ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد، آپ سب کو اللہ پاک اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ کافی عرصے سے پر تول رہی تھی، آج لکھنے بیٹھ ہی گئی، آپ کہیں گی کہ اتنے عرصے بعد کیوں، اس لئے کہ آج میرے دو ننھے منے 11-2-2011 کو ہوئے تھے نا! راشدہ عزیز اور محمد احمد۔ آپ سمجھ ہی گئی ہوں گی، پھر کیوں نہ دیر سے حاضر خدمت ہوں، ساتھ میں، میں پڑھاتی بھی ہوں صبح شام، پھر آپ کو پتہ ہے جڑواں بچوں کو سنبھالنا مشکل ہوتا ہے، اب بھی جلدی جلدی قلم چلارہی ہوں کہ ساجدہ بتول صاحبہ کو جواب دے دوں کہ انہوں نے مجھے یاد کیا، بہت خوشی ہوئی کہ چلیں ہم بھی کسی کو یاد ہیں، میری بہن نے شمارہ ملنے سے پہلے ہی مجھے بتادیا تھا، اسی دن سے آج تک لکھنے کی فرصت تلاش کرتی رہی، آخر آج مل ہی گئی۔ راحت باجی اینڈ مہر افروز مہر باجی، اللہ پاک آپ کی اور آپ کے ساتھ دیگر عملے کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

ساجدہ عزیز صاحبہ، آپ کو ادارہ ''حیا'' اور تمام قارئین کی طرف سے بہت بہت مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو نیک وصالح بنائے، آمین۔

☆......☆......☆

خالدہ سعید، مندہ خیل، میانوالی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! بعد از مسنون کہ آپ خیریت سے ہوں گی، اللہ رب العزت سے آپ کی صحت وعافیت کے لئے دعا گو ہوں، باجی جان ستمبر کے شمارے میں اپنا خط اور تحریر دیکھ کر پھولے نہ سمائی، بلکہ پھول کر کپا ہوگئی، سب نے مبارک باد سے نوازا، مجھے تو یقین بھی نہیں آرہا تھا کہ میری تحریر یا خط بھی ''حیا'' میں شائع ہوسکتا ہے، مگر آپ نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ باجی جان میں آپ کی دل سے مشکور ہوں، آپ کا بہت بہت شکریہ، ایک اور کہانی بھیج رہی ہوں، امید ہے دوبارہ حوصلہ افزائی فرمائیں گی، ان شاء اللہ اب باقاعدگی سے لکھوں گی، باجی ایک اور مزے کی بات کہ ''مریم غازی'' بھی ہماری دھمکی دینے سے ڈر گئی ہیں، ہے نا مزے کی بات......؟ ہم اس قابل کہاں ہیں کہ ان کی جگہ لے سکیں، ویسے مزہ بہت آیا۔ باجی جان میری ایک چھوٹی

سی خواہش ہے، دعا کریں وہ جلد از جلد پوری ہوجائے، جب میری وہ خواہش پوری ہوجائے گی تو میں آپ کو وہ خواہش پھر بتاؤں گی، پہلے میرے لئے دعا کریں، آپ بھی اور سب قارئین بھی، شاید کسی کی دعا قبول ہوجائے، ابھی ایک مرتبہ یہ کہہ دیں کہ...... یا اللہ! خالدہ کی جائز خواہش پوری کردے۔ (آمین)...... ویسے باجی جان سب قارئین نے خاموشی کی چادر کیوں اوڑھ رکھی ہے......؟ کیا پرویزی دور سے ہماری قارئین حضرات بھی ڈر گئی ہیں تو افسوس صد افسوس، کیونکہ سب نے اب جامعہ حفصہ اور لال مسجد پر لکھنا چھوڑ دیا ہے، کیا یہ شہدا فراموش کردینے کے قابل ہیں......؟ کیا ہمارے قارئین کی بھی نظر میں وہ دہشت گرد ہیں......؟ کیا واقعی انہوں نے بچوں کو یرغمال بنا رکھا تھا......؟ اگر قارئین کا جواب ''نہیں'' میں ہے تو پھر ہم آپ لوگوں کی خاموشی کو کیا سمجھیں......؟ باجی کیا کہنے ''ا-ف'' نے تو ہمارے ہی خیال اچک لئے، بہت خوب مذاق اڑایا پرویزی دور کا، زبردست مزہ آگیا۔ ''ا-ف'' کو انعام دینا چاہئے تھا، اتنی زبردست تحریر لکھنے پر، میں نے یہ تحریر اپنی امی جان کو بھی پڑھ کے سنائی، انہیں بھی بہت پسند آئی، جب بھی کوئی تحریر شہدا کے نام شائع ہوتی ہے، امی جان کو پڑھ کر سنائیں تو ان کے آنسو رکنے کا نام نہیں لیتے، کہتی ہیں ''اے اللہ! جنہوں نے مسجد ومدارس کو شہید کیا، انہیں ہدایت دے، اگر ہدایت ان کے مقدر نہیں ہے تو انہیں برباد کر اور مشرف کو دنیا وآخرت میں ذلیل ورسوا کر، میری دعا ہے مشرف ذلت کی موت مرے، جنہوں نے چھوٹے چھوٹے معصوم بے گناہ بچوں کو شہید کروایا ہے۔''

خالدہ بہن! ''حیا'' رسالہ آپ قارئین کی تحریروں سے مزین کیا جاتا ہے، جو تحریر ہمارے معیار کے مطابق ہوگی، ضرور شامل اشاعت ہوگی، جلد یا دیر سے، باقی اپنی تحریر کے شائع ہونے پر پھول کر کپا ہوجانا، بھئی یہ تو بڑی خطرناک بات ہے...... ایسا کرتے ہیں کہ دو، چار ماہ آپ کی کوئی تحریر شائع نہیں کرتے تاکہ آپ اپنی نارمل حالت پر آجائیں، کیوں محترمہ! صحیح ہے نا؟ اللہ تعالیٰ آپ کی ہر جائز خواہش فرمائے، آمین۔

☆......☆......☆

بنت محمد الیاس نیازی، واپڈا ٹاؤن، گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! امید ہے یقین ہے کہ آپ اور حیا کا پورا اسٹاف حالت ایمان اور عافیت ورحمت کی ٹھنڈی چھاؤں کے مزہ لوٹ رہے ہوں گے۔ اللہ مجھ سمیت آپ سب اور تمام قارئین کو صحت وعافیت اور ایمان والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین...... اگست کے رسالے پر تبصرہ اس لئے نہ ہوسکا کہ ہمیں اپنے خط کا انتظار تھا، ہمیں یقین تھا کہ شاید اگست میں شائع ہوجائے گا۔ لیکن ڈاک والوں کی مہربانی اور 24 گھنٹے کی سروس یعنی ''ہمارا فرض ہے مدد آپ کی'' کے بدولت ستمبر میں شائع ہوا۔ چلو شکر ہے ہو تو گیا ورنہ شریکوں کے طعنے اُف اللہ، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور بقول گھر والوں کے آپ نے ہمیں بہت اچھا پروٹوکول دیا۔ امی حضور فرمانے لگی کہ چلو جی تمہارا پیٹ کا درد تو ختم ہوا، مبارک ہو، ہمشیرہ نے بھی مسکرا کر مبارکباد دی۔ ہمیں انتظار بہت کرنا پڑتا ہے رسالے کا۔ یہاں بہت لیٹ آتا ہے، اگست کا شمارہ بھی 15 اگست کو ملا، لیکن ٹھہریں، پہلے تھوڑا ماحول تو بنالیا جائے کہ اگست کا شمارہ کیسے ملا، ہم کچن میں 11-45 پر برتن دھو رہے تھے اور پیٹ میں مروڑ اٹھ رہی تھی کہ ابھی تک ''حیا'' نہیں آیا۔ دل پر انتظار کا ''وٹہ'' رکھا تھا۔ بلکہ اینٹ اور روڑے بھی۔ اچانک ہمارے دروازے کا کسی نے زوردار طبلا بجادیا۔ دروازہ کھولا گیا تو ہاکر محترم رسالہ لے کر یوں رفو چکر ہوئے، جیسے ہم نے انہیں روک کر کسی کو ووٹ ڈلوانے جانا ہے۔ خیر رسالہ جب گھر میں انٹر ہوا تو ہمشیرہ محترمہ کے ہاتھ میں تھا، ہم اتنے خوش ہوئے کہ بس مت پوچھیں۔ پیٹ میں اٹھنے والی مروڑ اور عام حالات میں

آنے والا غصہ حکمرانوں اور سیاستدانوں کی عقل کی طرح اڑن چھو ہوگیا، ہمارے دل پر جو انتظار کا بھاری پتھر بلکہ ''وٹہ'' دو ڈھائی من کا پڑا تھا وہ اتر گیا۔ اب ہمشیرہ سے کھینچا تانی اس لئے نہ کی کہ ہم کو اپنی ڈیوٹی پوری کرنی تھی، سو کچن سے آواز دی، بھئی دیکھئے گا، ہمارا خط چھپا کہ نہیں اور وہ محترمہ زبان کی اتنی تیز وطرار ہیں کہ ایک گھنٹے میں سارا رسالہ چاٹ جاتی ہیں، خیر فرمانے لگیں، تمہارا خط تو نہیں ہے، بس آخری خط پر نامعلوم لکھا ہوا ہے۔ ہائیں یہ کیا، اچھا بھلا دیکھو تو کیا پتہ میرا ہو، ہم نے کچن سے دوڑ لگادی اور لاؤنج میں پہنچے، ہم نے چونکہ خط اپنی ہمشیرہ کو بھی نہیں دکھایا تھا تو اس کے تو خواب وخیال میں نہ تھا، خیر جناب ہم نے دیکھا تو ہمارا ہی خط تھا، ہمشیرہ فرمانے لگی کہ تم نے اپنا نام ان ویلپ پر لکھا ہوگا، خط میں نہ لکھا ہوگا، اب غلطی کچھ اپنی ہی محسوس ہوئی۔ ویسے ہوتی نہیں ہے۔ خیر مٹی پاؤ۔ نام میں کیا ہے۔ ہم نے لکھا اور آپ نے چھاپ دیا۔ جزاک اللہ وخیراً۔ رسالہ ادھر پنجاب میں جلدی پوسٹ کروایا کریں۔ ایک گزارش ہے کہ چونکہ ہمارے جیسے اکثر گھروں میں ''حیا'' کے علاوہ کوئی رسالہ یا اخبار نہیں آتا تو آپ خاص خاص خبریں کہانیوں یا مضامین کی شکل میں چھاپ دیا کریں۔ ہم نے رسالہ متعارف کروانے میں مزید ترقی کی ہے۔ ایک دو گھروں میں بھی شمارے دیئے۔ لوگوں کو بہت پسند آیا ہے۔ ویسے بھی ہم اگر کوئی کام کریں اور وہ پورا نہ ہو، ہو ہی نہیں سکتا، آہم آہم۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف، سب سے پہلے ''ٹائٹل'' بہت اچھا تھا، پھول کے ساتھ پورے ''ثابت'' چار بلکہ آٹھ دل جو کہ واقعی معجزہ ہے کہ ہم نے اپنے اعمال وافعال سے دوسروں کے دل توڑنے کا باقاعدہ ٹھیکا لے رکھا ہے، حالانکہ ہمارے دو میٹھے بول، شاید کسی ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑ کرنئی زندگی دے دیں۔ بحرحال اچھا لگا۔ ''فرمان الٰہی'' اور ''نور نبوت'' میں محمود عباسی ایمان کی چاشنی بھر دیتے ہیں۔ ''آواز حیا'' ہمارے دل کی آواز تھی۔ عید کی خیر مبارک، بڑی والی کی بھی میں ابھی دے دیتی ہوں۔ بقر عید مبارک۔ خیر ''آواز حیا'' میں جو بات آپ نے بتائی، حرف بہ حرف پوری ہے۔ ''دین پھیلانے میں عورت کی ذمہ داری، اسلامی تہوار، مسلمان عورت اور قرآن واخلاص'' وغیرہ سب اعلیٰ درجے کے مضامین تھے، رسول اعظم کی تو بات ہی کیا ہے، بھئی آفاقی انکل دیں نہ ''حیا'' کو انٹرویو۔ کیوں نہیں دیتے، ہمیں بڑا شوق ہے آپ کے بارے میں جاننے کا۔ بنت ممتاز کا مضمون ہمیں بہت پسند آیا کہ نماز میں خشوع اور خضوع آج کل ناپید ہے۔ بس، تین چار الٹے سیدھے سجدے دیئے اور بس بعد میں اگر پوری پانچ نماز پڑھ لیں تو اتراتے پھریں گی کہ بھئی ہم پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں، نجوم ہدایت ''انبیاء کے دیس میں، محمد بن قاسم وصحابیہ کا شوق شہادت، محترمہ حاجرہ کا انٹرویو، ایک زندگی ایک کہانی، ہم تمہیں اب بھی یاد کرتے ہیں، مت یقین کراتنا، تقویٰ اور پاکدامنی کا انعام، آئی ہے عید کیسے کیسے، مداوا، اپنی بیٹی بیاہ کر تو دیکھو، تیرے عشق کی انتہا چاہئے'' سب بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک، بھئی مبارک بلکہ مبارکاں آپ سب کو اتنا اچھا لکھنے پر۔ آگے آئے تو دیکھا ہم نے ''شوہر کیسے کیسے'' واہ جی واہ مزہ آگیا۔ مرد حضرات اگر کچن میں چلے جائیں تو اچھے بھلے کچن کو عجائب خانہ بنا دیتے ہیں۔ خیر اچھا لگا۔ ''اے میرے پیارے وطن، باطل کا رکیک حملہ، درد دل کے واسطے، امریکی بچے کی دردناک کہانی، خواتین میں بڑھتا ہوا گناہ، ٹھوکر، گھر کہانی، والدہ کو تنور میں جلانے کا واقعہ، قاتل، ام کفیل بخاری، آپ کے مسائل اور خواب کی تعبیر، سب بہت اچھے تھے۔ ''لو جی یہ ''حیا'' کے اجزاء کی میں کھیر بنا رہی ہوں جی۔ اب اس میں تبسم کی مٹھاس ڈالی۔ آرائش جمال ہمارے بس کی بات نہیں کہ ہم استعمال ہی نہیں کرتے۔ پھر باورچی خانے سے طرح طرح کے میدے اس کھیر میں ڈال دیئے، بھئی روپ بہروپ کی ماچس سے ہم نے تو آگ بھی نہ جلائی نہ جی نہ توبہ۔ میری

پسند کے چاندی کے ورق لگائے۔ گلدستہ حیا کے پستے کی ہوائیاں دی اور حیا کی محفل میں چونکہ ہمارا خط تھا تو اس خوبصورت بلکہ بقول آپ کے زبردست ڈونگے میں اپنے تبصرے کی مزیدار کھیر ڈال دی ہے کھایئے گا اور داد دیجئے گا۔ صبا یونس، اور آنٹی راحت کی کوئی تحریر نہ تھی نہ ہی فداک ابی وامی تھی۔ میں رونے لگ جاؤں گی اور اور اور آپ ہنسنے لگ جائیں گی۔ بھئی نہ انتظار کروایا کریں، ایویں ہم سمارٹ ہو جائیں گے۔ یہ پتلی بہن پہلے ہی ہمارا استحصال کرتی ہیں اب آپ بھی شروع ہوگئی، لوگ تو پہلے ہی ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ پر ہم بھی ایک ڈھیٹ ہیں۔ جو سن لیں۔ ہم چھوٹی ہیں لیکن لگتی ہمشیرہ سے بھی بڑی ہیں۔ اب اللہ نے صحت دی ہے تو ہم شکر بھی نہ کریں، کیا خیال ہے۔

واہ بھئی واہ، مزہ آگیا، اس قدر لمبا خط، مگر وہ بھی اس قدر دل چسپ ...... بنت محمد الیاس صاحبہ، آپ تو چھپی رستم نکلی، لکھنے کی اتنی زبردست صلاحیت موجود ہے اور آپ...... بس جلد ہی ایک کہانی لے کر میدان صحافت میں آجاؤ، ان شاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔

☆......☆......☆

ف بنت حافظ محمد حسین پیلاں لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! محترمہ مکرمہ راحت ارشد، مہر افروز مہر باجی، امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے، خداوند کریم خیریت سے رکھے، دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام قاریات کو صحت وعافیت سے رکھے اور میں تقریباً ایک سال سے ''حیا'' کی قاریہ ہوں اور اس کی تمام کہانیاں اچھی ہوتی ہیں۔ ''فداک ابی وامی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبردست ہے اور آپ سے گزارش ہے کہ ہر شمارے میں یہ قسط شائع کیا کریں اور صبا یونس کی ''تربیت یا غفلت'' بھی زبردست تھی اور ''ماں نمبر'' بھی بہت پسند آیا ہے۔ میں ایک مضمون ''شیزان کا بائیکاٹ کیجئے'' بھیج رہی ہوں، اگر قابل اشاعت ہو تو شائع کر دینا اور تمام قاریات کو سلام قبول ہو۔ والسلام

بنت حافظ حسین صاحبہ، ''حیا کی محفل'' میں خوش آمدید، آپ کی تحریر وقت آنے پر شائع ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔

☆......☆......☆

نازش کنول رباب لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ آپ اور آپ کی پوری ٹیم خیریت سے ہوں۔ ستمبر کا شمارہ ملا۔ جسے پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ تمام سلسلے زبردست تھے۔ خاص کر ماسٹر شوکت علی کی تحریر ''دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو'' ایک استاد اور شاگرد کا رشتہ بالکل ایسا ہی ہونا چاہئے۔ مولانا مفتی امداد اللہ انور کی تحریر پڑھ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ یاسمین نجمی کی تحریر ''شوہر کیسے کیسے'' پڑھ کے بہت مزہ آیا جس کو بھی سنائی، اس کا ہنس ہنس کے برا حال ہوا۔ ''رشتوں کی چاشنی'' تحریر بھی اچھی تھی۔ واقعی انسان اپنوں کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بنت حضرت مولانا عبدالمجیدؒ کی تحریر ''انبیاء کے دیس میں'' کی تو جتنی تعریف کی جائے، کم ہے۔ ''میری پسند'' کا سلسلہ بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ اب آتے ہیں ''حیا کی محفل'' کی طرف، جس میں نئے ناموں کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ اس رسالے کو پڑھنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اب اجازت چاہوں گی، آخر میں آپ کو، تمام پڑھنے والوں کو اور خاص کر زوجہ مولانا اصغر نعمانی کو سلام۔

نازش صاحبہ، رسالہ کی پسندیدگی کا شکریہ، زوجہ مولانا اصغر علی کو آپ کا سلام پہنچا دیا گیا ہے۔

خالدہ بتول، میانوالی سے لکھتی ہیں: مہر باجی، السلام علیکم! بعداز سلام مسنون کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ میرا "حیا کی محفل" میں پہلا خط ہے۔ باجی جان! میں بلکہ ہم سب "حیا" رسالہ بہت شوق سے پڑھتے ہیں، مجھے "حیا" رسالہ بہت پسند ہے۔ باجی مجھے حد سے زیادہ شوق ہے کہ میں بھی زمانے کی سختیوں اور چند خوشی کے لمحات کو اپنے لفظوں میں پیش کروں اور پھر ان الفاظ کو آپ کے رسالے کے ذریعے لوگوں تک پہنچاؤں، تاکہ ان کو بھی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے اور ہزاروں بے خبر اور لاپرواہ انسان جو آج زندگیوں کو تو برباد کر رہے ہیں، مگر دوسروں کو بھی درگور کیے جاتے ہیں کیونکہ کئی لوگ ان سے وابستہ ہیں، غرض میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا قلم کہاں تک کے لمحات کو قید کرسکتا ہے، مجھے امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہ لوٹائیں گی۔ باجی یہ مریم غازی کہاں غائب ہوجاتی ہیں؟ ان سے کہنا کہ دوبارہ اپنی ایک عدد تحریر کے ساتھ حاضر ہوجائیں، ورنہ...... ورنہ ہم خود ان کی جگہ براجمان ہوجائیں گے تو اٹھنے کا نام نہیں لیں گے، اس لئے جلدی سے حاضر جائیں۔ باجی ہماری حوصلہ افزائی فرمایئے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ "حیا" کو دن دگنی رات ترقی عطا فرمائیں اور "حیا" کی پوری ٹیم اور اس میں لکھنے والے سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین

خالدہ صاحبہ، آپ تکلیف نہ کریں، مریم غازی نے اپنی سیٹ سنبھال لی ہے اور ایک عدد کہانی کے ساتھ وہ اپنی سیٹ پر براجمان ہیں...... خالدہ! آپ تحریر لکھ کے بھیجئے، قابل اشاعت اور معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔

☆......☆......☆

اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی لکھتی ہیں: پیاری باجی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! کافی دنوں کے بعد قلم کاغذ اٹھا رہی ہوں اور آپ سے دعاؤں کی التماس کرتی ہوں، باجی میرے پیارے والد محترم ماہ رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو اس دنیا کو الوداع کر گئے، رب تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد کو صدقہ جاریہ بنائے، ابا جان بہت ہی شوق، حوصلہ والے اور خاموشی پسند تھے، اب اباجی کی کس کس خوبی کو ذکر کروں، بڑے پیارے انداز میں زندگی گزار کر ماہ رمضان میں رب کے پاس روانہ ہوگئے، ہم بھی اس دنیا کو چھوڑ کر ضرور ایک دن جائیں گے، لیکن اباجی مسلسل یاد آتے ہیں، ان کا ہر انداز نرالہ تھا، دین پر قائم رہنے والے تھے، نماز ادا کرنے کے علاوہ نوافل ادا کرنا، سب بچوں کا خیال رکھنا، ہر ایک کے گھر جاکر خیریت معلوم کرنا اور دعاؤں میں کثرت سے شکر کرنا، ان کی عادت تھی، ماہ رمضان کے روزے کبھی بھی قضا نہ کیے، ہر سال بڑی خوشی سے ماہ رمضان کا استقبال کرتے، خوب عبادت کا مزہ اٹھاتے، آخر وہ رب کے پاس جاکر اپنی زندگی کے اچھے عمل کا ضرور اجر پائیں گے، ہماری دعا ہے، وہ سدا رحمتوں میں رہ کر رب کا انعام پاتے رہیں اور رب پاک ہماری نیک خواہشات کو پورا فرمائے اور میری امی جان کی، بھائیوں کی بہنوں کی اور سب کی اولاد کی زندگی دراز فرمائے اور سب کو دین کا داعی بنائے۔ آمین

اہلیہ محمد امان اللہ صاحبہ! آپ کے والد محترم کی وفات کا سن کر افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین...... قارئین سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔

☆......☆......☆

ساجدہ یوسف لکھتی ہیں: السلام علیکم! باجی کیسی ہیں، امید ہے کہ ٹھیک ہی ہوں گی اور "حیا" سے وابستہ تمام معاونین خیر وعافیت سے ہوں گے۔ ذیقعدہ کے مہینے میں "حیا" خوبصورت سے "ٹائٹل" کے ساتھ ملا۔ تو بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ "حیا" پڑھنے کے بعد سوچا کہ اس پر خوبصورت سا تبصرہ بھی لکھ ہی دیا جائے۔ ماشاء اللہ

"حیا" اپنے قارئین کی زبردست محنت اور کوشش سے دن بدن ترقی کی راہوں پر گامزن ہے، اس میں ام حیات ہنگورا کی "ایک زندگی ایک کہانی" اور مریم غازی کی "تیرے عشق کی انتہا" بہت اچھی جارہی ہے۔ مولانا احسان الحق اور محمود عباسی کی تحریریں بہت اچھی ہیں۔ بنت مولانا عبدالمجیدؒ اور فاطمہ مرزا کی تحریریں بھی پسند آئیں۔ "حیا" کے باقی تمام سلسلے بھی اپنی مثال آپ ہیں، میں نئے لکھنے والوں میں سے ہوں اور دو تحریریں بھیج رہی ہوں، اپنے رسالے میں ہمیں بھی جگہ دے کر شکریہ کا موقع دیں، آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ماہنامہ "حیا" کو دن دگنی رات چوگنی "ترقی عطا فرمائے اور آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو فضل عظیم اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

سادہ صاحبہ، "حیا" میں خوش آمدید۔ آپ اپنی تحریریں ارسال کردیں، معیار کے مطابق ہوئی تو ضرور شائع ہوگی۔

☆......☆......☆

ہادیہ حبیب الرحمٰن، باغ آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! پیاری مہر آپی، امید ہے، خیریت سے ہوں گی اور دین کو عام کرنے میں مشغول ہوں گی، یہ "حیا" میں میرا تیسرا خط ہے اور میں نے دو مضمون لکھے ہیں۔ "اسلام میں عورت کا مقام" اور "داستان غم" جو 18 اکتوبر 2005ء کے زلزلے کے بارے میں ہے، آپ سے گزارش ہے کہ برائے مہربانی اسے شائع کرکے شکریہ کا موقع دیں اور آپ کو میں نے کہا تھا کہ کشمیر آنے کا پروگرام بنائیں، راحت آپی اور آپ کا آپس میں کچھ رشتہ ہے، برائے مہربانی جواب دینا اور میرے مضمون کے بارے میں مجھے بتانا کہ اچھے ہیں یا نہیں، غلطی ہو تو ضرور بتانا، کیونکہ غلطی سے ہی انسان سیکھتا ہے، آخر میں تمام قارئین کو سلام، مہر آپی کو پیار، خدا حافظ۔

ہادیہ بیٹا، آپ کے مضمون وقت آنے پر شائع ہوجائیں گے، صبر سے کام لیں۔ جی ہاں، راحت اور میں آپس میں کزن ہیں اور بہت اچھی دوست بھی۔ کشمیر آنا ہوا تو آپ کو ضرور اطلاع دوں گی۔ صحیح!!

☆......☆......☆

مریم غازی لکھتی ہیں، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے کہ خیریت سے ہوں گی، اللہ پاک سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ ستمبر کا "حیا" مل چکا ہے اور پڑھ بھی چکے ہیں۔ آج نا معلوم دل کیوں اداس ہو رہا ہے اور دل چاہ رہا ہے کہ "حیا" کے توسط سے اپنے عزیزوں سے باتیں کی جائیں۔ بھئی "حیا" کو پڑھنے والی ساری مومنات ہماری بہنیں ہی ہیں ناں! مولانا محمد عمر پالن پوریؒ کا درس پڑھ کر دل میں عمل کا شوق پیدا ہوا۔ بنت عبدالمجیدؒ کا "سفرنامہ" پڑھ کر ہم بھی مصر کی سیر کر آئے، یہ "سفرنامہ" ہمارے لئے معلومات کا ذریعہ ہی ہے اور درس عبرت بھی۔ سعید احمد صدیقی کی "محمد بن قاسم" نے ہمارے دل کے زخموں کو تازہ کردیا، ایسے فاتح وحکمران کہاں چلے گئے؟ ام حیات ہنگورا کی تحریر ہمیشہ کی طرح بہترین تھی، البتہ "شینا" کی دن بھر کی خوراک کی تفصیل سن کر ہمارے حواس بری طرح گم ہوگئے۔ بنت ن، حسین کی تحریر سبق آموز تھی۔ "ہاتھ دیکھنا اور دکھانا سخت ترین گناہ ہے" آج کل یہ گناہ بہت عام ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کو اس سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ "آئی ہے عید کیسے کیسے" آنسوؤں اور درد میں بھیگی ہوئی تحریر نے زخموں کا منہ کھول دیا، اس کے بعد شمارے کی زبردست تحریر کی طرف آتے ہیں۔ یعنی یاسمین نجمی صاحبہ کی "شوہر کیسے کیسے" پڑھ کر بڑا لطف آیا، چونکہ خود ابھی اس صف میں شامل نہیں ہیں، اس لئے دوسروں کے شوہروں کے حالات کو بڑے مزے سے پڑھا۔ ان سے گزارش ہے کہ آئندہ بھی اپنی تحریروں سے

"حیا" کو جگمگاتی رہیں۔ "ایک امریکی بچے کی دردناک کہانی" پڑھ کر مغرب کی روشنیوں اور مصنوعی چکا چوند پر ہزار بار لعنت کی۔ "رابعہ وقت سیدہ ام کفیل بخاری" کے حالات پڑھ کر دل ہی دل میں عظیم باپ کی عظیم بیٹی کو خراج تحسین پیش کیا۔ باقی تمام تحریریں بھی اچھی ہیں۔ "ہم تمہیں اب بھی یاد کرتے ہیں" تبسم محسن علوی کی کہانی تھوڑی رومینٹک تھی۔ خیر اس خط کے ساتھ ہی ہماری کہانی کی چوتھی قسط آپ کے سامنے ہے اور امید ہے کہ اس وقت تک ہماری ہمشیرہ محترمہ اور بھائی جان کی شادی بھی بخیر و عافیت انجام پا چکی ہوگی۔ جی ہاں نومبر کے مہینے میں یہ اہم کام سرانجام ہونا ہے۔ ان دنوں میں جب ہم یہ خط تحریر کر رہے ہیں سرتاپیر شادی کی تیاری کی مصروفیات میں غرق ہیں۔ اس کی وجہ ایک تو دو شادیاں ہیں اور دوسری وجہ ہمشیرہ محترمہ کی شادی بھی چونکہ خالہ جان کے اکلوتے بیٹے سے ہو رہی ہے جو کہ امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔ اب خالہ جان تو پاکستان آچکی ہیں، لیکن ان کے صاحبزادے بمع والد صاحب کے شادی سے دو دن پہلے ہی تشریف آئیں گے، سو ادھر کی ساری تیاری بھی ہمیں ہی کرنی پڑ رہی ہے۔ اس مصروفیت کی وجہ سے مدرسے کی پڑھائی بھی ٹھیک طرح سے نہیں ہو پا رہی، جس کی وجہ سے "امی جان" ہمیں خشمگیں نگاہوں سے گھورتی رہتی ہیں۔ اب ہمارا حال یہ ہے کہ راتیں خالہ کی تنہائی کی وجہ سے ان کے گھر اور دن ان کے گھر کے کام کاج، اپنے گھر، مدرسے، بازار اور درزی کے چکر لگانے میں گزر جاتے ہیں اور اس مصروفیت کی بنا پر قارئین! اگر اگلے ماہ کی قسط نہ مل سکے تو انتہائی معذرت، ویسے ہم پوری کوشش کریں گے کہ قسط آپ تک پہنچ جائے، لیکن بہت مشکل نظر آرہا ہے، امید ہے آپ بھی ہماری مجبوری سمجھ کر ہمیں اس غیر حاضری پر معاف کر دیں گی۔ (ویسے آپس کی بات ہے کہ اگر عبیرہ نے یہ خط پڑھا تو ہمیں گھور کر کہے گی۔ ہاں، ہاں تم نے تو سارا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے جو اتنی لمبی چوڑی مصروفیات ظاہر کی ہیں) لیکن قارئین آپ تو سمجھتی ہیں ناں کہ ان محترمہ کو تو اپنی شادی کی وجہ سے کاموں میں رعایت ہے اور بھابھی جان کبھی خود بیمار ہوتی ہیں اور کبھی ان کے بچے بیمار ہوتے ہیں، والدہ محترمہ کو تو مدرسے اور درس و تدریس کی مصروفیات کے باعث ہم سے ملنے کا ٹائم بھی کبھی کبھی ملتا ہے، پیچھے ہماری مظلوم شخصیت ہی بچتی ہے، آپ سوچ رہی ہوں گی کہ اتنی مصروفیت کے ہوتے ہوئے اتنا طویل خط کس طرح لکھ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عبیرہ اپنی ساس یعنی خالہ کے ساتھ شادی کی خریداری کے لئے لاہور گئی ہوئی ہے اور ہم بھی ان دنوں اپنے گھر میں سکونت پذیر ہیں، لہٰذا کچھ فراغت ہے، خط کی طوالت پر معذرت کے ساتھ۔ خدا حافظ۔

مریم غازی بیٹی، بہت بہت مبارک ہو آپ کو بھائی بہن کی شادی کی، قارئین حیا کی جانب سے بھی آپ کو مبارکباد دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی مصروفیات کے باوجود ہمارے لئے وقت نکالا۔ دیکھئے ماہنامہ حیا نے بھی آپ کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اشاعت کے آخری مراحل میں آپ کا ناول شائع کر دیا۔

☆......☆......☆